تفسیر قرآن میں جاہلی شاعری سے استشہاد

(فتح القدیر کا تجزیاتی مطالعہ)

مقالہ برائے پی ایچ ڈی، علوم اسلامیہ

مقالہ نگار

ارشد خان

پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

رجسٹریشن نمبر: 787-Phd/IS/F18

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت، فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

ستمبر، 2024

تفسیر قرآن میں جاہلی شاعری سے استشہاد

(فتح القدیر کا تجزیاتی مطالعہ)

مقالہ برائے پی ایچ ڈی، علوم اسلامیہ

مقالہ نگار

ارشد خان

پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

رجسٹریشن نمبر:787-PhD/IS/F18

نگرانِ مقالہ

ڈاکٹر ارم سلطانہ

اسسٹنٹ پروفیسر

اسلامی فکر و ثقافت

نمل، اسلام آباد

معاون نگرانِ مقالہ

ڈاکٹر کفایت اللہ ہمدانی

ایسوسی ایٹ پروفیسر

شعبہ عربی

نمل، اسلام آباد

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت، فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

سیشن(2024-2018)

©ارشد خان2024ء

بسم الله الرحمن الرحيم

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، فیکلٹی آف سوشل سائنسز

منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval Form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: تفسیر قرآن میں جاہلی شاعری سے استشہاد: فتح القدیر کا تجزیاتی مطالعہ

Invoking of jahili poetry in tafseer e Quran

(Analytical study of Fathul Qadeer)

نام ڈگری: **ڈاکٹر آف فلاسفی علوم اسلامیہ**

نام مقالہ نگار: ارشد خان

رجسٹریشن نمبر: **787-Phd/IS/F18**

ڈاکٹر ارم سلطانہ

(نگرانِ مقالہ) ______________ دستخط نگرانِ مقالہ

ڈاکٹر کفایت اللہ ہمدانی

(معاون نگران مقالہ) ______________ دستخط معاون نگرانِ مقالہ

ڈاکٹر ریاض احمد سعید

(صدر شعبہ اسلامی فکر و ثقافت) ______________ دستخط صدر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

پروفیسر ڈاکٹر محمد ریاض شاد

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) ______________ دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

میجر جنرل (ر) شاہد محمود کیانی (ہلال امتیاز ملٹری)

(ریکٹر نمل) ______________ دستخط ریکٹر نمل

تاریخ: ____________________

حلف نامہ فارم

(Candidate declaration form)

میں: **ارشد خان** ولد: **مراد خان**

رول نمبر: PD-IS-18-458 رجسٹریشن نمبر: 787-PhD/IS/F18

طالب علم، پی ایچ ڈی، شعبہ اسلامک تھاٹ اینڈ کلچر، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد، حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ

مقالہ بعنوان: تفسیر قرآن میں جاہلی شاعری سے استشہاد: فتح القدیر کا تجزیاتی مطالعہ

Invoking of jahili poetry in tafseer e Quran
(Analytical study of Fathul Qadeer)

Tafseer-e- quran mein Jaheli shairi se istishaad
(Fath-ul-qadeer ka Tajzīyātī Mūṭāli'ah)

پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لئے پیش کیا گیا ہے اور **ڈاکٹر ارم سلطانہ** اور **ڈاکٹر کفایت اللہ ہمدانی** کی زیر نگرانی تحریر کیا گیا ہے، یہ راقم الحروف کا اصل کام ہے اور مزید یہ کہ مذکورہ کام کہیں اور جمع کرایا گیا ہے نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

میں اس بات کو جانتا ہوں کہ ایچ ای سی (HEC) اور نمل (NUML) علمی سرقہ (Plagiarism) کے حوالے سے عدم برداشت کی پالیسی پر سختی سے عمل پیرا ہیں۔ اس لیے میں بطور مقالہ نگار اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ یہ میرا ذاتی علمی کام ہے۔ اس مقالہ کا کوئی حصہ بھی سرقہ شدہ نہیں ہے۔ اور میں نے جہاں سے بھی کسی علمی کام کو اپنے مقالے میں شامل کیا ہے اس کا باقاعدہ حوالہ دیا ہے۔ میں اس بات کا بھی اقرار کرتا ہوں کہ اگر میرے مقالے میں کسی بھی قسم کا باقاعدہ علمی سرقہ پایا جائے تو یونیورسٹی میری ڈگری کو ختم کرنے / واپس لینے کا اختیار رکھتی ہے۔

نام مقالہ نگار: ارشد خان

دستخط مقالہ نگار: ________________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

ABSTRACT

Invoking of jahili poetry in tafseer e Quran

(Analytical study of Fathul Qadeer)

Allah Almighty revealed the Holy Qur'ān on Prophet Muhammadﷺ in the most eloquent form of Arabic language. That's why the knowledge of eloquent and rhetorical Arabic language is considered one of the main sources which help to understand the meaning of Allah's words. Jahilī poetry because of its highest level of eloquence and rhetoric, is called Dīwān e Arab. Keeping in view of this fact, most of the Narrators (Muffasireen) right from the time of Sahaba (R.A) used to get help from the ancient Arabic poetry to clarify the meanings of Allah's Book. In this regard, the method of Tarjumān Al- Qur'ān Ḥazrat ʿAbdullah Ibn ʿAbbās(R.A) is very vivid. Almost all the great Narrators (Muffasireen) followed his footstep in this field. The writer of Tafsīr Fatḥ Al-Qadīr, Imam Muhammad AL- shokānī also is not different from the others in this regard. He used the Arabic poetry generally and Ancient Arabic poetry specifically to elaborate the meanings of the revealed book.

This thesis will justify the fact that in first half of Quran imām shokānī very often got help from Ancient Arabic poetry while interpreting the Qur'anic text. Th subject matter is divided into four chapters and each chapter is further divided into sub-units.The first chapter is about the importance and requirement of invoking jahili poetry for interpreting the words of God. It also covers the introduction of Fathul qadeer and its writer. The second chapter covers the details of verses where jahili poetry has been invoked to elaborate the linguistic matters. The third chapter gives the details of places where syntactical issues have been elucidated through invoking jahili poetry. Last chapter deals with the rhetorical matters in this regard.

Keywords: *Tafseer Fathul Qadeer, imam e Shaokani, jahili poetry, linguistic, syntactical, rhetorical*

ملخص (Abstract)

تفسیر قرآن میں جاہلی شاعری سے استشہاد

(فتح القدیر کا تجزیاتی مطالعہ)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو عربی زبان کی انتہائی فصیح و بلیغ شکل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ اسی لیے فصیح و بلیغ عربی زبان کا علم ان اہم ذرائع میں شمار ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے الفاظ کے مفہوم کو سمجھنے میں مدد فراہم کرتے ہیں۔ جاہلی شاعری اپنی اعلیٰ ترین فصاحت و بلاغت کی وجہ سے دیوان عرب کہلاتی ہے۔ اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے زمانے سے لیکر آج تک اکثر مفسرین کتاب اللہ کے معانی کو واضح کرنے کے لیے قدیم عربی اشعار سے مدد لیتے ہیں۔ اس سلسلے میں ترجمان القرآن حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا طریقہ بہت واضح ہے۔ تقریباً تمام بڑے بڑے مفسرین اس میدان میں ان کے نقش قدم پر چلے ہیں۔ تفسیر فتح القدیر کے مصنف امام محمد الشوکانی بھی اس سلسلے میں دوسروں سے مختلف نہیں ہیں۔ انہوں نے عربی شاعری کو عام طور پر اور قدیم عربی شاعری کو خاص طور پر اس نازل شدہ کتاب کے معانی کو واضح کرنے کے لیے استعمال کیا ہے۔

یہ مقالہ اس بات کو ثابت کرے گا کہ قرآن کے پہلے نصف میں امام شوکانی نے اکثر مقامات پر قرآنی متن کی تفسیر کرتے ہوئے قدیم عربی شاعری سے مدد لی ہے۔ اس موضوع کو چار ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر باب کو مزید ذیلی فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا باب خدا کے کلام کی تشریح کے لیے جاہلی شاعری کی ضرورت اور اہمیت کے بارے میں ہے۔ اس میں فتح القدیر اور اس کے مصنف کا تعارف بھی شامل ہے۔ دوسرے باب میں ان آیات کی تفصیلات کا احاطہ کیا گیا ہے جہاں لسانی معاملات کی وضاحت کے لیے جاہلی شاعری سے مدد لی گئی ہے۔ تیسرے باب میں ان مقامات کی تفصیلات دی گئی ہیں جہاں جاہلی شاعری کے ذریعے نحوی مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔ آخری باب اس سلسلے میں بلاغی امور سے متعلق ہے۔

کلیدی الفاظ: تفسیر فتح القدیر، امام شوکانی، جاہلی شاعری، لغوی، نحوی، بلاغی

فہرست عنوانات

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1	منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ	IV
2	حلف نامہ	V
3	ملخص (Abstract)	VII،VI
4	فہرست عنوانات	VIII
5	اظہار تشکر	X
6	انتساب	XI
7	**باب اول: موضوع تحقیق سے متعلق بنیادی مباحث**	1
8	موضوع تحقیق کا تعارف اور ضرورت و اہمیت	1
9	جواز تحقیق و موضوع تحقیق پر سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ	4,3
10	زیر بحث موضوع کی انفرادیت	13
11	مقاصدِ تحقیق	13
12	تحدید موضوع، منہج تحقیق	14
13	**باب دوم: تفسیر قرآن میں استشہاد بالشعر الجاہلی کی ضرورت و اہمیت**	16
14	فصل اول: فتح القدیر اور مؤلف کا تعارف	17
15	فصل دوم: تفسیر میں استشہاد بالشعر الجاہلی کی ضرورت	24
16	فصل سوم: تفسیر میں استشہاد بالشعر کی اہمیت	29
17	**باب سوم: آیات کی لغوی توضیح کیلئے استشہاد بالشعر**	32
18	فصل اول: علم قرآت سے متعلق استشہاد بالشعر	33
19	فصل دوم: علم دلالت سے متعلق استشہاد بالشعر	54
20	فصل سوم: علم صرف سے متعلق استشہاد بالشعر	156
21	**باب چہارم: آیات کی نحوی توضیح کیلئے استشہاد بالشعر**	179

180	فصل اول: مرفوعات سے متعلق استشہاد بالشعر	22
206	فصل دوم: منصوبات سے متعلق استشہاد بالشعر	23
228	فصل سوم: مجرورات سے متعلق استشہاد بالشعر	24
239	**باب پنجم: آیات کی بلاغی توضیح کیلئے استشہاد بالشعر**	25
240	فصل اول: علم معانی سے متعلق استشہاد بالشعر	26
254	فصل دوم: علم بیان سے متعلق استشہاد بالشعر	27
290	فصل سوم: علم بدیع سے متعلق استشہاد بالشعر	28
298	خلاصہ بحث	29
300	نتائج بحث	30
303	سفارشات	31
304	فہارس	32
334	فہرستِ اعلام واماکن	33
340	مصادر ومراجع	34

اظہار تشکر (ACKNOWLEDGEMENT)

اللہ رب العالمین کا فضل و احسان اور کرم و امتنان ہے کہ اس نے ہمیں قرآن مجید جیسا صحیفہ انقلاب اور محمد رسول اللہ ﷺ جیسا عظیم رسول عطا فرمایا اور ہمیں آپ ﷺ کا امتی ہونے کا شرف عطا فرمایا اور یہ سعادت بخشی کہ قرآن مجید اور آپ کی سیرت طیبہ سے خوشہ چینی کر سکیں۔

میں شکر گزار ہوں اپنے محسن و مربی اور انتہائی مشفق و مہربان اساتذہ ڈاکٹر کفایت اللہ ہمدانی اور ڈاکٹر ارم سلطانہ کا کہ جن کی عنایات کریمانہ اور خصوصی نظر التفات سے یہ مقالہ بخیر و خوبی منزل آشنا ہوا، انہوں نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود رہنمائی کے لئے بھرپور وقت عنایت فرمایا اور اہم بات یہ کہ مسلسل رابطے میں رہے اور کام کی نوعیت اور رفتار پر ترغیب و ترہیب کے ذریعے توجہ دلاتے رہے، جس پر تازیست میں ان کا عمیق قلب سے شکر گزار ہوں اور بارگاہ الہی میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں دارین کی سعادتیں نصیب فرمائے۔ (آمین)

میں شکر گزار ہوں پروفیسر ڈاکٹر محمد ریاض شاد (ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز)، ڈاکٹر ریاض احمد سعید (ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ شعبہ اسلامی فکر و ثقافت)، ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری (سابق صدر شعبہ اسلامی فکر و ثقافت)، ڈاکٹر نور حیات خان (سابق صدر شعبہ اسلامی فکر و ثقافت) ڈاکٹر رانا امان اللہ اور شعبہ کے جملہ اساتذہ کرام کا جو اس تحقیق کے عمل میں میری ہر اعتبار سے حوصلہ افزائی اور رہنمائی کرتے رہے۔ خصوصی طور پر عزیزم وقار خان (معلم کینٹ پبلک سکول مردان) کا شکر گزار ہوں جن کی انتھک محنت کی بدولت مقالہ ہذا کمپوزنگ کے مراحل سے گزرا۔

آخر میں ان تمام کرم فرماؤں کا بھی شکر گزار ہوں، جنہوں نے دوران تحقیق کسی بھی طرح کا تعاون کیا۔ اللہ تعالیٰ سب کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ (آمین)

ارشد خان

پی ایچ ڈی سکالر، نمل۔ اسلام آباد

ستمبر، 2024

انتساب(DEDICATION)

میں اپنی اس کاوش کا انتساب رحمۃ للعالمین ﷺ کی ذات بابرکات کے نام کرتا ہوں کہ جن کی اتباع و پیروی میں دارین کی سعادتمندی کا راز مضمر ہے۔ اور اپنے والدین کریمین کے نام کرتا ہوں جنکی انتھک محنتوں اور دعاؤں کی بدولت اس منزل سے آشنا ہوا ہوں۔

باب اول: موضوع تحقیق سے متعلق تعارفی مباحث

الحمدلله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين أما بعد:

اللہ کریم نے حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے قلب اطہر پر قرآنِ کریم کو اصح وفصیح ترین عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ اسی وجہ سے فصیح عربی زبان قرآنِ کریم کی فہم وفراست کیلئے اہم مصدر کی حیثیت رکھتی ہے۔ فصاحت وبلاغت میں قرآن وحدیث کے بعد جاہلی عربی شاعری کا نمبر آتا ہے۔ اور بعض آیات کی توضیح جاہلی دور کی ثقافت بذریعہ جاہلی شاعری سمجھے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اسی وجہ سے اس کو دیوانِ عرب کا نام دیا جاتا ہے۔ اسی حقیقت کے پیش نظر اکثر مفسرین نے قرآن کریم کے معنی کی وضاحت کیلئے جاہلی شاعری کی طرف بھی رجوع کیا ہے۔ مفسرین کے ہاں تفسیر قرآن میں جاہلی شاعری کی اس اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اس مقالہ میں امام محمد بن علی بن محمد الشوکانی (متوفی 1834ء) کی تفسیر "فتح القدير الجامع بين فني الرواية والدراية من علم التفسير" میں استشہاد بالشعر الجاہلی کا لغوی، نحوی اور بلاغی اعتبار سے تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے۔ یہ تفسیر علمی اعتبار سے انتہائی بلند مقام کی حامل ہے اور ایک شہرہ آفاق تفسیر ہے۔ یہ تفسیر روایت و درایت کی جامع ہونے کے ساتھ ساتھ دوسری تفاسیر کے مقابلے میں جدید ہے کیونکہ یہ انیسویں صدی عیسوی میں لکھی گئی ہے۔ مذکورہ تفسیر کے علمی تنوع کے باعث اس میں سے صرف استشہاد بالشعر الجاہلی کا تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے۔ تجزیاتی مطالعہ میں تفسیر قرطبی از ابو عبد اللہ، محمد بن احمد بن ابو بکر، تفسیر ابن کثیر از حافظ عماد الدین ابن کثیر شافعی دمشقیؒ (متوفی 774ھ)، تفسیر طبری از محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الآملي، أبو جعفر الطبري (المتوفی 310 ھ) تفسیر مفاتیح الغیب، امام ابو عبد اللہ محمد فخر الدین رازی (وفات 606ھ) تفسیر کشاف، علامہ ابو القاسم محمود بن عمرو بن احمد خوارَزمی زَمَخشَری جاراللہ المعروف علامہ زمخشری (المتوفیٰ 538ھ) تفسیر بیضاوی از قاضی امام ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر بیضاوی المعروف امام بیضاوی (متوفی 685ھ) تفسیر المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز از ابن عطیہؒ (متوفی 541ھ)، تفسیر مجاز القرآن، تفسیر نسفی از علامہ ابو البرکات عبد اللہ ابو احمد بن محمود النسفی، تفسیر در منثور از امام جلال الدین سیوطی اصل نام عبد الرحمان ثور (وفات 17 اکتوبر 1505ء) سے اخذ و استفادہ کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان تفاسیر میں جابجا استشہاد شعری ملتا ہے اور ان تفاسیر کو استنادی بھی حیثیت حاصل ہے۔

اس موضوع کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مفسرین صحابہ کرام اور ان کے بعد آنے والے تقریباً تمام مفسرین نے قرآنِ کریم کی تفسیر میں جاہلی شاعری کی طرف رجوع کیا ہے تاکہ وہ ان معانی کو واضح کر سکیں جو ان پر مخفی تھے۔ اس سلسلے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریقہ بہت واضح ہے۔ آپ قرآن کریم کے الفاظِ غریبہ کی تفسیر کے سلسلہ میں ہمیشہ شعر جاہلی کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ اور اس کے علاوہ دیگر صحابہ

کرام کا طریقہ کار بھی یہی تھا یہاں تک کہ نافع بن ارزق [1] نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرآن کریم کے الفاظِ غریبہ کے بارے میں دو سو سے زائد سوالات کئے تو آپ نے ان سوالات کے جوابات اشعار جاہلی کی روشنی میں دیے۔ ''الاتقان'' میں اس باہمی مناظرے کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ نافع بن ارزق نے سوال کیا کہ ﴿عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِينَ﴾ [2] کا معنیٰ بتائیں؟ تو آپ نے فرمایا:

''العزون'' کے معنی ہیں ''دوستوں کے حلقے'' اور دلیل کے طور پر عبید بن الابرص الاسدی (متوفی 550ء) کا درج ذیل شعر سنایا۔

فجاؤا يهرعون إليه حتى ... يَكُونُوا حَوْلَ مِنْبَرِهِ عِزِينَا [3]

وہ دوڑتے ہوئے اسکی طرف آئے یہاں تک انہوں نے اس کے ممبر کے ارد گرد حلقہ بنالیا۔

اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ صحابہ سے اس آیت کے معنی دریافت کئے ﴿ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَى تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴾ [4]

تو قبیلہ بنو ہذیل کے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ ہماری زبان میں ''تخوف'' کا مطلب کمی اور نقصان ہے۔ اور پھر أبو كبير الهذلي (متوفی 631ء) کا یہ شعر پڑھا۔

تخوَّف الرَّحْل مِنْهَا تامِكا قَرِدا ... كَمَا تخوَّف عودُ النَّبْعَةِ السَّفَن [5]

خانہ بدوش وہاں سے، تمیکا بندر کی طرح (کوچ کرنے کی وجہ سے) ایسے کم ہوتے ہیں جس طرح بہار کے ایلوز (پودے کا نام) جہازوں کی آمد و رفت کی وجہ سے کم ہو جاتے ہیں۔

تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے لوگو! جاہلی شاعری کے دیوان کو مضبوطی سے تھام لو کیونکہ اس میں تمہاری کتاب کی تفسیر موجود ہے۔ [6] یہی وجہ ہے کہ تقریباً تمام کبار مسلمان مفسرین نے قرآن مجید کی تشریح

[1] اصلی نام نافع بن الازرق بن قیس الحنفی، البکری الوائلی، الحروری ہے۔ یہ اپنی قوم کا سردار اور فقیہ تھا۔ خارجیوں کا سردار اور فرقہ ازارقہ کا موجد تھا اور تعلق بصرہ سے تھا۔ اس کا سن وفات 65 ہجری بمطابق 685 عیسوی ہے۔ (زرکلی، خیر الدین بن محمود بن محمد، الأعلام (دار العلم للملايين: 2002ء): 7\351

[2] المعارج: 37

[3] سیوطی، عبد الرحمن بن أبي بكر، الإتقان في علوم القرآن (الهيئة المصرية العامة للكتاب 1974ء) 2/68

[4] النحل: 27

[5] شاطبی، إبراهيم بن موسى بن محمد، الموافقات (دار ابن عفان 1997ء)، 6/302

[6] ایضا، 1/58

کے لئے جاہلی عربی شاعری سے استشہاد کیا ہے۔ امام محمد بن جریر الطبری[1] (متوفی ۳۱۰ھ) نے اپنی تفسیر "جامع البیان" میں دو ہزار سے زائد اشعار سے استشہاد کیا ہے۔ اس کے علاوہ امام جاراللہ زمخشری (متوفی ۵۳۸ھ) نے اپنی تفسیر "الکشاف" میں بلاغی انداز میں کثیر تعداد میں استشہادِ شعری کیا ہے۔ امام قرطبی (متوفی ۶۷۱ھ) نے اپنی تفسیر "الجامع لاحکام القرآن" میں تقریباً پانچ ہزار اشعار سے استشہاد کیا ہے۔ صاحبِ "المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز (متوفی ۵۴۲ھ) نے تقریباً ایک ہزار نو سو اشعار سے استشہاد کیا ہے۔ اسی طرح "تفسیر مجاز القرآن میں ساڑھے نو سو سے زائد شواہد شعری ملتے ہیں۔[2] امام محمد بن علی بن محمد الشوکانی (متوفی ۱۲۵۰ھ) نے بھی اسی منہج کے اوپر چلتے ہوئے اپنی تفسیر "فتح القدیر" میں تقریباً ایک ہزار سے زائد جاہلی اشعار سے استشہاد کیا ہے۔

جواز تحقیق:

1. تفسیر فتح القدیر پر کئی جہات سے کام کا ایک تسلسل موجود ہے۔ مگر اسکے شعر جاہلی سے استشہاد والے پہلو پر کام نہیں ہوا۔ اس مقالے میں اس زاویہ سے کام کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
2. قرآنِ کریم اور حدیث مبارکہ کے بعد عربی زبان میں سب سے زیادہ فصاحت وبلاغت ہمیں جاہلی شاعری میں نظر آتی ہے۔ اس لئے لغتِ قرآن کو سمجھنے کے لئے جاہلی شاعری کو سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ اور اس اعتبار سے تحقیقی کام کرنے کی ضرورت ہے۔
3. "تفسیر فتح القدیر" منتخب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ تفسیر علمی اعتبار سے انتہائی بلند مقام کی حامل ہے اور ایک شہرہ آفاق تفسیر ہے۔ یہ تفسیر روایت ودرایت کی جامع ہونے کے ساتھ ساتھ دوسری تفاسیر کے مقابلے میں جدید ہے کیونکہ یہ انیسویں صدی عیسوی میں لکھی گئی ہے۔

بیان مسئلہ

❖ اس تفسیر پر مختلف زاویوں سے کام کیا جاتا رہا ہے۔ لیکن اسکی شعر جاہلی سے استشہاد ایسی اہم جہت بوجوہ نظر انداز رہی۔ لیکن جب اس کی اس جہت پہ کام کا آغاز کیا گیا تو مسئلہ یہ درپیش آیا کہ امام شوکانی نے کن فنون کی توضیح میں شعر جاہلی سے مدد لی ہے اور کس حد تک یہ مدد لی ہے؟

---

[1] آپ کا اصل نام ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری ہے۔ آپ مؤرخ، امام اور مفسر ہیں۔ آپ طبرستان میں پیدا ہوئے، بغداد میں آباد ہوئے اور بغداد میں وفات پائی۔ آپ کی مشہور تفسیر، تفسیر طبری کے نام سے موسوم ہے۔ انکا عرصہ حیات 224ا-310 ہجری بمطابق 839-923 عیسوی ہے۔ سیر اعلام النبلاء 14/268

[2] شهري، عبد الرحمن بن معاضة، الشاهد الشعري في تفسير القرآن الكريم أهميته، وأثره، ومناهج المفسرين في الاستشهاد به (رياض: دار المنهاج للنشر والتوزيع 1431ه-)، ص19

❖ فصیح عربی زبان کے تین اہم فنون یعنی لغت، نحو اور بلاغت ہیں اب دیکھنا یہ ہے ان فنون سے متعلق امام شوکانی نے کسطرح اور کس حد تک شعر جاہلی سے استشہاد کیا ہے؟

❖ اس میں مزید یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ لغت کے ذیلی فنون مثلا علم الدلالت، علم القرات اور علم الصرف سے متعلق استشہاد کی نوعیت و مقدار کیا ہے۔ اسی طرح نحو کے ذیلی علوم مثلا مرفوعات، مجرورات اور منصوبات سے متعلق استشہاد شعری کی چھان پھٹک کرنا بھی نہایت اہمیت کا حامل مسئلہ ہے۔

❖ علم بلاغت کے ذیلی فنون معانی، بیان اور بدیع سے متعلق استشہاد شعری کی نوعیت و تعداد کا ادراک بھی نہایت ضروری ہے۔

موضوع پر سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ

اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اس پر مختلف جامعات میں مختلف نوعیت کا کام ہوا ہے۔

مقالہ جات:

جس موضوع کا انتخاب سکالر نے کیا ہے اس طرز کا کام غالباً اپنے نوعیت کا پہلا کام ہو گا، البتہ اس تحقیق سے قریب قریب کام درج ذیل مقالہ جات میں پایا جاتا ہے۔

1. محفوظ احمد بھٹی، امام شوکانی کا منہج استنباط: تفسیر فتح القدیر کا اختصاصی مطالعہ (پی ایچ ڈی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور 2023)

اس مقالہ میں کاتب نے امام شوکانی کا منہج استنباط تفصیل سے بیان کیا ہے کہ مفسر سب سے پہلے آیت ذکر کرتے ہیں اس کے بعد اسکی تفسیر کرتے ہیں اور تفسیر میں علماء سلف سے منقول تفسیری روایات لے کر آتے ہیں تفسیر کا اکثر حصہ سابقہ تفاسیر میں مذکور باتوں پر مشتمل ہے۔ مزید لکھتے ہیں کہ مفسر آیات کی لغت کے اعتبار سے بھی وضاحت کرتے ہیں اس سلسلہ میں جن آئمۃ لغت کے اوپر وہ اعتماد کرتے ہیں ان میں امام مبرد[1]، فراء[2] اور عبیدہ

[1] ابن المبرد، یوسف بن حسن بن احمد بن حسن بن عبد الهادی الصالحی، جمال الدین ایک ممتاز عالم اور حنبلی فقہاء میں سے ایک ہیں۔ اہل دمشق میں سے ہیں۔ حنبلی فقہ میں مغني ذوي الأفهام عن الكتب الكثيرة في الأحكام آپ کی مشہور کتاب ہے۔ آپ کا عرصہ حیات 840ھ-909ہجری بمطابق 1436-1503 عیسوی ہے۔ (زرکلی، الأعلام 8 / 225)

[2] پورا نام علی بن الحسین بن علی ابو الحسن العبسی الفراء ہے۔ آپ ایک مصری مورخ ہیں اور مالکی فقہاء میں سے ایک ہیں۔ ابن طحان نے ان کا تعارف "التاریخ" کے مصنف سے کروایا ہے۔ انکا سن وفات 352ہجری بمطابق 963عیسوی ہے۔ (زرکلی، الأعلام 4\277)

وغیرہ شامل ہیں۔ قرآت سبعہ، انکی شرح اور معنی کو بیان کرنے کا بھی پورا پورا اہتمام کیا گیا ہے۔ مصنف ائمہ فقہ کے مذاہب کا ذکر بھی کرتے ہیں انکا اختلاف اور دلائل اور ان کے مابین ترجیح کا بھی ذکر کرتے ہیں اس طرح اکثر مواضع پر اجتہاد پر اعتماد کرتے ہوئے احکام کا استنباط بھی کرتے ہیں۔ آیات میں لغوی معنی، نحوی و بلاغی قواعد کے اثبات کیلئے اشعار کا ذکر بھی کثرت سے کرتے ہیں۔[1]

2. حمزہ الهادي محمد، الاجتهاد والتجديد الفقهي عند الإمام الشوكاني من خلال تفسيره "فتح القدير (پی ایچ ڈی، طرابلس یونیورسٹی 2022)

یہ مقالہ عربی زبان میں لکھا گیا ہے اس میں مقالہ نگار نے امام شوکانی کی تفسیر میں موجود فقہی مباحث کو ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان کے اجتہادی رجحان کا ذکر بطور خاص کیا ہے۔ کیونکہ اما شوکانی ائمہ فقہ کے درمیان اختلاف اور ان کے مابین کے ترجیح کا قول بھی کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ احکام کا استنباط کرنا بہت اہم خیال کرتے ہیں۔

3. سلمان بن سعود بن مسلم، توظيف الشاهد الشعري في تفسير الحواميم في كتاب الدر المصون: دراسة نحوية دلالية (پی ایچ ڈی، تبوک یونیورسٹی 2022)

یہ مقالہ بھی عربی زبان میں لکھا گیا ہے۔ مقالہ نگار نے بڑی عرق ریزی سے تفسیر الدر المصون میں نحوی اعتبار سے استشہاد بالشعر کے مقامات کی نشاندہی کی۔ نہ صرف یہ کہ نشاندہی کی بلکہ استشہاد نحوی کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان بھی کیا اور جہاں پہ جھول نظر آئی اسکی نشاندہی کے ساتھ ساتھ تنقید بھی کی۔

4. مبشر نذیر "عصر حاضر کی تفاسیر میں ادب عربی جاہلی سے استدلال کی روایت: فی ظلال القرآن، تدبر قرآن وضیاء القرآن کا اختصاصی مطالعہ "(پی ایچ ڈی سرگودھا یونیورسٹی 2013)

یہ مقالہ مذکورہ بالا تفاسیر کے منہج واسالیب کو بیان کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان تفاسیر کے مؤلفین کی حیات اور علمی خدمات کا جائزہ بھی لیتا ہے۔ اس مقالہ میں مذکورہ بالا تین تفاسیر میں جاہلی ادب سے استدلال کی نشاندہی اور وضاحت کی گئی ہے۔ اس مقالہ میں مقالہ نگار نے بنیادی طور یہ بات ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کی ہیکہ مفسرین نے قرآن کے معنی کی وضاحت کے لئے جابجا جاہلی شاعری کا سہارا لیا ہے۔

[1] آپ کا عرصہ حیات 110ھ-209ہجری بمطابق 728-824 عیسوی ہے۔ ابوعبید نحوی، معمر بن مثنی کا تعلق بذریعہ ولاء قبیلہ تیم سے تھا۔ آپ بصرہ کے رہنے والے تھے۔ ادب اور زبان کے معروف اسکالرز میں سے ایک ہیں۔ ہارون الرشید انہیں سنہ 188 ہجری میں بغداد لے آیا۔ آپ حافظ حدیث تھے۔۔ جب ان کا انتقال ہوا تو ان کے ہم عصروں پر شدید تنقید کی وجہ سے کوئی بھی ان کے جنازے میں شریک نہیں ہوا۔ ان کی تقریباً 200 کتابیں ہیں، جن میں سے مجاز القرآن اور معاني القرآن مفسرین کے ہاں زیادہ مشہور ہیں۔ (زرکلی، الأعلام 7/272)

5. ابو بدر اسماء اسماعیل حسن، الاستدلال بالشعر فی قضایا اللغۃ تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر (پی ایچ ڈی، یرموک یونیورسٹی 2013)

یہ مقالہ بھی عربی زبان میں لکھا گیا ہے۔ مصنف نے بڑی محنت سے تفسیر ابن کثیر میں لغوی اعتبار سے استشہاد بالشعر کے مقامات کی نشاندہی کی۔ نہ صرف یہ کہ نشاندہی کی بلکہ استشہاد لغوی کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان بھی کیا اور جہاں پہ سقم نظر آیا اسکی نشاندہی کے ساتھ ساتھ مثبت پیرائے میں ادب کے دائرے میں رہ کر تنقید بھی کی۔

6. محمد دارالسلام احمد، الترجیحات النحویۃ فی تفسیر فتح القدیر للامام الشوکانی دراسۃ نحویۃ وصفیۃ تحلیلیۃ تطبیقیہ (پی ایچ ڈی، جامعہ ام درمان اسلامیہ سوڈان 2016)

اس مقالہ میں مقالہ نگارنے سے تفسیر فتح القدیر میں نحوی اعتبار سے استشہاد بالشعر کے مقامات کی نشاندہی کی۔ نہ صرف یہ کہ نشاندہی کی بلکہ استشہاد نحوی کی تحلیل بھی بڑی جانفشانی سے کی۔ اور اس مقالے کی خاص بات یہ ہے اس میں آیت اور شعر میں موجود نحوی قواعد کے درمیان تطبیق بھی بیان کر دی گئی ہے۔ یہ مقالہ بھی عربی زبان میں لکھا گیا ہے۔

7. عبد المجید حسن، تعلیل التسمیۃ فی الشواھد الشعریۃ: "فتح القدیر "للشوکانی" (جامعہ الازہر، 2022)

8. احمد محمد سعید "الشعر الجاہلی فی جامع البیان لطبری" (پی ایچ ڈی، فیوم یونیورسٹی (مصر)) اس مقالہ میں کاتب نے استشہاد شعری کو مختلف فنون مثلاً نحو، صرف، بلاغت وغیرہ کے اعتبار سے پیش کیا ہے۔ اس مقالہ کی اہم بات یہ ہیکہ اس میں صرف اشعار کی نحوی، صرفی اور بلاغی اعتبار سے صرف نشاندہی کی گئی ہے۔ کسی بھی حوالے سے وضاحت نہیں بیان کی گئی ہے۔ اس مقالے کی زبان بھی عربی ہے۔

9. محمد مبشر الرحمان، فتح القدیر کے منہج و اسلوب کا جائزہ (ایم فل، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد 2017) اس مقالہ میں کاتب نے امام شوکانی کے منہج واسلوب کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

اس مقالہ میں کاتب نے امام شوکانی کا منہج واسلوب تفصیل سے بیان کیا ہے کہ مفسر سب سے پہلے آیت ذکر کرتے ہیں اس کے بعد اسکی تفسیر کرتے ہیں اور تفسیر میں علماء سلف سے منقول تفسیری روایات لے کر آتے ہیں تفسیر کا اکثر حصہ سابقہ تفاسیر میں مذکور باتوں پر مشتمل ہے۔ مصنف ائمہ فقہ کے مذاہب کا ذکر بھی کرتے ہیں انکا اختلاف اور دلائل اور ان کے مابین کے ترجیح کا بھی ذکر کرتے ہیں اس طرح اکثر مواضع پر اجتہاد پر اعتماد کرتے ہوئے احکام کا استنباط بھی کرتے ہیں۔ قرآت سبعہ، انکی شرح اور معنی کو بیان کرنے کا بھی پورا پورا اہتمام کیا گیا ہے۔ اس مقالہ کی زبان اردو ہے۔

تحقیقی مقالات

- هاني إسماعيل محمد: الوعي، فهد محمد الخزيّ ، دور الشعر في تفسير القرآن الكريم،، الأحد، 15 أكتوبر 2023

اس آرٹیکل میں تفسیر قرآن میں استشہاد شعری کی تاریخ کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ سلسلہ اس وقت سے شروع ہے جب سے تفسیر کا آغاز ہوا ہے۔ یعنی یہ سلسلہ صحابہ کرام سے شروع ہوا اور تاحال جاری ہے۔ اس آرٹیکل کی زبان عربی ہے۔

- اختر حسین عزمی، عبد القادر بزدار، عتیق الرحمان، کلام جاہلی سے استفادہ اور تفسیر تدبر قرآن، پاکستان جرنل آف اسلامک ریسرچ، شمارہ 11، 2013

اس تحقیقی مقالہ میں اختر حسین عزمی، عبد القادر بزدار اور عتیق الرحمان صاحب نے تفسیر تدبر ان قرآن میں جاہلی شاعری اور جاہلی دور کی کہاوتوں سے استدلال کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ چاہے کوئی عربی تفسیر ہو یا اردو کلام جاہلی سے استفادہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔

- جان، احمد سعید، "الزمخشري وموقفه من الاستشهاد بشعر المؤلدين في ضوء تفسيره الكشاف" الايضاح، جلد 30, شمارہ 1، 2015

اس آرٹیکل میں امام زمخشری کی تفسیر کے حوالے سے مؤلدون شعراء کے اشعار سے استشہاد کی حیثیت کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تفسیر کشاف میں کچھ جگہوں پہ اگرچہ استشہاد باشعار المؤلدین ملتا ہے لیکن اکثر مقامات پہ جاہلی و اسلامی دور کے اشعار پہ اکتفاء کیا گیا ہے۔

- مصطفی، یاسین جمال، الاستشهاد في اللغة العربية، الہیات، جلد 2، شمارہ 8، 2017

اس آرٹیکل میں عمومی طور پہ عربی زبان میں استشہاد کی روایت کو بیان کیا گیا ہے۔ عربی زبان میں اکثر لکھاریوں نے دوسرے کلام سے استشہاد کی روایت کو اپنایا ہے۔ کوئی شاذ و نادر ہی ایسا لکھاری ہو گا جو کلام الٰہی، حدیث رسول ﷺ یا شعر یا کہاوت سے ستدلال کر کے اپنے کلام کو مزین نہیں کرتا۔

- ہاشم اشعری، استشهاد النحاة باشعار المؤلدين والتي لا يعرف قائلوها، ہادی الادب، شمارہ 13، نومبر 2022

اس تحقیقی مقالہ میں آئمہ ءنحو کے حوالے سے مؤلدون شعراء کے اشعار سے استشہاد کی حیثیت کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان اشعار سے بھی استشہاد کی حیثیت کو جاننے کی کوشش کی گئی ہے جن کے قائل مجہول ہیں۔ نحوی حضرات نے اس طرح کے اشعار سے اکثر مقامات پہ استدلال کیا ہے۔

کتب

1. ابن عباس، عبد الله بن عباس رضي الله عنهما، تنوير المقباس من تفسير ابن عباس (لبنان: دار الكتب العلمية 1415ھ)

تفسیر "تنویر المقباس" کا پورا نام "تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس" ہے اصل عربی تفسیر کے مصنف ابو الطاہر محمد بن یعقوب بن محمد بن بن ابراہیم مجد الدین الشیرازی الشافعی ہیں۔ اور یہ تفسر، تفسیر قرآن سے متعلق عبد اللہ ابن عباس کی روایات کا مجموعہ ہے جس کو اردو میں مجد الدین أبو طاہر محمد بن یعقوب فیروزآبادی (متوفی 817ھ) نے تفسیر ابن عباس کے نام سے اکٹھا کیا بعض لوگ اسے فیروز آبادی کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔

2. ابن كثير، أبو الفداء إسماعيل بن عمر القرشي، تفسير القرآن العظيم (ابن كثير)، (بيروت: دار الكتب العلمية، 1419ھ)

حافظ عماد الدین ابن کثیر شافعی دمشقیؒ متوفی 774ھ جو علامہ ابن تیمیہ کے اجل تلامذہ میں سے ہیں۔ **تفسیر ابن کثیر** تفسیر بالماثور پر مشتمل ہے۔ اس میں مؤلف نے مفسرین کے تفسیری اقوال کو یکجا کر دیا ہے۔ آیات کی تفسیر، احادیث مرفوعہ اور اقوال و آثار کے حوالہ سے کی ہے۔ حسب ضرورت جرح و تعدیل سے بھی کام لیا ہے۔ تفسیر کے شروع میں ایک مقدمہ ہے جس میں قرآن مجید سے متعلق علمی مباحث تحریر کیے گئے ہیں۔ مقدمہ میں پیش کردہ خیالات انھوں نے اپنے استاد ابن تیمیہ کے رسالہ اصول تفسیر سے اخذ کیے ہیں۔ ابن کثیر نے آیات کی تفسیر کرتے ہوئے تفسیر القرآن بالقرآن کے انداز کو بھی سامنے رکھا ہے۔ وہ قرآنی آیات کی تشریح میں دوسری آیات سے بھی استدال کرتے ہیں۔، یہ "تفسیر ابن جریر" سے مستفاد اور گویا اس کا مصفی ایڈیشن ہے۔

3. إسماعيل حقي، إسماعيل بن مصطفى، روح البيان (بيروت: دار الفكر 1415ھ)

قرآن کریم کی یہ عربی تفسیر علامہ شہاب الدین محمود آلوسی بغدادی کی تصنیف ہے اس تفسیر کا مکمل نام **"روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی"** ہے۔ علامہ آلوسی کی وجہ شہرت تفسیر "روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم و سبع مثانی" ہی ہے۔ ایسی آیات جن میں اللہ تعالی کے احکامات بیان ہوئے ہیں علامہ آلوسیؒ اُن کی تفسیر میں بہت تفصیل سے کام لیتے ہیں اور اکابر فقہاء کی آراء اور انکا موقف پیش کرتے ہیں اور اس موقف کے حق میں یا اس کے خلاف دلائل بھی لاتے ہیں۔ احکامات سے متعلق آیات کی تفسیر میں آپ کا زیادہ تر جھکاؤ شوافع کی طرف رہتا ہے اور کبھی کبھی احناف کے موقف کی بھی تائید کرتے ہیں اور بہت کم مواقع پر آپ نے اپنا جداگانہ موقف بھی اختیار کیا ہے۔

4. **قرطبی** ، ابوعبداللہ، محمد بن احمد بن ابو بکر ، الجامع لأحکام القرآن (بیروت :دار الکتب العلمیۃ1415ھ)

تفسیر قرطبی عربی کی مشہور و معروف تفسیر ہے جس کا پورا نام "الجامع لأحکام القرآن" معروف بہ تفسیر قرطبی ہے۔ اس کے مفسر ابوعبداللہ، محمد بن احمد بن ابو بکر بن فَرح انصاری خزرجی اندلسی شمس الدین القرطبی (وفات 671ھ (المعروف امام قرطبی ہیں۔ الجامع لاحکام القرآن جو علامہ قرطبی کے نام سے معروف ہے۔ اصل میں تفسیر عربی میں ہے۔ اس عظیم تفسیر کا اردو ترجمہ تفسیر قرطبی کہلاتا ہے۔ یہ تفاسیر میں سے جلیل الشان تفسیر ہے کیونکہ یہ معانی القرآن کی وضاحت اور احکام کی تفصیل پر مشتمل ہے پھر اس پر مستزاد یہ کہ اس میں قرأت، اعراب، شعری شواہد، لغوی مباحث، نحوی اور صرفی نکات کا ذکر کیا گیا ہے

5. رازی، ابوعبداللہ محمد فخر الدین، مفاتیح الغیب(بیروت: دار إحیاء التراث العربي1420ھ)

التفسیر الکبیر امام ابو عبداللہ محمد فخر الدین رازی ولادت 544ھ وفات 606ھ کی عربی تفسیر قرآن جس کا اصل نام" مفاتیح الغیب "ہے جو امام محقق فخر الدین ابن خطیب الرازی شافعی کی تفسیر ہے۔ مشکلاتِ قرآن میں سے کوئی مشکل ایسی نہیں مگر اس کا حل امام موصوف نے اس تفسیر میں فرمانے کی سعی نہ کی ہو۔ رازی حل مشکلات کے دریا میں غوطہ زنی کرتے ہیں اگرچہ بعض مشکلات کا وہ قابل اطمینان اور موجب قناعت حل پیش کرنے میں ظفریاب نہیں بھی ہوتے ہیں۔ تفسیر کبیر کی اہمیت سے اہلِ علم واقف ہیں، رازی چھٹی صدی ہجری کے عالم ہیں، ان پر معقولات کا غلبہ تھا، تفسیر میں بھی وہی رنگ ہے۔ ان کی کنیت ابو عبداللہ اور نام محمد ہے

6. زَمخشَری، ابوالقاسم محمود بن عمرو بن احمد خوارَزمی، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل(بیروت :دار إحیاء التراث العربي1418ھ)

7. علامہ ابو القاسم محمود بن عمرو بن احمد خوارَزمی زَمخشَری جاراللہ المعروف علامہ زمخشری (المتوفیٰ 538ھ)

تفسیر قرآن جو **تفسیر کشاف** کے نام سے معروف ہے اصل نام "الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل" ہے جو 4 ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اس تفسیر میں علوم عربیت کو نہایت عمدہ طور پر جمع کیا گیا اگر یوں کہا جائے کہ علوم ادبیہ میں ایک سند شمار کی جاتی ہے اس کے کئی زبانوں میں تراجم ہوئے۔

8. سیوطی ، عبد الرحمن جلال الدین سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور (بیروت :مؤسسۃ الرسالۃ2000ء)

تفسیر الدر المنثور، جس کا پورا نام الدر المنثور فی التفسیر بالماثور۔ مفسر علامہ عبد الرحمن جلال الدین سیوطی تفسیر کی ایک اہم کتاب در منثور ہے۔ یہ دراصل امام سیوطی کی مصنفہ ایک عربی تفسیر ہے الدر المنثور فی التفسیر بالماثور۔ الدر المنثور ایک تفسیر بالماثور ہے جو امام جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی کی مایہ ناز تفسیر ہے جس میں دس ہزار سے زائد احادیث کو جمع فرمایا ہے۔ علامہ سیوطی اس کے متعلق خود فرماتے ہیں کہ میں نے یہ ایسی تفسیر مرتب کی ہے جس میں تمام احادیث وآثار کو اسانید کے ساتھ نقل کیا اور جن کتب سے نقل کیا تھا ان کا حوالہ بھی دیا لیکن میں نے دیکھا کہ لوگوں کی ہمتیں کوتاہ ہوگئی ہیں، علم کے حصول کا شوق بھی قدرے ماند پڑ گیا ہے اور ان کا ذوق اس تطویل کو پڑے تو میں نے صرف احادیث کے متون پر انحصار کیا اور ساتھ ساتھ ہر روایت اثر کا مخرج بھی ذکر کیا ہے۔

9. الازہری، ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن (لاہور: مکتبۃ الملک ضیاء القرآن 1995ء)

ضیاء القرآن، ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری کی تفسیر قرآن جو 3500 صفحات اور پانچ جلدوں پر مشتمل یہ تفسیر آپ نے 19 سال کے طویل عرصہ میں مکمل کی۔ یہ تفسیر قدرے مفصل اور معانی قرآن کے بیان میں بہت ہی واضح ہے، مصنف موصوف کی تفہیم کا انداز بڑا اچھوتا ہے، ہر سورت سے پہلے اس کا اجمالی تعارف ہے خصوصاً سورۃ کا زمانہ نزول، اس کا ماحول، اس کے اہم اغراض ومقاصد، اس کے مضامین کا خلاصہ اور اگر اس میں کسی سیاسی یا تاریخی واقعہ کا ذکر ہے تو اس کا پس منظر، ترجمہ میں پیراگراف کے ذریعہ لکیریں کھینچ کر اس کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے، نحوی وصرفی اور لغوی مشکلات کو مستند لغات اور تفسیروں سے حل کیا گیا ہے۔ سنی مسلک کی نمائندہ تفسیر ہے اس میں دیگر کئی فرقوں کے بعض عقائد کا مدلل رد کیا گیا ہے۔

10. البخاري، محمد بن إسماعيل، الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه (دار طوق النجاة 1422ھ)

صحیح بخاری کا اصل نام » الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ « ہے جو « صحیح البخاری » کے نام سے مشہور ہے، یہ اہل سنت وجماعت کے مسلمانوں کی سب سے مشہور حدیث کی کتاب ہے، اس کو امام محمد بن اسماعیل بخاری نے سولہ سال کی مدت میں بڑی جانفشانی اور محنت کے ساتھ تدوین کیا ہے، [1]اس کتاب کو انھوں نے چھ لاکھ احادیث سے منتخب کرکے جمع کیا ہے۔

11. مسلم، مسلم بن الحجاج، المسند الصحیح (بیروت: دار إحیاء التراث العربي 1415ھ)

قرآن مجید اور صحیح بخاری کے بعد تیسری سب سے صحیح کتاب مانی جاتی ہے۔ یہ کتاب کتب الجوامع شمار ہوتی ہے، یعنی اس میں حدیث کے تمام ابواب عقائد، احکام، آداب، تفسیر، تاریخ، مناقب، رقاق وغیرہ پر مشتمل ہے۔اس کتاب کو ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری نے جمع کیا ہے،اس کتاب میں ان صحیح احادیث کو جمع کیا ہے جس کی صحت پر علما و محدثین کا اتفاق ہے، چنانچہ صرف مرفوع روایات کو نقل کیا ہے، معلق، موقوف اور اقوال علما اور فقہی آرا وغیرہ کو شامل نہیں کیا ہے، اس کتاب کو تقریباً پندرہ سال میں مرتب کیا اور اس میں تین ہزار سے زائد احادیث کو بغیر تکرار کے جمع کیا ہے اور یہ احادیث ان کی حفظ کردہ تین لاکھ احادیث سے چنندہ ہیں۔

12. البيهقي، أحمد بن الحسين بن علي بن موسى، شعب الإيمان (رياض: مكتبة الرشد 2003ء)

شعب الإيمان للبیھقی کتب حدیث میں سے ایک کتاب ہے ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن عبد اللہ بن موسی الخسروجردی البیہقی 384ھ 458ھ۔ (اس کتاب کو شہرت دوام حاصل ہے اکثر اہل علم نے اس سے استفادہ کیا جیسے علامہ نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں (27) مرتبہ، حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں (4614) اور لسان المیزان میں (174) مرتبہ، امام سیوطي نے شرح سنن ابن ماجہ میں (170) مرتبہ۔ اس میں شامل احادیث کی تعداد (10808) ہے بہت سی احادیث صحاح ستہ میں شامل ہیں۔

13. حنبل، أبو عبد الله أحمد بن محمد، مسند الإمام أحمد بن حنبل (بيروت: مؤسسة الرسالة 2001ء)

مسند احمد بن حنبل، امام احمد بن حنبل نے اپنے پیچھے یہ کتاب ایک مسودے کی شکل میں چھوڑی جس میں تقریباً تیس ہزار احادیث ہیں۔16 سال کی عمر میں اس مقصد کے لیے ثقہ راویوں اور قابل اعتماد محدثین سے احادیث کو جمع کرنا شروع کیا اور عمر کے آخر تک اس کتاب میں لگے رہے۔ کہا کرتے: "میں نے اس کتاب کو ایک امام و دلیل کے طور پر لکھا ہے جب لوگ سنت رسول میں اختلاف کرنے لگیں تو اس کی طرف رجوع کیا کریں۔" یہ تمام احادیث متفرق اوراق میں تھیں آخری عمر میں ان کے بیٹوں اور چند خاص شاگردوں نے اسے جمع کیا اور پھر امام احمد نے انھیں جو کچھ بھی لکھا تھا اسے املا بھی کرا دیا۔ گو یہ سب اوراق مرتب نہیں تھے۔ بعد از وفات ان کے بیٹے عبد اللہ اور شاگرد ابو بکر القطیعی نے اس کتاب میں اپنے دیگر اساتذہ سے سنی ہوئی بعض احادیث بھی شامل کر کے اسے روایت کیا اور یوں یہ کتاب شائع ہو گئی۔

14. الطبراني، سليمان بن أحمد بن أيوب، المعجم الكبير (القاهرة: مكتبة ابن تيمية 1415ھ)

المعجم الكبير اہل سنت کے مشہور اور مستند عالم ابو القاسم امام طبرانی کا مرتب کیا ہوا احادیث کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب 25 جلدوں میں 7800 صفحات پر مشتمل ہے۔ حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی 360ھ (نے معجم کے نام سے تین کتابیں لکھیں) معجم کبیر، معجم اوسط اور معجم صغیر (یہ ان کی مشہور و معروف تصانیف ہیں

جو علم حدیث کی بلند پایہ کتابیں سمجھی جاتی ہیں، محدثین کی اصطلاح میں معجم ان کتابوں کو کہا جاتا ہے جن میں شیوخ کی ترتیب پر حدیثیں درج کی گئی ہوں۔اس کتاب میں امام طبرانی نے اپنے شیوخ کی روایات کو جمع کیا اور ان کے ناموں کو حروف معجم پر مرتب کیا۔

15. نسائي، أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب، سنن النسائي الكبرى (بيروت: دار الكتب العلمية 1991ء)

امام نسائی ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب بن علی نے اپنی کتاب السنن الکبری کی تصنیف کی اور اس میں صحیح اور معلول (علت والی) روایات کو بھی شامل فرمایا۔ تکمیل کے بعد امیر رملہ) فلسطین (کے سامنے اس کتاب کو پیش کیا، امیر نے پوچھا کیا آپ کی اس کتاب میں تمام احادیث صحیح ہیں؟ آپ نے فرمایا : نہیں، اس میں صحیح اور حسن دونوں قسم کی احادیث ہیں، اس پر امیر نے عرض کیا : آپ میرے لیے ان احادیث کو منتخب فرمادیں جو تمام تر صحیح ہوں، لہذا امیر کی فرمائش پر آپ نے سنن کبری سے احادیث صحیحہ کا اختصار فرمایا اور اسکا نام المجتبی رکھا۔ اسی کو سنن صغری بھی کہتے ہیں، عرف عام میں " السنن الصغری " کے نام سے مشہور ہے۔ محدثین جب مطلقا رواہ النسائی کہیں تو یہی کتاب مراد ہوتی ہے اور کتب ستہ میں اسی کا اعتبار ہے

16. ابن ماجة، سنن ابن ماجه، أبو عبد الله محمد بن يزيد (حلب: دار إحياء الكتب العربية 1415ھ)

سنن ابن ماجہ، حدیث نبوی کی اہم کتابوں میں سے اور کتب ستہ میں سے چھٹی کتاب ہے، اس کے مولف ابن ماجہ ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی ہیں، ماجہ ان کے والد یزید کا نام تھا۔ یہ کتاب ان کی سب سے اہم اور بڑی کتاب ہے اسی کتاب سے وہ مشہور و معروف ہیں۔اس میں انھوں نے احادیث کو کتاب اور ابواب کے اعتبار سے مرتب کیا ہے، احادیث کی کتابوں میں اس کتاب کے مقام میں علما کا اختلاف ہے چونکہ اس کتاب میں صحیح، حسن، ضعیف بلکہ منکر اور موضوع روایات بھی شامل ہیں لیکن بہت کم ہیں، موضوع احادیث دیگر احادیث کی بنسبت کم ہیں۔اس کتاب میں 4000 سے زائد احادیث ہیں، صاحب کتاب ابن ماجہ کی وفات 273ھ میں ہوئی۔

17. **محمد ناصر**، تسہیلات اردو شرح سبع معلقات (لاہور، مکتبہ رحمانیہ 2021ء)

سبعہ معلقات وہ قصیدے تھے جو خانہ کعبہ کی دیواروں پر لٹکائے گئے تھے' یہ ان سات بڑے (امرو القیس بن حجر بن عمرو الکندی، طرفہ بن العبد البکری، زہیر بن ابی سلمی المزنی، معلقہ: لبید بن ربیعہ عامری، معلقہ: عمرو بن کلثوم تغلبی، عنتر بن شداد عبسی، حارث بن حلزہ الشکری) شاعروں کے تھے جنہیں عرب صاحب معلقہ کہتے تھے۔ سبعہ معلقہ عربی درسیات کی مشہور کتاب ہے۔ مختلف اہل علم نے اس کے اردو ترجمہ وتسہیل کا کام کیا ہے۔ زیر نظر کتاب "تسہیلات اردو شرح سبع معلقات "عربی درسیات کی مشہور کتاب سبع معلقہ کا اردو شرح وترجمہ

ہے۔ جو کہ مولانا محمد ناصر صاحب کی کاوش ہے۔ شارح نے اس کتاب میں ساتوں شعراء کا تعارف، حالات زندگی اور شاعری کا مختصر جائزہ پیش کیا ہے۔ پھر ہر شعر کا بامحاورہ ترجمہ اور ہر شعر کی عبارت کو نحوی طرز پر حل کر کے اس کی تشریح کی ہے۔

زیر بحث موضوع کی انفرادیت

اس موضوع کی انفرادیت درج ذیل نکات سے واضح ہوتی ہے۔

1. اس موضوع میں باقیوں کے برعکس صرف اشعار جاہلی کی تعداد بیان نہیں کی جائے گی بلکہ تعداد کے ساتھ ساتھ اسکا بامحاورہ ترجمہ، محل استشہاد اور اسکا تجزیہ کیا جائے گا۔
2. اس موضع کے تحت تین مخصوص فنون نحو، بلاغت اور لغت کے حوالہ سے خاص طور پر استشہاد شعری پیش کیا جائے گا۔ جب کہ اکثر باقی مذکورہ تحقیقات میں تمام فنون پر اس طرح اکھٹی بحث نہیں کی گئی ہے۔
3. اس موضوع کے تحت استشہاد شعری صرف جاہلی شاعری تک محدود ہے جبکہ باقی اکثر تحقیقی کاموں میں بالعموم استشہاد شعری کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔
4. اس کی ایک وجہ انفرادیت اس کی زبان بھی ہے۔ باقی اکثر تحقیقی مقالے یا کتب عربی زبان میں لکھی گئی ہیں جب کہ یہ کام اردو زبان میں ہو گا۔
5. اوراسکی نفرادیت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ تفسیر فتح القدیر میں جاہلی شاعری سے استشہاد کے حوالہ سے ہے اور باقی مذکورہ تحقیقی کاموں میں سے کوئی بھی کام تفسیر فتح القدیر میں جاہلی شاعری سے استشہاد کے حوالہ سے نہیں ہے۔

مقاصد تحقیق:

- تفسیر فتح القدیر کے نصف اول میں جاہلی شاعری سے استشہاد لغوی کی صورتوں کا تجزیہ کرنا۔
- تفسیر فتح القدیر کے نصف اول میں جاہلی شاعری سے استشہاد نحوی کی صورتوں کا تجزیہ کرنا۔
- تفسیر فتح القدیر کے نصف اول میں جاہلی شاعری سے استشہاد بلاغی کی صورتوں کا تجزیہ کرنا۔

تحقیق کے بنیادی سوالات:

- صاحب فتح القدیر نے لغوی معنی کی وضاحت کے لئے کس حد تک جاہلی شاعری سے استشہاد کیا ہے؟

- اس تفسیر میں صاحب تفسیر نے آیات کے محلِ اعراب کو بیان کرتے ہوئے کس طرح شعراء جاہلی کے کلام کو بطور استشہاد پیش کیا ہے؟
- صاحب تفسیر نے آیات کی بلاغی تفسیر کرتے ہوئے جاہلی شاعری کو کس طرح دلیل کے طور پر پیش کیا؟

تحدید موضوع:

- مقالہ ہذا قرآن کریم کے پہلے پندرہ اجزاء پر مشتمل ہے۔ اس تفسیر میں اشعار سے استشہاد بہت زیادہ مقامات پر کیا گیا ہے۔ اس لئے طوالت سے بچنے کے لئے صرف پہلے پندرہ پاروں کا انتخاب کیا گیا ہے۔
- اس میں صرف جاہلی شاعری سے لغوی، بلاغی اور نحوی استشہاد کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ عربی زبان و ادب کے تین بنیادی اصول یہی ہیں اس لئے انکو منتخب کیا گیا اور ان سے استشہاد کا جائزہ جاہلی دور کی شاعری کی روشنی میں لیا گیا جو اپنی فصاحت و بلاغت میں باقی ادوار کی شاعری سے معروف ہے۔

منہج تحقیق:

1. تحقیق کے معیاری پیراڈائم (Qualitative Paradigm) میں رہتے ہوئے استخراجی و تجزیاتی منہج تحقیق اختیار کیا گیا۔
2. تفسیر فتح القدیر میں استشہاد بالشعر (Content Analysis) کا تجزیہ و تحلیل کرتے ہوئے حقائق تک پہنچنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ کیسے کیا گیا اسکی تفصیلات درج ذیل ہیں۔
3. سب سے پہلے ان آیات کی نشاندہی کی گئی جن میں لغوی، نحوی یا بلاغی اعتبار سے شعر جاہلی سے استشہاد کیا گیا تھا۔
4. اس کے بعد مذکورہ شعر جاہلی کی نسبت اس کے شاعر طرف ہونے کی تصدیق اس کے دیوان سے یا دیگر ادبی کتب سے کی گئی ہے۔
5. اس کے بعد امام شوکانی کے کئے گئے استشہاد کو دیگر تفاسیر، کتب لغت و ادب کی روشنی میں پرکھا گیا ہے۔
6. آخر میں مقالہ نگار کا تجزیہ بھی شامل کیا گیا ہے جس میں اس استشہاد کی نوعیت اور اس فن (صرف، قرات، دلالت، مرفوع، مجرور، منصوب، بیان، بدیع، معانی) کا خاص طور پر ذکر کیا گیا۔ آیت کے جس حصے کے بارے میں استشہاد کیا گیا، اس کی نشاندہی شعر کے مذکورہ حصے میں کی گئی ہے۔

7. بنیادی مآخذ میں قرآن مجید، صحیح بخاری و مسلم، جامع الترمذی، سنن ابی داوٗد، نسائی، ابن ماجہ، المسند لاحمد بن حنبل، تفسیر المحرر الوجیز، تفسیر قرطبی، تفسیر بیضاوی، تفسیر کشاف، تفسیر طبری، تفسیر روح البیان، تفسیر ابن کثیر وغیرہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔
8. ثانوی ماخذ میں جمهرة أشعار العرب، رسالة الغفران، أبو سعید عبد الملک کی فحولة الشعراء، علم البدیع، از عبد العزیز عتیق، محمد بن محمد حسن شُرَّاب کی شرح الشواهد الشعرية في أمات الكتب النحوية، ناصر الدین الأسد کی مصادر الشعر الجاهلي وغیرہ شامل ہیں۔
9. شعراء جاہلی کے دواوین اور انکی شروحات سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔
10. کتب لغت میں لسان العرب، الصحاح تاج اللغة وصحاح العربیة، تاج العروس، قاموس المحیط، المنجد وغیرہ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔
11. جدید تحقیق کے ذرائع، مثلاً علمی ویب سائٹس (مکتبہ شاملہ، مکتبہ وقفیہ، مکتبہ نور)، ای کتب تحقیقی مجلات اور آرٹیکلز سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔
12. مقالہ کی تحریر و تسوید اور حوالہ جات کے لئے NUML کے منظور شدہ فارمیٹ کو اختیار کیا گیا۔

باب دوم: تفسیر قرآن میں استشہاد بالشعر الجاہلی کی ضرورت واہمیت

فصل اول: فتح القدیر اور مؤلف کا تعارف

فصل دوم: تفسیر میں استشہاد بالشعر الجاہلی کی ضرورت

فصل سوم: تفسیر میں استشہاد بالشعر الجاہلی کی اہمیت

باب دوم کا تعارف

دوسرا باب تفسیر قرآن میں استشہاد بالشعر الجاہلی کی ضرورت واہمیت کا تجزیہ کرے گا۔اس میں تین فصلیں ہوں گی۔ فصل اول فتح القدیر اور مؤلف کے تعارف سے متعلق ہوگی۔فصل دوم تفسیر میں استشہاد بالشعر الجاہلی کی ضرورت کو بیان کیاجائے گااور فصل سوم میں تفسیر میں استشہاد بالشعر الجاہلی کی اہمیت کا تجزیہ کیاجائے گا۔

فصل اول: فتح القدیر اور مؤلف کا تعارف

باب دوم کی فصل اول میں امام شوکانی کا مختصر تعارف پیش کیاجائے گا۔تعارف کو مختصر مگر جامع ومانع بنانے کی سعی کی جائے گی۔اس میں مصنف کا ذاتی تعارف، علمی مقام، مشہوراساتذہ وتلامذہ اور علمی خدمات کا جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی۔اس کے علاوہ اس فصل میں تفسیر فتح القدیر کا بھی مختصر تعارف کروایاجائے گا۔فتح القدیر چونکہ فن درایت وروایت کی جامع تفسیر ہے اس لئے تفسیر بالرائے اور ماثور کا فرق بیان کیا جائے گا۔اس کے علاوہ اس فصل میں تفسیر فتح القدیر کا منہج واسلوب،اس کے اہم ماخذ اور اسکی خوبیوں اور خامیوں کا جائزہ لیاجائے گا۔

نام ونسب

آپ کا نام محمد بن علی بن محمد الشوکانی الصنعانی ہے۔آپ کی ولادت قصبہ شوکان میں 28 ذوالقعدہ (1173ھ) بروز سوموار ہوئی[1]۔انے صنعاء[2] میں اپنے والد کی گود میں پرورش پائی۔آپ کے والد قاضی اور عالم تھے اور طب میں بھی شہرت تھی۔

حصول علم

آپ نے اپنی تعلیم کی ابتداء حفظ قرآن مجید سے کی۔اس کے بعد آپ دیگر اہم متون کے حفظ کی طرف متوجہ ہوئے۔ان کتب میں الازھار، مختصر الفرائض للعصیفری، کافیہ لابن حاجب، شافیہ، التہذیب للتفتازانی، تلخیص المفتاح للقزوینی، مختصر المنتہی لابن الحاجب، منظومہ اور آداب بحث ومناظرہ وغیرہ شامل ہیں۔اس کے علاوہ آپ نے

---

[1] شوکانی، احمد بن علی بن محمد بن عبد اللہ الیمنی، البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع (بیروت: دار المعرفۃ)، 2/215

[2] صنعاء یمن کا دار الخلافہ ہے اور ملک کے وسط میں واقع ہے۔یہ اڑھائی ہزار سال پرانا شہر ہے۔ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی میں یہ شہر اسلام کی نشرو اشاعت کا مرکز بن گیا۔کثیر تعداد میں مساجد ومدارس کو اپنی وسعت میں لئے ہوئے ہے۔ https://whc.unesco.org/ar/list/ اخذ شدہ بتاریخ 19 اگست 23

متعدد علوم میں کامل دسترس حاصل کی۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں تاریخ، ادب، ریاضی، لغت فلکیات وغیرہ۔ آپ نے بیس سال کی عمر میں تدریس شروع کردی اور ایک دن میں دس سے زیادہ علوم وفنون کا درس دیتے تھے۔[1]

حیات علمی و منصب

آپ نے ساری زندگی تعلیم و تعلم کو اپنا مشغلہ بنائے رکھا اور تقلید کے بجائے خود تحقیق کرکے مسائل کا حل نکالنے کے عادی تھے اور تقلید محض کے مخالف تھے۔ آپ کی اعلی علمی خوبیوں کی وجہ سے آپ کو سینتیس سال کی عمر میں صنعاء میں منصب قضاء پر فائز کیا گیا اس کے بعد قضاء کے ساتھ ساتھ آپ کو یمن[2] کے داخلی و خارجی امور کی وزارت بھی سونپ دی گئی۔ عوام الناس کی خدمت کی وجہ سے آپ نے لوگوں میں نیک نام کمایا۔[3]

مذہب وعقیدہ

امام شوکانی کا ابتدائی مذہب وعقیدہ زیدی تھا۔ آپ نے اس مذہب کی مشہور کتب بھی لکھیں۔ یہاں تک کہ آپ اس مذہب کی مشہور شخصیت بن گئے۔ اس کے بعد آپ علم حدیث کے حصول کی طرف متوجہ ہوگئے۔ زیدیہ اور غیر زیدیہ دونوں سے حصول علم حدیث کیا۔ اس کے بعد آپ نے تقلید کی روش کو چھوڑ کر اجتہاد اور کتاب وسنت سے ادلہ کی پہچان کا راستہ اختیار کیا۔

آپ کے اس اجتہادی مؤقف کی جھلک آپ کے رسالہ "القول المفید فی حکم التقلید" اور آپ کی تصنیف "السیل الجرار المتدفق علی حدائق الازھار" میں نظر آتی ہے۔ آپ کا عقیدہ علماء سلف کے عقیدہ کے مطابق تھا۔ اس سے متعلق آپ کا مشہور رسالہ "التحف بمذہب السلف" بھی ہے۔ آپ نے ساری زندگی عقیدہ توحید کو مظاہر شرک سے پاک کرنے کی طرف دعوت دی اور ہر قسم کے خرافات وبدعات سے دور رہنے کی تلقین کرتے رہے۔ اس چیز کا پرچار آپ نے مختلف کتب ورسائل کے ذریعے کیا اور خاص طور پر آپ کی کتاب "قطر الولی علی حدیث الولی" اس بات کی غمازی کرتی ہے۔[4]

---

[1] بھوجیانی، محمد عطاء اللہ حنیف، امام شوکانی (لائل پور: عقیقیہ)، 18

[2] جمہوریہ یمن مغربی ایشیا میں واقع ہے۔ یہ مشرق وسطیٰ کا مسلم آبادی والا ایک اسلامی ملک ہے۔ سعودی عرب اور عمان اس کے شمال اور مشرق میں، بحیرہ عرب اسکے جنوب میں اور بحیرہ احمر اسکے مغرب میں واقع ہے۔ اسکی آبادی تقریبا دو کروڑ ہے اور اکثریت کی زبان عربی ہے۔ اس کا دار الخلافہ صنعاء ہے ۔https://ur.wikipedia.org/wiki اخذ شدہ بتاریخ 19 اگست 23

[3] اختر، نسیم، امام شوکانی اور تفسیر فتح القدیر، (لاہور: شیخ محمد اشرف ناشران قرآن، 1993)، 3

[4] ایضا ص 4

مشائخ و تلامذہ

آپ کے مشائخ میں درجہ ذیل ہستیاں شامل ہیں۔ آپ کے والد علی[1] بن محمد الشوکانی، سید عبد الرحمان بن قاسم المدانی[2]، علامہ احمد[3] بن عامر الحدائی، سید علامہ اسماعیل بن حسن[4]، علامہ عبد اللہ بن اسماعیل النہمی[5]، سید امام عبد القادر بن احمد الکوکبانی[6]، سید علامہ علی بن ابراھیم بن علی بن ابراھیم بن احمد بن عامر[7]، سید عارف یحیی بن محمد الحوثی[8]، قاضی عبد الرحمان بن حسن الاکوع۔[9]

مشہور تلامذہ

آپ کے مشہور تلامذہ میں سے کچھ یہ ہیں۔

۱) سید محمد بن محمد زیارہ الحسنی الیمنی الصنعانی، متوفی 1281ھ

۲) محمد بن احمد السودی متوفی 1226ھ

۳) سید احمد علی بن محسن الامام المتوکل علی اللہ متوفی 1223ھ

۴) احمد بن عبد الضمدی متوفی 1222ھ

۵) القاضی محمد بن الحسن الشیخی الذماری 1286ھ[10]

---

[1] علی بن محمد بن عبد اللہ 1130 ہجری میں پیدا ہوئے۔ اور قصبہ شوکان کی طرف نسبت کی وجہ سے شوکانی مشہور ہو گئے۔ بدر طالع 1/ 337

[2] سید عبد الرحمان بن قاسم مدانی علم فقہ ذمار شہر میں پڑھا اور پھر صنعاء کی طرف ہجرت کی اور وہاں کثیر تعداد میں لوگوں کو فقہ پڑھائی اور 1211 ہجری میں وفات پائی۔ بدر طالع 1/ 337

[3] آپ نے فقہ و وراثت کے علوم صنعاء میں پڑھے اور جامع صنعاء میں سلسلہ ء تدریس شروع کر دیا۔ آپ کی زبان میں لکنت تھی۔ آپ کا وصال 1197 ہجری میں ہوا۔ بدر طالع 1/ 63

[4] سید علامہ اسماعیل بن حسن بن احمد 1120 ہجری میں صنعاء میں پیدا ہوئے اور 1206 ہجری میں وفات پائی۔ بدر طالع 1/ 145

[5] آپ 1150 ہجری میں صنعاء میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے اور تعلیم مکمل کی۔ اور وہیں پہ سلسلہ ء تدریس شروع کیا اور 1228 ہجری میں وفات پائی۔ بدر طالع 1/ 380

[6] آپ رمضان 1169 ہجری میں کوکبان میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد سے علوم متداولہ میں مہارت حاصل کی اور صنعاء کی طرف ہجرت کر آئے۔ اور 1223 میں صنعاء میں وفات پائی۔ بدر طالع 1/ 18

[7] آپ 1143 میں پیدا ہوئے اور 1207 ہجری میں صنعاء میں وفات پائی۔ آپ علوم متداولہ کے ماہر تھے۔ بدر طالع 1/ 416

[8] آپ 1160 ہجری میں پیدا ہوئے۔ آپ ریاضی اور علم الفرائض کے ماہر تھے۔ بدر طالع 1/ 244

[9] صدیق، حسن خان، التاج المکلل (قطر: وزارۃ الاوقاف، 2007)، ص 300

[10] بھوجیانی، امام شوکانی، 42

مشہور مؤلفات

114 سے زائد کتب کے مؤلف تھے۔ آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں۔[1]

- ارشاد الثقات الی اتفاق الشرائع علی التوحید والمعاد والنبوات۔ اس کو دار الکتب العلمیۃ–لبنان نے 1984ء میں شائع کیا اور اس کا موضوع عقیدہ ہے۔
- القول المفید في ادلۃ الاجتھاد والتقلید کو دار القلم –الکویت نے 1396 ھ میں شائع کیا اور اسکا موضوع اصول فقہ و قواعد فقہیہ ہے۔
- السیل الجرار المتدفق علی حدائق الأزھار۔ اسکا ناشر دار الکتب العلمیۃ–بیروت ہے۔ یہ 1405ھ میں شائع ہوئی اسکا موضوع اصول فقہ و قواعد فقہیہ ہے۔
- ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الأصول۔ اسکا ناشر دار الفکر، بیروت ہے اور یہ 1992ء میں شائع ہوئی۔ اور اسکا موضوع اصول فقہ و قواعد فقہیہ ہے۔
- البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع۔ اسکا ناشر دار الفکر، بیروت ہے اور یہ 1992ء میں شائع ہوئی یہ فن تراجم وطبقات سے متعلق ہے۔
- تحفۃ الذاکرین بعدۃ الحصن الحصین من کلام سید المرسلین۔ اسکا ناشر دار القلم، بیروت ہے اور یہ 1984ء میں شائع ہوئی یہ آداب واذکار سے متعلق ہے۔
- الدراری المضیئۃ فی شرح الدرر البھیۃ ۔ اسکو دار الکتب العلمیۃ بیروت والوں نے 1987 مین شائع کیا اور اسکا موضوع فقہ ہے۔
- شرح الصدور بتحریم رفع القبور یہ کتاب الجامعۃ الإسلامیۃ، المدینۃ المنورۃ سے 1408ھ میں شائع ہوئی اسکا موضوع عقیدہ ہے۔
- الفوائد المجموعۃ في الاحادیث الموضوعۃ ۔ اسکا ناشر دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان ہے اور اسکا موضوع تخریج والزوائد ہے۔
- نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار۔ اس کو دار الحدیث، مصر نے 1993ء میں شائع کیا اسکا موضوع شرح حدیث ہے۔
- قطر الولی علی حدیث الولی بإبراھیم إبراھیم ھلال۔ اس کو دار الحدیث، مصر نے 1993ء میں شائع کیا اسکا موضوع شرح حدیث ہے۔

---

[1] ایضا42

وفات

آپ کی وفات 26 جمادی الثانی 1250ھ میں ہوئی اور آپ صنعاء میں ہی دفن ہوئے۔[1]

تفسیر فتح القدیر کا تعارف

اس تفسیر کا اصل نام "فَتْحُ الْقَدِيرِ الْجَامِعُ بَيْنَ فَنَّيِ الرِّوَايَةِ وَالدِّرَايَةِ من علم التفسير" ہے۔[2] جیسا کہ نام سے ظاہر ہے امام شوکانی نے اپنی تفسیر میں دونوں اقسام کو جمع کر دیا ہے۔ اور تفسیر بالرائے میں بہت زیادہ احتیاط کرتے ہیں اسی لئے اپنے مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ "التفسير بالرأي الذي هو من أعظم الخطر فإن التفسير بذلك هو تفسير باللغة، لا تفسير بمحض الرأي المنهيّ عنه" بنیادی طور پر تفسیر کی درج ذیل دو اقسام ہیں۔ ہر ایک مفسر انہی دو اقسام میں سے کسی ایک کا انتخاب کرتا ہے یا پھر دونوں اقسام کو ایک ہی تفسیر میں جمع کر دیتا ہے۔ اور وہ درج ذیل دو اقسام ہیں۔[3]

1) تفسیر بالماثور

هو التفسير بالمأثور، وهو ما جاء في القرآن، أو السنة، أو كلام الصحابة بيانا لمراد الله تعالى من كتابه.

تفسیر بالماثور وہ تفسیر قرآن ہے جو قرآن یا حدیث یا اقوال صحابہ و تابعین کی مدد سے کی جائے۔

2) تفسیر بالرائے

هو التفسير بالرأي والاجتهاد، ويكون جائزا وموفقا ومحمودا إذا استند إلى أربعة أمور

أ- النقل عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ب- الأخذ بقول الصحابي.

ج- الأخذ بمطلق اللغة.

د- الأخذ بما يقتضيه الكلام، ويدل عليه قانون الشرع

یہ تفسیر رائے اور اجتہاد کی مدد سے کی جاتی ہے اور اس کے جائز ہونے کے لئے درج ذیل شرائط ہیں۔ یہ قول رسول ﷺ یا قول صحابہ کے مخالف نہ ہو۔ یا مطلقا لغت سے ماخوذ ہو یا مقتضاء النص سے ثابت ہو اور قانون شرع

---

[1] شوکانی، فتح القدیر: 10/1

[2] شوکانی، فتح القدیر: 12/1

[3] شوکانی، فتح القدیر: 12/1

اس پہ دلالت کرتا ہو۔ امام شوکانی کی تفسیر مذکورہ بالا دونوں اقسام کی جامع ہے۔

فتح القدیر کا اسلوب و منہج

امام شوکانی کا اپنا ایک مخصوص منہج و اسلوب ہے جو انہوں نے تفسیر کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہے۔[1]

1) مفسر سب سے پہلے آیت ذکر کرتے ہیں اس کے بعد اسکی تفسیر کرتے ہیں اور تفسیر میں علماء سلف سے منقول تفسیری روایات لے کر آتے ہیں تفسیر کا اکثر حصہ سابقہ تفاسیر میں مذکور باتوں پر مشتمل ہے۔

2) مفسر آیات کی لغت کے اعتبار سے بھی وضاحت کرتے ہیں اس سلسلہ میں جن آئمۃ لغت کے اوپر وہ اعتماد کرتے ہیں ان میں امام مبرد[2]، فراء[3] اور عبیدہ[4] وغیرہ شامل ہیں۔

3) قرآت سبعہ، انکی شرح اور معنی کو بیان کرنے کا بھی پورا پورا اہتمام کیا گیا ہے۔

4) مصنف ائمہ فقہ کے مذاہب کا ذکر بھی کرتے ہیں انکا اختلاف اور دلائل اور ان کے مابین کے ترجیح کا بھی ذکر کرتے ہیں اس طرح اکثر مواضع پر اجتہاد پر اعتماد کرتے ہوئے احکام کا استنباط بھی کرتے ہیں۔

5) آیات میں لغوی معنی، نحوی وبلاغی قواعد کے اثبات کیلئے اشعار کا ذکر بھی کثرت سے کرتے ہیں۔

مصادر

امام شوکانی نے اپنی تفسیر میں متعدد مختلف مصادر سے استفادہ کیا ہے۔ کتب تفسیر میں تفسیر عبدالرزاق، تفسیر کشاف، تفسیر المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز، تفسیر طبری، تفسیر قرطبی، امام سیوطی کی در منثور، تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم اور تفسیر الکشف والبیان عن تفسیر القرآن شامل ہیں۔ کتب احادیث میں مسند احمد،

---

1 شوکانی، فتح القدیر: 1/13

2 ابن المبرد، یوسف بن حسن بن احمد بن حسن بن عبد الهادی الصالحی، جمال الدین ایک ممتاز عالم اور حنبلی فقہاء میں سے ایک ہیں۔ اہل دمشق میں سے ہیں۔ حنبلی فقہ میں مغني ذوي الأفهام عن الكتب الكثيرة في الأحكام آپ کی مشہور کتاب ہے۔ آپ کا عرصہ حیات 840ھ-909ہجری بمطابق 1436-1503 عیسوی ہے۔ (زرکلی، الأعلام 8/225)

3 پورا نام علی بن الحسین بن علی ابو الحسن العبسی الفراء ہے۔ آپ ایک مصری مورخ ہیں اور مالکی فقہاء میں سے ایک ہیں۔ ابن طحان نے ان کا تعارف "التاریخ" کے مصنف سے کروایا ہے۔ انکا سن وفات 352ہجری بمطابق 963عیسوی ہے۔ (زرکلی، الأعلام 4\277)

4 آپ کا عرصہ حیات 110ھ-209ہجری بمطابق 728-824عیسوی ہے۔ ابو عبید نحوی، معمر بن مثنٰی کا تعلق بذریعہ ولاء قبیلہ تیم سے تھا۔ آپ بصرہ کے رہنے والے تھے۔ ادب اور زبان کے معروف اسکالرز میں سے ایک ہیں۔ ہارون الرشید انہیں سنہ 188 ہجری میں بغداد لے آیا۔ آپ حافظ حدیث تھے۔۔ جب ان کا انتقال ہوا تو ان کے ہم عصروں پر شدید تنقید کی وجہ سے کوئی بھی ان کے جنازے میں شریک نہیں ہوا۔ ان کی تقریباً 200 کتابیں ہیں، جن میں سے مجاز القرآن اور معاني القرآن مفسرین کے ہاں زیادہ مشہور ہیں۔ (زرکلی، الأعلام 7/272)

مصنفِ ابنِ ابی شیبہ وغیرہ شامل ہیں اور کتب لغت میں غریب القرآن لابن قتیبۃ، معانی القراءات للأزھری، تعلیق من أمالی، معاني القرآن وإعرابہ اور معانی القرآن وغیرہ شامل ہیں۔[1]

تقلید اور مقلدین کی مخالفت

امام شوکانی نے اپنی تفسیر میں تقلید اور مقلدین کی سخت مخالفت کی ہے حتیٰ کہ وہ اس حد تک چلے گئے ہیں کہ انہوں نے آیات میں کفار کی اپنے اباؤاجداد کی تقلید کی مذمت کو ائمہ فقہ کے مقلدین پر منطبق کر دیا اور ان پر الزام لگایا کہ یہ لوگ کتاب وسنت کے تارک ہیں۔ امام شوکانی نے معتزلہ کی سخت مخالفت کی ہے اور اس کے مقابلے میں اہلِ سُنت کے مؤقف کی خوب تائید کی۔[2]

فتح القدیر کی خصوصیات

فتح القدیر کی درج ذیل اہم خصوصیات اسکو کتب تفاسیر میں ممیز بناتی ہیں۔

1 یہ فن روایت ودرایت کی جامع ہے۔
2 حجم کے اعتبار سے ایک متوسط درجے کی تفسیر ہے اور پانچ جلدوں پہ مشتمل ہے۔
3 علم کے طالبوں کے لئے انتہائی مفید مباحث فقہ، حدیث اور لغت سے بھرپور کتاب ہے۔
4 اجتہاد کی طرف راغب کرنیوالی ہے۔
5 توحید کے مسائل کا تذکرہ بہت وضاحت کے ساتھ ملتا ہے۔
6 ادیان باطلہ مثلاً معتزلہ کا رد کافی شد ومد کے ساتھ کیا گیا ہے۔
7 استشہاد شعری کو جامع مگر مثالی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

---

[1] شوکانی، فتح القدیر: 12/1

[2] شوکانی، فتح القدیر: 13/1

فصل دوم: تفسیر میں استشہاد بالشعر الجاہلی کی ضرورت

اس فصل میں شعر اور جاہلی شعر کا مفہوم بیان کیا جائے گا۔طبقات شعراء کے تذکرے کیساتھ ساتھ مفسرین کے ہاں استشہاد بالشعر کی ضروریات کا تجزیہ بھی کیا جائے گا۔ضرورت ایسی چیز ہے جس کے بغیر گزارا ممکن نہیں۔مثال کے طور پر،خوراک اور پانی ضروریات ہیں کیونکہ وہ بقا کے لیے ضروری ہیں۔

شعر کا لغوی معنی

لغت میں لفظ شعر عربوں کے قول (شعرتُ بالشیء) سے ماخوذ ہے اس کا مطلب ہے میں نے اس چیز کو جان لیا محسوس کیا۔ پس معلوم ہوا لفظ شعر کا اشتقاق مادہ علم ، ادراک اور فطانت سے ہے جس طرح قرآن میں ﴿وَمَا يَشْعُرُونَ﴾ [1] لا یعلمون اور لا یدرون کے معنی میں ہے۔ شعر کے قائل کو شاعر بھی اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ باقیوں کے مقابلے میں زیادہ عالم اور فطین ہوتا ہے۔[2]

شعر کی اصطلاحی تعریف

موزون ومقفی کلام جس میں لطافت شعری کا قصد کیا گیا ہو شعر کہلاتا ہے۔[3]

شعر جاہلی کا مفہوم

زمانہ جاہلیت سے مراد اسلام سے قبل کا زمانہ ہے اس کو جاہلی کہنے کی وجہ اللہ ورسول ﷺ سے بیگانگی ہے اور بتوں کی پوجا ہے-"يعني الجهل بالله وبرسوله وبشرائع الدين، وباتباع الوثنية والتعبد لغير الله" [4]زمانہ اسلام سے قبل کہے گئے اشعار جاہلی کہلاتے ہیں اس لئے شعراء جاہلی کا سارا کلام اور شعراء مخضرمین کے اسلام سے قبل کہے ہوئے اشعار، شعر جاہلی کے زمرے میں آتے ہیں۔

استشہاد بالشعر کی اقسام بلحاظ طبقات شعراء

اس اعتبار سے اس کی تقسیم درج ذیل ہے۔

---

[1] البقرۃ:9

[2] شهري، الشاهد الشعري في تفسير القرآن الكريم أهميته، وأثره، ومناهج المفسرين في الاستشهاد به، ص19

[3] ایضاص

[4] مهران، محمد بيومي، دراسات في تاريخ العرب القديم (الجامعية: دار المعرفة)، ص18

1) شعراء جاہلیین کے اشعار سے استشہاد

شعراء جاہلیین کے اشعار سے استشہاد پر اہل عربیہ کا اجماع ہے۔

2) شعراء مخضرمین کے اشعار سے استشہاد

شعراء مخضرمین[1] کے اشعار سے استشہاد پر بھی اہل عربیہ کا اجماع ہے۔[2]

3) شعراء عصر اسلامی کے اشعار سے استشہاد

شعراء عصر اسلامی[3] کے اشعار سے استشہاد پر اختلاف ہے۔ جمہور اہل لغت خلیل[4]، یونس[5] اور سیبویہ[6] وغیرہ کے نزدیک جائز اور دیگر کے نزدیک استشہاد درست نہیں ہے۔[7]

4) شعراء مؤلدین کے اشعار سے استشہاد

شعراء مؤلدون[8] کے اشعار سے استشہاد نہ کرنے پر اہل لغت کا اجماع ہے۔ یہی بات امام سیوطی[9] نے بھی نقل کی ہے کیونکہ انکو مؤلد کہتے ہی اس لیے ہیں کہ ان کے کلام میں تولد ہے۔[10]

---

[1] وہ شعراء جو دور جاہلیت اور دور اسلام کے زمانے میں شاعری کرتے رہے۔

[2] شہری، الشاهد الشعري في تفسير القرآن الكريم أهميته، وأثره، ومناهج المفسرين في الاستشهاد به، ص98

[3] وہ شعراء جنہوں نے اسلام کی آمد بعد شاعری شروع کی خصوصا بنوامیہ کے زمانہ کے شعراء جیسے جریر وفرزدق وغیرہ۔

[4] ابوعبدالرحمان خلیل بن احمد فراہیدی 718ء میں بصرہ میں پیدا ہوئے۔ علم عروض کے بانی اور نحو کے امام تھے۔ آپ 790ء میں فوت ہوئے۔

[5] آپ علی بن یقطین کے مولا ہیں۔ اور آپ ایک عراقی امامی فقیہ ہیں اور اصحاب موسیٰ بن جعفر میں سے ہیں۔ علی ابن موسی نے آپ کو حضرت سلمان فارسی سے تشبیہ دی ہے۔ آپ کم و بیش تیس کتابوں کے مصنف ہیں جن میں "الدلالة على الخير"، "الشريعه"، "جامع الآثار، زیادہ مشہور ہیں۔ انکا سن وفات 208، ہجری بمطابق 823 عیسوی ہے۔(زرکلی، اعلام:8\261)

[6] آپ کا اصل نام عمرو بن عثمان ہے۔ آپ 148 ہجری میں ایران میں پیدا ہوئے اور امام خلیل سے پڑھے اور بصرہ میں نحویوں کے امام بن گئے اور چالیس سال کی عمر میں بصرہ میں 180 ہجری میں انتقال فرمایا۔ احمد حسن زیات، تاریخ ادب عربی، (لاہور، شیخ بشیر اینڈ سنز)، ص649

[7] ایضا

[8] جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ وہ شعراء جن کی مادری زبان عربی نہیں تھی یا وہ دوسرے مذاہب سے اسلام میں داخل ہوئے اور انکا زمانہ خلافت عباسیہ والا ہے۔ مثلا بشار اور ابونواس وغیرہ۔

[9] سیوط مصر کا ایک قدیم شہر ہے جو دریائے نیل کے مغربی کنارہ پر واقع ہے۔ اکثر نے اسکو ہمزہ کے ساتھ اسیوط لکھا ہے لیکن معجم الیاقوت کے مصنف کے خیال میں میں اس کا نام "سیوط" یعنی ہمزہ کے بغیر ہے۔ اسکا تلفظ یہ ہے پہلے حرف پر پیش، دوسرا ساکن اور تیسرے پر بھی پیش ہے۔ القاموس کے حاشیہ میں "ابن الطیب" نے ذکر کیا ہے کہ "اسیوط" کے تلفظ میں ہمزہ پر تینوں حرکات (زبر، زیر او رپیش) پڑھی جاسکتی ہیں۔ https://magazine.mohaddis.com/home/articledetail/2578 اخذ شدہ بتاریخ 19 اگست، 2023

[10] ایضا، ص101

استشہاد بالشعر الجاہلی کا مفہوم

قرآن مجید کے کسی حرف، لفظ یا کسی جملے کی کسی بھی لحاظ سے وضاحت کے لئے شعر جاہلی کو بطور دلیل پیش کرنا استشہاد شعری کہلاتا ہے۔

استشہاد بالشعر الجاہلی کی ضرورت

اس لحاظ سے تفسیر میں استشہاد شعری کی درج ذیل مشہور ضرورتیں کتب تفاسیر میں نظر آتی ہیں:

1)ضرورتِ استشہاد لغوی

جب قرآن مجید کے کسی حرف یا لفظ کی لغوی اعتبار سے وضاحت کی ضرورت ہو اس مقصد کیلئے کسی شعر جاہلی سے استفادہ کرنا استشہاد لغوی کے زمرہ میں آتا ہے۔اس کی مثال میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ پیش کیا جاتا ہے کہ آپ نے منبر پر ایک آیت پڑھی ﴿أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَى تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴾[1] لفظ تخوف کا معنی دریافت فرمایا تو قبیلہ ہزیل کا ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کی کہ ہمارے نزدیک تخوف کا معنی تنقص ہے اور بطور دلیل أبو كبير الهذلي[2] (متوفی 631ء) کا یہ شعر پڑھا۔

تَخَوَّفَ الرَّحْلُ مِنها تَامِكًا قَرِدًا ... كَمَا تَخَوَّفَ عُوْدَ النبَّعْةِ السَّفِنُ[3]

خانہ بدوش وہاں سے، تمیکا بندر کی طرح (کوچ کرنے کی وجہ سے) ایسے کم ہوتے ہیں جس طرح بہار کے ایلوز (پودے کا نام) جہازوں کی آمد ورفت کی وجہ سے کم ہو جاتے ہیں۔

تو حضرت عمر نے فرمایا اے لوگو شعر جاہلی کے دیوان کو مضبوطی سے پکڑ لو کیونکہ اس میں تمہاری کتاب کی تفسیر موجود ہے۔[4]

2)ضرورتِ استشہاد نحوی

جب قرآن پاک کی کسی آیت میں استعمال شدہ نحوی قاعدہ کی توثیق کی ضرورت ہو اس مقصد کیلئے شعر جاہلی

---

[1] النحل:47

[2] أبو كبير الهُذلي کا اصل نام عامر بن الحليس الجربي الهذلي وفات 631ء میں ہوئی۔ شاعر کا قبیلہ .بني جريب بن سعد بن هذيل تھا.اس کی شادی شاعر تأبط شرا کی ماں سے ہوئی۔ شاعر کا تعلق زمانہ جاہلیت میں شعراء الحماسہ سے تھا۔ (زرکلی، الاعلام ص250)

[3] اسد، ناصر الدين، مصادر الشعر الجاهلي (مصر: دار المعارف 1988ء)، ص152

[4] شهري، الشاهد الشعري فی تفسير القرآن الكريم أهميته، وأثره، ومناهج المفسرين في الاستشهاد به، ص70

کو بطور دلیل پیش کرنا استشہاد نحوی کہلاتا ہے۔[1] اسکی مثال مفسرین کا وہ قول ہے جس میں انہوں نے اس آیت میں ﴿أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ﴾[2]"الرِّيحُ"کو مجرور پڑھنا بھی جائز قرار دیا ہے ضمیر مجرور کی مجاورت کی وجہ سے اور اس کا استشہاد درج ذیل شعر سے کیا ہے۔

كأَنَّمَا ضَرَبَتْ قُدَّامَ أَعيُنِها ... قُطْنًا بِمُستحصدِ الأَوتارِ مَحْلوجِ[3]

گویا اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے دھنکی ہوئی روئی کو کاٹنے والی ڈور کیساتھ کاٹا۔

اس شعر میں محلوج کو مجرور پڑھا گیا ہے اسم مجرور (الاوتار) کے جوار میں واقع ہونے کی وجہ سے وگرنہ اصلاً تو اسکا اعراب منصوب بنتا ہے قطنا کی صفت واقع ہونے کی وجہ سے۔

3)ضرورتِ استشہاد صرفی

جب کسی صرفی قاعدہ کی وضاحت کی ضرورت ہو اس مقصد کیلئے شعر جاہلی کو بطور حجت پیش کرنا استشہاد صرفی کہلاتا ہے۔[4] اسکی مثال یہ ہے کہ فعیل کا صیغہ مُفعل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جس طرح کہ آیت میں ہے کہ ﴿عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾[5] بمعنی مولم ہے اور اسکی دلیل عمرو بن معدي کرب[6] (متوفی 642ء) کے درجہ ذیل شعر سے پیش کی جاتی ہے۔ "أمن ريحانة الداعي السميع"[7] یہاں پر مراد الداعی المسمع ہے۔ کیا ریحانہ جو دعوت دینے والی اور سنانے والی ہے۔

4)ضرورتِ استشہادِ صوتی

جب قرآن کریم کے کسی کلمہ یا آیت کی قرات کی وضاحت کی ضرورت ہو اس مقصد کے لئے شعر جاہلی پیش کرنا استشہاد صوتی کہلاتا ہے۔[8]

---

[1] ایضا، ص72

[2] ابراھیم:18

[3] شھری، الشاھد الشعري في تفسير القرآن الكريم أهميته، وأثره، ومناهج المفسرين في الاستشهاد به، ص73

[4] ایضا، ص76

[5] البقرۃ:10

[6] عمرو بن معدیکرب الزبیدی 553ء تا 643ء یمن کا شھسوار، عرب کا خطیب اور قادسیہ کا ہیرو۔ اس کا سلسلہ نسب قحطان سے جاملتا ہے، اس کی کنیت ابو ثور ہے۔ جب نبی اکرم 9 ہجری میں غزوہ تبوک سے واپس آرہے تھے تو آپ کو راستے میں ملا اور یہ قوم سمیت مسلمان ہوگیا۔ (احمد حسن زیات۔ تاریخ ادب عربی)

[7] عمرو بن معدي كرب، ديوان عمرو بن معدي كرب، ص6

[8] شھری، الشاھد الشعري في تفسير القرآن الكريم أهميته، وأثره، ومناهج المفسرين في الاستشهاد به، ص78

اسکی مثال ﴿وَإِنَّ كُلًّا لَمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ﴾[1] مفسرین فرماتے ہیں کہ لَمَّا اصل ہیں لمن ما تھا تین میمیں اکٹھی ہو گئیں تو ایک کو حذف کر دیا گیا تو دورہ گئیں تو ایک کو دوسری میں مدغم کر دیا گیا اور اسکی دلیل میں درج ذیل شعر پیش کیا گیا ہے۔

وإنِّي لَمِمَّا أُصدرُ الأمرَ وجْهَهُ ... إذا هو أعيا بالسَّبيلِ مَصادرُهْ[2]

اور بے شک جب میں اس کے سامنے حکم صادر کر دیتا ہوں جب وہ راستے سے تنگ ہو جاتا ہے۔ اس کی اصل لمن ما ہے۔ یہاں بھی تین میمیں جمع ہو گیں تو ایک کو حذف کر کے دو کو مدغم کر دیا گیا۔

5)ضرورتِ استشہاد بلاغی

جب بلاغت سے متعلقہ مسائل کی توضیح یا بیان کی ضرورت ہو اس مقصد کیلئے استشہاد بالشعر الجاہلی کو استشہاد بلاغی کہتے ہیں۔[3]

﴿حَتَّى إِذَا كُنتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا﴾[4] یہاں پر بلاغت کے قاعدہ کے تحت مخاطب سے غائب کی طرف التفات ہے جیسا کہ نابغہ ذبیانی[5] (متوفی 604ء) کے اس شعر میں بھی ہے۔

يا دارَ ميَّةَ بالعلياءِ فَالسَّنَدِ ... أَقوتْ وطالَ عليها سالفُ الأَبَدِ[6]

اے بلند و بالا امیہ کے گھر اس کے ستون مضبوط ہو گئے اور وہ ہمیشہ کے لئے آباد ہے۔

اس شعر میں بھی یا دار مخاطب سے غائب کی طرف التفات موجود ہے۔ یہ کلام کے فصیح و بلیغ ہونے پر دال ہے۔

---

[1] ہود: 111

[2] شهري، الشاهد الشعري في تفسير القرآن الكريم أهميته، وأثره، ومناهج المفسرين في الاستشهاد به، ص78

[3] ایضا

[4] یونس 22

[5] نابغہ ذبیانی بن معاویہ اس کا مکمل نام زیاد بن معاویۃ بن ضباب بن جابر بن یربوع بن مرۃ بن عوف بن سعد، الذبیانی، الغطفانی، المضری تھا۔ عہد جاہلیت کا ممتاز عرب شاعر اور حجاز سے تعلق رکھتا تھا۔ (احمد حسن زیات، تاریخ ادب عربی، ص110)

[6] نابغة ذبياني، زياد بن معاوية بن ضباب ديوان النابغة الذبياني (القاهرة: دار المعارف)، ص14

فصل سوم: تفسیر میں استشہاد بالشعر کی اہمیت

اہمیت سے مراد یہ ہیکہ کسی چیز کی قدر و منزلت اس سے متعلقہ فن کے لوگوں کے ہاں کتنی ہے۔لہذا، ضرورت واہمیت میں بنیادی فرق یہ ہوا کہ کسی چیز کی اہمیت کا تعین اسکی ضرورت کرتی ہے۔اس فصل میں اہل اسلام کے ہاں شعر کی اہمیت کو جانچا جائے گا۔اس حوالہ سے قرآن کریم اور احادیث رسول ﷺ اور سیرت رسول ﷺ اور تعامل صحابہ کا جائزہ لیا جائے گا۔اس کے علاوہ جمہور مفسرین کی تفاسیر کا جائزہ لے کر انکا اس بارے میں نظریہ جانچنے کی سعی کی جائے گی۔

قرآن میں متعدد بار شعر کا ذکر آیاہے لیکن ایک جگہ پر شعراء کی مذمت بیان کی گئ ہے۔اس آیت میں الشعراء کا صیغہ عموم کے ساتھ مذکور ہے لیکن مقصود وہ شعراء قریش ہیں جو اسلام دُشمن تھے اور اسلام مخالف اشعار کہتے تھے۔ان شعراء کے قصائد کذب وافتراء اور ہجو پر مبنی ہوتے تھے جو کہ اسلام میں حرام ہیں۔[1]

لیکن اس آیت میں مطلقاشعراء کی مذمت نہیں ہے کیونکہ سیرت نبویؐ میں شعر کو پسند فرمایا گیاہے اور آپ ﷺ نے شعر کے قائل کی تعریف فرمائی اور اس پر انعام فرمایااور صحابہ کرام میں کافی تعداد میں شعراء تھے۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ مدینہ تشریف لائے تو انصار کے تمام گھروں میں شعر کہنے والا موجود تھا۔((قال أنس بن مالك رضي الله عنه قدم علينا رسولُ الله صلى الله عليه وسلم المدينة، وما في الأنصارِ بيتٌ إلا وهو يقولُ الشعرَ))[2]اور رسول ﷺ کے اپنے شعراء تھے جو کُفار کی مذمت کرتے تھے اوران میں حضرت حسان بن ثابت بن منذر بن حرام (متوفی 647ء)اور کعب بن مالک[3] وغیرہ بھی شامل تھے۔ذیل میں چند احادیث اس بارے میں پیش خدمت ہیں۔حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا((أصدق كلمة قالهاشاعر، كلمة لبيد أَلَا كُلُّ شَيءٍ مَا خَلا اللهَ بَاطِلُ)) [4]

---

[1] شھری، الشاهد الشعري في تفسير القرآن الكريم أهميته، وأثره، ومناهج المفسرين في الاستشهاد به ص37

[2] موسی، سعد بن موسی، تاریخ الحياة العلمية في المدينة النبوية خلال القرن الثاني الهجري (دار القاسم:2007ء)، ص205

[3] انکا سن وفات تقریبا 50 ہجری بمطابق تقریبا 670 عیسوی ہے۔کعب بن مالک بن عمرو بن القین، الانصاری السلمی ،الخزرجی ایک مشہور صحابی رسول ہیں۔اکابر شعراء میں سے ایک ہیں اور شاعر رسول ﷺ ہیں۔وہ حضرت عثمان کے ساتھیوں میں سے تھے، اور انقلاب کے دن ان کی مدد کی، اور انصار کو ان کی حمایت پر اکسایا۔زندگی کے آخری حصے میں بینائی سے محروم ہوگئے تھے، اور وہ ستتر سال تک زندہ رہے۔(زرکلی، اعلام:5/ 228)

[4] حنبل، أبو عبد الله أحمد بن محمد، مسند الإمام أحمد بن حنبل (مؤسسة الرسالة 2001ء) کتاب مُسْنَدُ الْمُكْثِرِينَ مِنَ الصَّحَابَةِ، باب مُسْنَدُ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، ح10074

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ حضرت حسان بن ثابت بن منذر بن حرام[1] (متوفی 647ء) نے مُشرکین کی ہجو کی اجازت رسول ﷺ سے طلب فرمائی تو آپ ﷺ نے فرمایا میرے نسب کی کیسے ہجو کروگے۔ حضرت حسان بن ثابت بن منذر بن حرام (متوفی 647ء) نے فرمایا میں آپ کو ان میں سے ایسے نکال لوں گا جیسے بال آٹے سے نِکال لیتے ہیں۔ پس آپ نے حضرت حسان بن ثابت بن منذر بن حرام (متوفی 647ء) کو اس کی اجازت دی اور فرمایا ان کی ہجو بیان کرو جبریلؑ آپ کے ساتھ ہیں ((عن عائشة رضي الله عنها أَنَّ حسان بن ثابت رضي الله عنه استأذن رسولَ الله صلى الله عليه وسلم في هجاء المشركين، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فكيف بِنَسَبِي؟ فقال حسان لأسلنَّكَ منهم كما تُسَلُّ الشَّعْرَةُ من العجين))[2]

ایک اور جگہ پہ آپ نے فرمایا کہ بے شک بعض شعر حِکمت پر مبنی ہیں ((إِنَّ من الشِّعْرِ حِكمةً))[3] پس ثابت ہوا اسلام میں شعر کی مطلقاً ممانعت نہیں ہے۔

تفسیر میں استشہاد بالشعر اور عمل صحابہ

تفسیر قران میں استشہاد بالشعر کا آغاز تفسیر القرآن کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ سب سے پہلے مفسر قران حضرت ابنِ عباس نے شعر کو دِیوانِ عرب قرار دیا اور متعدد آیات کے معنی کو استشہاد شعری کے ذریعے واضح فرمایا۔ حضرت عمر فاروقؓ کا مشہور واقعہ جو مذکور ہوا اس پر شاہد ہے پس عمل صحابہ کرام سے بھی تفسیر قران میں استشہاد بالشعر الجاہلی کی اہمیت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔

تفسیر میں استشہاد بالشعر اور جمہور مفسرین

اس کے علاوہ جمہور مفسرین کے عمل سے بھی تفسیر میں استشہاد بالشعر کی اہمیت ثابت ہے بلکہ آج دِن تک شاذونادر ہی کوئی تفسیر ہو گی جو استشہاد بالشعر سے خالی ہو گی۔ ذیل میں کبار مفسرین کرام کی تفاسیر بمع تعداد استشہاد بالشعر ذکر کی جاتی ہیں۔

1۔ تفسیر حجاب القران جو کہ دوسری صدی ہجری میں لکھی گئی اس میں نو سو باون اشعار سے استشہاد کیا گیا ہے۔

---

[1] قبیلہ بنو خزرج میں مدینہ 554ء میں پیدا ہوئے۔ پورا نام حسان ابن ثابت بن منذر بن حرام ہے۔ والدہ کا نام فریعہ بنت خالد تھا۔ سعد بن عبادہ سردار خزرج کی بنت عم تھیں۔ (تاریخ ادب عربی، احمد حسن زیات، ص244)

[2] أبو يعلى، أحمد بن علي بن المثنى، مسند أبي يعلى (دمشق: دار المأمون للتراث 1984ء) بِاب مُسْنَدُ عَائِشَةَ، ح4377 (حديث صحيح)

[3] ابن ماجة، سنن ابن ماجه، أبو عبد الله محمد بن يزيد القزويني

(دار إحياء الكتب العربية) كِتَابُ الْأَدَبِ، بَابُ الشِّعْرِ، ح3755

2- تفسیر معانی القرآن ابوزکریا یحیی بن زیاد الفراء(متوفی 207ھ)جو کہ دوسری صدی ہجری میں لکھی گئی اس میں سات سو پچاس اشعار سے استشہاد کیا گیا ہے۔

3- تفسیر غریب القرآن ازابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتيبة الدينوري (متوفی ھ 276) جو کہ دوسری صدی ہجری میں تصنیف کی گئی ہے اس میں ایک سو بیالس اشعار سے استشہاد کیا گیا ہے۔

تفسیر طبری جو کہ تیسری صدی ہجری میں تصنیف کی گئی ہے اس میں بائیس سو ساٹھ اشعار سے استشہاد کیا گیا ہے۔

5- تفسیر کشاف جو کہ چھٹی صدی ہجری میں تصنیف کی گئی ہے اس میں نو سو اشعار سے استشہاد موجود ہے۔

6- تفسیر المحرر الوجیز جو کہ چھٹی صدی ہجری میں تصنیف کی گئی ہے اس میں انیس سو اکیاسی مقامات پر استشہاد شعری کیا گیا ہے۔

7- تفسیر قرطبی میں تقریباً پانچ ہزار مقامات پر استشہاد بالشعر موجود ہے۔[1]

اس کے علاوہ بھی تقریباً تمام مفسرین نے جابجا استشہاد بالشعر کیا ہے پس معلوم ہوا کہ استشہاد بالشعر کی اہمیت اجماع مفسرین سے بھی ثابت ہے۔

---

[1] شهري، الشاهد الشعري في تفسير القرآن الكريم أهميته، وأثره، ومناهج المفسرين في الاستشهاد به، ص191

باب سوم آیات کی لغوی توضیح کیلئے استشہاد بالشعر

فصل اوّل علم قرات سے متعلق استشہاد بالشعر

فصل دوم علم دلالت سے متعلق استشہاد بالشعر

فصل سوم علم صرف سے متعلق استشہاد بالشعر

باب سوم کا تعارف

باب سوم تفسیر فتح القدیر میں لغوی معنی کی وضاحت کیلئے استشہاد بالشعر الجاہلی کا احاطہ کرتا ہے۔ بنیادی طور علم اللغۃ کی تین شاخیں ہیں؛ علم القرات یا اصوات، علم الدلالۃ اور علم الصرف۔ اسی مناسبت سے اس باب کو تین فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس کی فصل اوّل مباحث علم القرات، فصل دوم مباحث علم الدلالہ اور فصل سوم مباحث علم الصرف کا تفصیلی جائزہ پیش کرے گی۔ ان میں سے ہر ایک کی تفصیلات اپنے اپنے مقام پر آئیں گی۔

فصل اوّل: علم قرآت سے متعلق استشہاد بالشعر

علم قرآت سے مراد وہ علم ہے جسکی مدد سے قرآن کریم کے الفاظ و کلمات کو ادا کرنے کی کیفیت اور مخارج کا باتفاق یا باختلاف قراء سبعہ یا عشرہ ادراک کیا جاسکے۔ قراء سبعہ کے نام یہ ہیں۔ عبد اللہ بن عامر، ابن کثیر المکی، عاصم بن بہدلہ کوفی، ابو عمرو بصری، حمزہ کوفی، نافع مدنی اور کسائی کوفی۔ اس کے علاوہ تین یہ بھی ہیں جنکو ڈال کر انکی تعداد دس ہو جاتی ہے۔ خلف بن ہشام بزار، یعقوب بن اسحاق اور یزید بن قعقاع۔[1] ان تین قراء کی قراء تیں بھی قابل اعتماد ہیں لیکن مذکورہ قراء سبعہ سے درجہ اعتماد کچھ کم ہے۔ اس فصل میں امام شوکانی کا وجوہ قرآت کے بیان سے متعلق استشہاد بالشعر الجاہلی پیش کیا جائے گا۔ اس کا اسلوب یہ ہوگا کہ سب سے پہلے آیت اور اس کی تفسیر بیان کی جائے گی۔ اس کے بعد وہ شعر جاہلی ذکر کیا جائے گا جس سے مفسر نے استشہاد کیا ہے۔ اس کے بعد محل استشہاد بیان کیا جائے گا۔ محل استشہاد میں سب سے پہلے ترجمہ شعر ذکر کیا جائے گا۔ اور اس کے بعد اس پہ راقم الحروف کا تجزیہ پیش کیا جائے گا۔ اس تجزیہ میں باقی مفسرین کی آراء بھی پیش کی جائیں گی۔ اب ذیل میں بالترتیب وہ آیات ذکر کی جائیں گی جن میں امام شوکانی نے علم القرات سے متعلق استشہاد بالشعر الجاہلی نقل کیا ہے۔

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً﴾[2] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

صاحب تفسیر "السلم" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس کو سین کے کسرہ اور فتح دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے لیکن معنی میں کوئی فرق نہیں ہے دونوں صورتوں میں معنی ایک ہی ہے یعنی اسلام اور مسالمۃ۔ بصرہ[3] کے علماء نحو کے نزدیک بھی فتح اور کسرہ کے ساتھ معنی پر کوئی فرق نہیں آتا۔ لیکن بعض علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے ان کے

---

[1] سیوطي، جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر، الإتقان في علوم القرآن (الهيئة المصرية العامة للكتاب 1974ء)، 1/ 252،253

[2] بقرہ: 208

[3] اسکو عربی میں بصرۃ لکھا جاتا ہے۔ یہ عراق کا دوسرے نمبر پر بڑا شہر ہے۔ اسکی آبادی تقریباً چار سے پانچ ملین ہے۔ یہ صوبہ بصرہ کا دار الحکومت بھی ہے اور عراق کی اہم ترین بندر گاہ بھی ہے۔ https://ur.wikipedia.org/wiki/ اخذ شدہ بتاریخ 19 اگست، 2023

نزدیک لفظ السلم فتح کے ساتھ ہو تو وہ "مسالمت" کے معنی دے گا لیکن یہی لفظ "السلم" اگر کسرہ کے ساتھ آئے تو اسلام کے معنی دے گا۔ تمام اقوال ذکر کرنے کے بعد امام شوکانی فرماتے ہیں "السلم" کا اصل معنی "اسْتِسْلَامِ اور انْقِيَاد" یعنی خود کو بلا چوں وچرا کسی کے سپر کر دینا اوراطاعت و فرمانبرداری اختیار کر لینا ہے۔[1] مفسر نے السلم بمعنی اسلام یعنی بلا چوں و چرا فرمانبرداری اور سپردگی کے معنی کی دلیل امرؤ القیس بن عابس بن المنذر کندی[2] (متوفی 647ء) کے درج ذیل شعر جاہلی سے پیش کی ہے۔

دَعَوْتُ عَشِيرَتِي لِلسِّلْمِ لَمَّا ... رَأَيْتُهُمُ تولّوا مدبريناً[3]

ترجمہ و تجزیہ

میدان جنگ میں جب میں نے اپنے قبیلے والوں کو پیٹھ پھیر کر بھاگتے دیکھا تو میں نے ان کو (دشمن کی) اطاعت کی دعوت دی۔ اس شعر میں لفظ السلم کسرہ سین کے ساتھ استعمال ہوا ہے اور استسلام وانقیاد کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ بالکل اسی طرح آیت میں بھی یہ لفظ استسلام وانقیاد کے معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی اے یمان والوں (اللہ تعالیٰ) کی اطاعت و فرمابنرداری میں پورے پورے داخل ہو جاؤ یعنی اُس کے تمام احکامات کی بلا چوں وچرا اطاعت کرو۔ اسی طرح درج ذیل اقوال علماء بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ صاحب تفسیر فتح الرحمن فی تفسیر القرآن کا مؤقف کچھ اس طرح ہے۔ "السلم بفتح السين وكسرهايقعان للإسلام والمسالمة"۔[4] صاحب مختار الصحاح کے نزدیک "السلم" اصل میں فتح سین کے ساتھ ہے اور اس کا معنی ہے "الصلح"، لیکن یہی لفظ سین کے کسرہ کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے اور یہی لفظ مذکر بھی اور مؤنث بھی استعمال ہوتا ہے۔[5] مفسر نے تفسیر طبری کی عبارت نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ اس آیت مین لفظ "السلم" اسلام کے معنی میں یعنی اطاعت و فرمانبرداری کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔[6] خلاصہ ءکلام یہ ہوا کہ السلم اگر فتح کے ساتھ آئے گا تو باب مفاعلہ کے معنی دیگا یعنی باہمی سلامتی کو قائم کرنا اور اگر کسرہ کے ساتھ آئے گا یہ باب افعال کے معنی دے گا۔ یعنی امن دینا سلامتی دینا۔

---

[1] شوکانی، فتح القدیر: 1/ 241

[2] امرؤالقیس نام، باپ کا نام عابس تھا۔10ھ میں کندہ (حضرت موت) کے وفد کے ساتھ مدینہ آکر آنحضرت ﷺ کے دست حق پرست پر مشرف باسلام ہوئے، قبول اسلام کے بعد پھر وطن واپس چلے گئے۔ (اسد الغابہ جلد1 صفحہ 194 حصہ اول مؤلف: ابوالحسن عزالدین ابن اثیر، ناشر: المیزان، لاہور)

[3] امیل بدیع یعقوب، المعجم المفصل في شواهد العربية (دار الكتب العلمية 1996ء)، 8/ 70

[4] مقدسي، مجير الدين بن محمد، فتح الرحمن في تفسير القرآن (دار النوادر 2009ء)، 1/ 293

[5] رازي، زين الدين أبو عبد الله محمد بن أبي بكر، مختار الصحاح (بيروت: المكتبة العصرية 1999ء)، 1/ 153

[6] ابن جرير، محمد بن جرير بن يزيد، تفسير الطبري (مؤسسة الرسالة 2000ء)، 3/ 595

﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

صاحب تفسیر "قروء" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "قروء" جمع ہے "قرءٌ" کی۔ اس کی قرأت میں درجہ ذیل اقوال ہیں۔ قاری نافع[2] فرماتے ہیں یہ لفظ "قرو" یعنی واؤ مشدد کے ساتھ ہے اور جمہور قراء کے نزدیک "قرأٌ" ہمزہ کے ساتھ ہی پڑھا گیا ہے۔ اصمعی[3] وغیرہ نے "أقرات المرأة" کو "حاضت اور طهرت" دونوں معنوں میں استعمال فرمایا ہے۔ امام احفشؒ[4] فرماتے ہیں "أقرات المرأة" اس وقت بولا جاتا ہے جب عورت حیض والی ہو جائے۔ اور جب اسکو حیض آئے تو "قرأت" بلا الف بولا جاتا ہے۔ عمرو بن العلاء[5] فرماتے ہیں اہل عرب میں سے بعض حیض اور بعض طہر کو "قرأ" کا نام دیتے ہیں اور بعض دونوں کے مجموعے کو "قرأ" کا نام دیتے ہیں یعنی حیض اور طہر دونوں کے مجموعے کو "قرأ" کہتے ہیں۔ مصنف تمام اقوال ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ دراصل لغت میں " القرأ " ہمزہ کی قرات کے ساتھ بمعنی الوقت ہے۔ ایک مشہور کہاوت ہے "هَبَّتِ الرِّيَاحُ لِقُرْئِهَا وَلِقَارِئِهَا، أَيْ لِوَقْتِهَا"۔[6] امام شوکانیؒ نے "قرأ" ہمزہ کی قرات کے ساتھ بمعنی الوقت پر درجہ ذیل دلیل مالک بن الحارث ہذلی (متوفی 37ھ) کے شعر سے پیش کی ہے۔

كَرِهْتُ الْعَقْرَ عَقْرَ بَنِي شَلِيلٍ ... إِذَا هبّت لقارئها الرّياح[7]

ترجمہ و تجزیہ

جب ہوائیں (آندھیاں) اپنے (وقت) موسم میں چلیں تو بنی شلیل کے موضع کو میں نے ناپسند کیا۔ اس

---

[1] بقرہ: 228

[2] نافع بن عبد الرحمان بن ابی نعیم 70 ہجری میں پیدا ہوئے۔ ساری عمر مدینہ منورہ میں رہے۔ آپ کا شمار قراء سبعہ میں ہوتا ہے۔ آپ نے 167ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: 10/407)

[3] عبد الملک بن قریب اصمعی کا تعلق بصرہ کے مشہور علماء نحو میں ہوتا ہے۔ آپ 741ء میں بصرہ میں پیدا ہوئے اور 831ء کو بصرہ میں وفات پائی۔ آپکی مشہور کتب میں اصمعیات اور فحولۃ الشعراء شامل ہیں۔ (ذہبی، تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام: 5/597)

[4] آپ کا نام عبد الحمید بن الحمید ہے۔ آپکا عرصہ حیات 755ء سے 830ء ہے اور آپ بصرہ کے نحویوں میں سے ہیں۔ آپ اجلع تھے یعنی آپکے ہونٹ دانتوں پر منضم نہ ہوتے تھے۔ ابو عبیدہ اور سیبویہ وغیرہ نے آپ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ آپکی مشہور تصانیف میں تفسیر معانی القرآن اور الاوسط فی النحو شامل ہیں۔ (ابن خلکان، تاریخ ابن خلکان المعروف وفیات الاعیان وابناء الزمان، (کراچی، نفیس اکیڈیمی)، 2/318)

[5] ابو عمرو بن العلاء، زبان بن عمار التمیمی المزنی البصری کو العلا کا لقب ان کے والد نے دیا تھا۔ آپ کا شمار زبان وادب کے اماموں اور قراء سبعہ میں سے ہوتا ہے۔ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے، بصرہ میں پرورش پائی اور کوفہ میں وفات پائی۔ آپ کا عرصہ حیات 70ھ - 154 ہجری بمطابق 690- 771 عیسوی ہے۔ (زرکلی، اعلام: 3/41)

[6] شوکانی، فتح القدیر: 1/269

[7] شعراء الھذلیون، دیوان الہذلیین (القاھرۃ: دار القومیۃ للطباعۃ والنشر 1965ء)، 3/83 (یہ شعر الہذلی مالک بن الحارث کا ہے۔)

شعر میں لِقَارِئِهَا ہمزہ کی قرات کے ساتھ لِوَقْتِهَا کے معنی میں ہے۔[1] خلاصہ ءبحث یہ ہے کہ عرب حیض وطہر دونوں کے لئے ہمزہ والی قرات یعنی "قرءٌ" استعمال کرتے ہیں کیونکہ دونوں کا ایک مخصوص وقت ہوتا ہے۔ تو کبھی حیض اور کبھی طہر پر اس کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔

دوسرا قول

امام شوکانیؒ نے "قرءٌ "ہمزہ کے ساتھ بمعنی الطہر کا استشہاد میمون بن قیس بن جندل بن شراحیل بن عوف بن سعد بن ضُبیعہ المعروف اعشی قیس[2] (متوفی 629ء) کے درجہ ذیل شعر سے پیش کیا ہے۔

مُوَرِّثَةٍ مَالًا وَفِي الْحَيِّ رِفْعَةٌ ... لِمَا ضَاعَ فِيهَا مِنْ قُرُوءِ نِسَائِكَا[3] أَيْ أَطْهَارِهِنَّ

ترجمہ و تجزیہ

یعنی جنگیں مال کا وارث بناتی ہیں اور زندوں کو رفعت بخشتی ہیں اس لیے تو نے اپنی بیوی کا طہر اس (جنگ) کے لیے ضائع کیا۔ اس شعر میں "قرءٌ" کا لفظ ہمزہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور طہر کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

تیسرا قول

امام شوکانیؒ نے اس کا ایک اور معنی میں بھی بیان کیا ہے۔ یعنی یہ لفظ "قرء الماء فی الحوض" سے ماخوذ ہے یعنی حوض نے پانی جمع کیا۔ اور پھر اسی سے لفظ "قرآن" ہے کیونکہ یہ بہت سارے معانی کو جمع کئے ہوئے ہے۔[4] اس معنی کی دلیل عمرو بن کلثوم بن مالک بن عتاب التغلبی[5] (متوفی 584ء) کا درجہ ذیل شعر ہے۔

ذراعي عيطل عَيْطَلٍ أَدْمَاءَ بِكْرٍ ... هِجَانِ اللَّوْنِ لَمْ تَقَرَا جَنِينَا [6] ايْ لَمْ تَجْمَعْهُ فِي بَطْنِهَا

---

[1] شوکانی، فتح القدیر: 1/ 270

[2] اعشیٰ قیس دور جاہلیت کا بہت بڑا شاعر اسے اعشیٰ الاکبر بھی کہا جاتا ہے اس کو" صناجۃ العرب" کے لقب سے پکارتے تھے۔ (تاریخ ادب عربی، احمد حسن زیات، ص118)

[3] ابن عصفور، علي بن مؤمن، ضرائر الشِّعْر (دار الأندلس للطباعة والنشر والتوزيع 1980ء)، ص206 (یہ شعر اعشیٰ کا ہے۔)

[4] شوکانی، فتح القدیر: 1/ 270

[5] عمرو بن کلثوم عہد جاہلیت کا ممتاز شاعر تھا۔ جزیرہ فراتیہ میں حسب و نسب کے اعتبار سے معزز قبیلے بنو تغلب میں پرورش پائی۔ شاعر کا شمار سبعہ معلقات کے شعراء میں ہوتا ہے۔ تاریخ ادب عربی، احمد حسن زیات، ص 131

[6] عمرو بن کلثوم، دیوان عمرو بن کلثوم (دار الكتاب العربي 1996ء)، ص68

ترجمہ و تجزیہ

میرے ہاتھ ایسی خالص سفید کنواری (اونٹنی) کے خون سے معذور ہیں جو ابھی حاملہ ہی نہیں ہوئی۔یعنی ایسی خالص سفید جوان اونٹنی جو رحم میں بچہ کو جمع نہیں کئے ہوئے۔[1] "تقرأ" ہمزہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے لیکن یہ لفظ یہاں پر جمع کرنے اور اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہونے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ امام شوکانی کے بیان کردہ تمام اقوال کی تائید درج ذیل اقوال علماء سے بھی ہوتی ہے۔ صاحب لسان العرب فرماتے ہیں کہ الأَقْراءُ الحِيَضُ، والأَقْراء الأَطْهار، القَرْء اسْمٌ لِلْوَقْتُ فَلَمَّا كَانَ الحَيْضُ يَجِيء لِوقتٍ، والطُّهر يَجِيءُ لوقْتٍ جَازَ أَن يَكُونَ الأَقْراء حِيَضاً وأَطْهاراً[2] اور صاحب مختار الصحاح فرماتے ہیں کہ الْقَرْءُ بِالْفَتْحِ الْحَيْضُ وَجَمْعُهُ أَقْرَاءٌ كَأَفْرَاخٍ وَ قُرُوءٌ كَفُلُوسٍ وَ أَقْرُؤٌ كَأَفْلُسٍ. وَ الْقَرْءُ أَيْضًا الطُّهْرُ وَهُوَ مِنَ الْأَضْدَادِ. قَرَأَ الشَّيْءَ قُرْآنًا بِالضَّمِّ أَيْضًا جَمَعَهُ وَضَمَّهُ وَمِنْهُ سُمِّيَ الْقُرْآنُ لِأَنَّهُ يَجْمَعُ السُّوَرَ وَيَضُمُّهَا[3] دونوں حضرات نے اسکو ہمزہ والی قرات کے ساتھ پڑھا ہے۔ مختصر یہ کہ یہ لفظ "قرء" ہمزہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور یہ حیض وطہر دونوں کے لئے عام ہے۔ اس کے علاوہ یہ وقت کا معنی بھی دیتا ہے اور جمع کرنے کے معنی بھی دیتا ہے لیکن اس کے کسی بھی معنی کا تعین محل کلام سے ہی ہو گا۔

﴿إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

صاحب تفسیر فرماتے ہیں کہ یہاں "آتیتم" کا لفظ مد کے ساتھ ہے اور جمہور قراء کی قرأت یہی ہے کیونکہ مد کے ساتھ پڑھنے میں یہ اعطیتم کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور یہاں سیاق وسباق کے اعتبار سے معنی بھی اعطیتم ہی بنتا ہے۔ لیکن ابن کثیر نے جمہور کے ساتھ اختلاف کرتے ہوئے اس کو اتیتم قصر کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور قصر کے ساتھ اگر پڑھا جائے تو یہ فعلتم کے معنی دیگا۔[5] امام موصوف نے اس کی دلیل زہیر بن ابی سلمیٰ بن ربعیہ بن رباح مزنی[6] (متوفی 609ء) کے درج ذیل شعر جاہلی سے دی ہے۔

وَمَا كَانَ مِنْ خَيْرٍ أَتَوْهُ فَإِنَّمَا ... تَوَارَثَهُ آبَاءُ آبَائِهِمْ قَبْلُ[7]

---

[1] زَّوْزَني، أبوعبدالله حسین بن أحمد بن حسین، شرح المعلقات السبع (دار احیاء التراث العربي2002ء)، 1/ 128

[2] ابن منظور، محمد بن مکرم بن علی جمال الدین الأنصاري الإفریقی، لسان العرب (بیروت: دار صادر1414ھ)، 1/ 131

[3] رازی، مختار الصحاح: 1/ 249

[4] بقرہ: 233

[5] شوکانی، فتح القدیر: 1/ 281

[6] زہیر بن ابی سلمیٰ بن ربعیہ بن رباح مزنی 520ء میں پیدا ہوا اپنے باپ کے رشتہ داروں بنو غطفان میں پرورش پائی۔ زہیر بن ابی سلمیٰ عہد جاہلیت کا ممتاز اور صاحب دیوان شاعر تھا۔ (احمد حسن زیات، تاریخ ادب عربی، ص113)

[7] عمارۃ، السید أحمد، دراسۃ في نصوص العصر الجاهلي (مكتبۃ المتنبي)، ص 263

ترجمہ و تجزیہ

جو بھلائی بھی انہوں نے کی ہے تو یہ ان کے اباء واجداد نے اپنے اباء واجداد سے وراثت میں پائی ہے۔ یہاں پر "أَتَوْهُ" قصر کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور "فعلوه" کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی "خیر فَعَلُوه" اصل عبارت ہے۔ امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ صاحب تفسیر بغوی فرماتے ہیں کہ قَرَأَ ابْنُ كَثِيرٍ مَا آتَيْتُمْ بِقَصْرِ الْأَلْفِ، وَمَعْنَاهُ مَا فَعَلْتُمْ۔[1] اور صاحب تفسیر قرطبی فرماتے ہیں کہ مَا آتَيْتُمْ" بِمَعْنَى مَا أَعْطَيْتُمْ۔ وَقَرَأَ ابْنُ كَثِيرٍ "أَتَيْتُمْ" بِمَعْنَى مَا جِئْتُمْ وَفَعَلْتُمْ۔[2] خلاصہء کلام یہ ہے کہ مد والی قرآت کی صورت میں آیت کا معنی ہو گا جو تم (دائیوں کو معاوضہ) عطا کرو تو بھلائی کے ساتھ عطا کرو اور قصر والی قرآت کی صورت میں معنی ہو گا جو تم (دائیوں کے ساتھ) بھلائی کرو۔ مد والی قرآت کا معنی سیاق وسباق کے اعتبار سے زیادہ مناسب ہے پس راقم الحروف کی رائے میں مد والی قرآت ہی راجح ہے۔

﴿قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانی فرماتے ہیں کہ لفظ "سَوَاءٍ" عدل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ امام فراء فرماتے ہیں کے یہ لفظ سوی اور سواء دونوں طرح پڑھا جاتا ہے اور دونوں صورتوں میں عدل کا معنی دیتا ہے۔ جب سین کی حرکت فتح ہو تو یہ الف ممدودہ کے ساتھ آتا ہے اور جب سین کا اعراب کسرہ یا ضمہ ہو تو یہ الف مقصورہ کے ساتھ آتا ہے۔[4] سواء بمعنی عدل اور الف مقصورہ اور ممدودہ کے ساتھ آنے کی مثال امام شوکانی نے زہیر بن ابی سلمی بن ربعیہ بن رباح مزنی (متوفی 609ء) کے درجہ ذیل شعر جاہلی سے پیش کی ہے۔

أرُونَا سُنّةً لا عَيْبَ فيها... يُسَوِّي بَيْنَنَا فِيهَا السَّوَاءُ[5]

ترجمہ و تجزیہ

مجھے کوئی ایسا خطہ زمین دکھائیں جہاں ظلم نہ ہو۔ اس معاملے میں عدل وانصاف ہی ہمارے مابین برابری پیدا

---

[1] بغوی، أبو محمد الحسین بن مسعود بن محمد، تفسیر بغوی (بیروت: دار إحیاء التراث العربي1420ھ)، 1/312

[2] قرطبی، أبو عبد اللہ محمد بن أحمد بن أبي بکر، الجامع لأحکام القرآن (ریاض: دار عالم الکتب 2003ء)، 3/160

[3] ال عمران:64

[4] شوکانی، فتح القدیر: 1/399

[5] زہیر ابن أبي سلمی، دیوان زہیر بن أبي سلمی (بیروت: دار المعرفة)، ص15

کر سکتا ہے۔اس شعر میں لفظ السواء الف ممدودہ کے ساتھ آیا ہے اور عدل کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح آیت میں بھی عدل اور برابری کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔صاحب تفسیر راغب الأصفہانی فرماتے ہیں کہ سَوَاءٍ وسوى دونوں قراتوں کی صورت میں اس کا معنی وسط اور العدل ہے۔[1] صاحب لسان العرب فرماتے ہیں کہ السَّوِيَّةوالسَّوَاءُ (الف ممدودہ) کا معنی العَدْل ہے۔[2] مذکورہ بالا بحث سے ثابت ہوا کہ لفظ سواء، سوی دو قرآتوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے لیکن دونوں قرآتوں کی صورت میں عدل کا معنی دیتا ہے یعنی اختلاف قرآت سے یہاں معنی پہ کوئی فرق نہیں پڑتا۔

﴿وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام خلیل اور سیبویہ نے "كَأَيِّنْ" کی اصل کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ یہ دراصل "أيّ" ہے اور اس پر کاف تشبیہ داخل ہے اور کاف تشبیہ کو اس پر ثبت کر دیا گیا اور اس ترکیب کے بعد یہ کم استفہامیہ کے معنی میں ہو گیا اور مصاحف میں اسکو نون کے ساتھ لکھا جاتا ہے کیونکہ یہ ایک ایسا کلمہ ہے جس کو اپنی اصل سے منتقل کر دیا گیا ہے تو معنی کے تغیر کی وجہ لفظ کی قرآت میں تغیر کیا گیا ہے۔ اس کی مشہور چار لغات ہیں ایک لغت اس کی "كَأَيِّنْ " ہے یاء کی تشدید کے ساتھ دوسری لغت كأين یعنی کعین کی طرح ہے اس کا یاء ساکن ہے۔ تیسری لغت "كئين" یعنی ہمزہ مکسورہ کے بعد یاء ساکن ہے۔اور چوتھی لغت "كائن" جیسا کہ کاعن ہے اور اسکو ابن کثیر نے پڑھا ہے۔[4] اس چوتھی لغت کی دلیل کے طور پر امام شوکانی نے زہیر بن ابی سلمٰی بن ربعیہ بن رباح مزنی (متوفی 609ء) کا درج ذیل شعر پیش کیا ہے۔

وَكَائِنْ تَرَى مِنْ مُعْجِبٍ لَكَ شَخْصُهُ ... زِيَادَتُهُ أَوْ نَقْصُهُ فِي التَّكَلُّمِ[5]

ترجمہ و تجزیہ

کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جنکی شخصیت آپ کو پسند آئیگی لیکن انکی اچھائی یا برائی ان کے تکلم سے ظاہر ہوتی ہے۔ شعر کے شروع میں لفظ کائن بروزن کاعن استعمال ہوا ہے اور کم استفہامیہ کے معنی میں ہے۔اور یہی قرأت ابن کثیر کی بھی ہے۔ اسی طرح درج ذیل اقوال علماء بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔امام راغب فرماتے ہیں کہ

---

[1] راغب اصفہانی، أبو القاسم الحسين بن محمد، تفسير الراغب اصفہانی (جامعة طنطا: كلية الآداب 1999ء)، 2/612

[2] ابن منظور، لسان العرب: 14/412

[3] ال عمران: 146

[4] شوکانی، فتح القدیر: 1/442

[5] ابن عبد ربہ، أبو عمر شہاب الدين أحمد بن محمد، العقد الفريد (بيروت: دار الكتب العلمية 1404ھ)، 2/104

بمعنی کم، وأصله أي دخله الكاف، والنون فی آخره هو التنوین[1] صاحب تفسیر البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید فرماتے ہیں کہ کائن، علی وزن فاعل[2] خلاصہ ءکلام یہ ہے کہ لفظ کاین مذکورہ بالا چار قرآتوں کے ساتھ پڑھا گیاہے لیکن چاروں قرآتوں کی صورت میں کم استفہامیہ کا معنی دیتاہے یعنی اختلاف قرآت سے یہاں معنی پہ کوئی فرق نہیں آتا۔

﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَى أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

لفظ "حُوبًا" کی تفسیر میں مفسر فرماتے ہیں کہ "الحوب'' بمعنی "الاثم'' یعنی گناہ کے استعمال ہوتاہے، جب کوئی آدمی گناہ کرے تو عرب کہتے ہیں "حاب الرجل یحوب حوبا" اور اس کا لغوی معنی ہے اونٹ کو زجر کرنا تو گناہ کو بھی حوبا کہہ دیا جاتاہے کیونکہ اس پر سرزنش کی جاتی ہے۔ اس میں تین مشہور قراتیں ہیں۔ ایک ضمہ حاء کے ساتھ اور یہ جمہور کی قرات ہے اور امام حسن نے اس کو حاء کے فتح کے ساتھ پڑھاہے اور امام احفش فرماتے ہیں کہ یہ فتح والی قرات بنو تمیم کی ہے اور تیسری قرات "الحاب" ہے اور قاری ابی بن کعب[4] نے اس کو حابا بھی پڑھاہے مصدر کی بناء پر جس طرح قال کے مصدر کو قالا پڑھا جاتاہے۔ اور تحوب کا مطلب تحزن یعنی غمگین ہوناہے اور غمگین ہونا گناہ کا نتیجہ ہے۔[5] "تحوب" بمعنی "تحزن "کا استشہاد طفیل بن عوف بن کعب الغنوی (متوفی 609ء) کے درجہ ذیل شعر جاہلی سے کیا گیاہے۔

فَذُوقُوا كَمَا ذُقْنَا غَدَاةَ محجّر ... من الغيظ في أكبادنا والتّحوّب[6]

ترجمہ و تجزیہ

مقام محجر کی صبح جو غصے اور غم کا ذائقہ اپنے دلوں میں ہم نے چکھا تم بھی وہی ذائقہ چکھو۔ اس شعر لفظ

---

[1] راغب اصفہانی، تفسیر الراغب اصفہانی:3/896

[2] فاسي صوفي، أبو العباس أحمد بن محمد، البحر المدید في تفسیر القرآن المجید (القاهرة: الدکتور حسن عباس زكي 1419ھ) 1/417

[3] نساء:2

[4] ابی بن کعب انصاری کا نام ابی، کنیت ابو المنذر و ابو الطفیل ہے۔ آپ کاتب وحی اور ماہر قرآن ہیں۔ آپ کا تعلق مدینہ منورہ سے ہے اور آپکا سن وفات 649ء ہے۔ آپ بیعت عقبہ ثانیہ، غزوہ بدر اور دوسرے غزوات میں شامل تھے۔ آپکا شمار اسلام کے چار صف اول کے قاریوں میں ہوتاہے۔ (قاضی اطہر، خیر القرون کی درسگاہیں اور ان کا نظام تعلیم و تربیت (لاہور، ادارہ اسلامیات اکتوبر 2000ء)، ص148)

[5] شوکانی، فتح القدیر:1/482

[6] ابراھیم عوض، التذوق الأدبي (دوحة: مكتبة الثقافة)، ص8

التحوب، باب تفعل کا مصدر ہے اور یہ لفظ الغیظ پر معطوف ہے اسی لئے حالت جری میں ہے۔ اور یہاں یہ غم واندوہ کے معنی میں ہے اور اس کا قرینہ لفظ غیظ ہے اور محاورۃ بھی غم و غصہ اکٹھے استعمال ہوتے ہیں۔ علماء کرام کے درج ذیل اقوال بھی اسی معنی پہ شاہد ہیں۔ تفسیر الراغب الأصفهانی کے مصنف فرماتے ہیں کہ والحَوب الإثم لكونه مزجورًا عنه[1] یہاں اسکو حاء کے فتح کے ساتھ پڑھا گیاہے۔ تفسیر نسفی کے مصنف فرماتے ہیں کہ حُوباً كَبِيراً ای ذنبا عظيما[2] ادھر حاء کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ مذکورہ بالا بحث سے ثابت ہوا کہ لفظ حوبا مذکورہ بالا تین قرآتوں کے ساتھ پڑھا گیاہے لیکن تینوں قرآتوں کی صورت میں زجر، غصہ اور غم کا معنی دیتاہے جو کہ گناہ کا لازمی نتیجہ ہے یعنی اختلاف قرآت سے یہاں بھی معنی پہ کوئی فرق نہیں پڑتا۔

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں قراتیں "أَوْفَ اور وَفَ" جائز ہیں۔[4] دونوں لغتوں کے جائز ہونے کی دلیل طفیل بن عوف بن کعب الغنوی (متوفی 609ء) کے درج ذیل شعر سے پکڑی گئی ہے۔

أَمّا ابن طوق فَقَدْ أَوْفَى بِذِمَّتِهِ ... كَمَا وَفَّى بِقِلَاصِ النَّجْمِ حَادِيهَا [5]

ترجمہ و تجزیہ

پس ابن طوق نے اپنا فرض پورا کر دیا جسطرح اونٹوں کو ہانکنے والے نے رات کو ستارے کی سفیدی میں اپنا وعدہ پورا کیا۔ اس شعر میں شاعر نے دونوں لغتوں کو ایک شعر میں جمع کر دیا یعنی پہلے مصرعے میں اوفی مشبہ ذکر کیا اور دوسرے مصرعے میں وفی مشبہ بہ ذکر کیا گیا۔ اس سے ظاہر ہوتاہے کہ دونوں لغتوں کی صورت میں معنی ایک ہی ہے۔ امام قرطبی بھی اس قول کی تائید فرماتے ہیں[6] اور بطور دلیل سورۃ توبہ اور سورۃ نجم کی درجہ ذیل آیات پیش فرماتے ہیں يُقَالُ وَفَّى وَأَوْفَى لُغَتَانِ! قَالَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ﴾[7] وقال ﴿وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى﴾[8]

---

[1] راغب اصفہانی، تفسیر الراغب اصفہانی: 3/1083

[2] نسفي، أبو البركات عبد الله بن أحمد بن محمود، تفسير النسفي (بیروت: دار الكلم الطيب، 1998ء) 1/328

[3] مائدہ: 1

[4] شوکانی، فتح القدیر: 2/6

[5] طفیل، ابن عوف بن کعب، دیوان طفیل الغنوی، ص 64

[6] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن: 6/32

[7] توبة: 111

[8] النجم: 37

خلاصہ ءکلام یہ ہے کہ لفظ اوفی مذکورہ بالا دو قرآتوں کے ساتھ پڑھا گیاہے۔اوفی کی صورت میں یہ باب افعال سے ہو گا یعنی اپنے وعدوں کو پورا کرو اور دوسری قرآت کی صورت میں یہ باب تفعیل سے ہو گا یعنی اپنے وعدوں کو لازمی پورا کرو اس صورت میں معنی میں مبالغہ ہو گا کیونکہ یہ باب تفعیل کی خاصیت ہے۔

﴿وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

یعنی جس جانور کو نیشوں والے جانور نے چیر پھاڑ دیا ہو مثلاً شیر، چیتا، بھیڑیا یا گدھ وغیرہ نے اور یہاں مراد یہ ہے کہ جس جانور کا بعض حصہ کسی درندے نے کھالیا اور وہ جانور مر گیا ہو۔اور بعض اہل عرب تو صرف شیر کے لئے ہی السبع کا لفظ مخصوص کرتے ہیں۔عربوں کا ایک طریقہ تھا کے جب بھیڑیا کسی جانور کو پھاڑ دیتا تو وہ اس سے چھڑا کر خود کھالیتے اس کو پاک کئے بغیر۔قاری ابوالحسن وغیرہ نے اس کو باء کے سکون کے ساتھ یعنی السبع پڑھا ہے۔اور یہ اہل نجد کی لغت ہے جیسا کہ حضرت حسان بن ثابت بن منذر بن حرام (متوفی 647ء) کے اس شعر میں ہے۔[2]

مَنْ يَرْجِعِ الْعَامَ إِلَى أَهْلِهِ ... فَمَا أَكِيلُ السَّبْعِ بِالرَّاجِعِ[3]

ترجمہ و تجزیہ

جو ہر روز اپنے گھر والوں کے پاس لوٹتا ہے ایسے لوٹنے والے کو درندے کا کیا ڈر ہے۔اس شعر کے دوسرے مصرعے میں لفظ السبع باء کے سکون کے ساتھ آیا ہے اس لیے اہل نجد کی لغت کے مطابق اسکو باء کے سکون کے ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے۔امام آلوسی نے بھی اس قرآت کو نقل فرمایا ہے "السبع" بسکون الباء[4] مذکورہ بالا بحث سے ثابت ہوا کہ لفظ سبع مذکورہ بالا دو قرآتوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے لیکن دونوں قرآتوں کی صورت میں درندہ کا معنی دیتا ہے یعنی اختلاف قرآت سے یہاں معنی پہ کوئی فرق نہیں پڑا۔

﴿يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

عقدتم کو تشدید و تخفیف دونوں قرآتوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔اور اس کو عاقدتم بھی پڑھا گیا ہے۔عقد کی

---

[1] مائدہ:3

[2] شوکانی، فتح القدیر:2/12

[3] دمیری، محمد بن موسی بن عیسی، حیاۃ الحیوان الکبری (بیروت: دار الکتب العلمیۃ1424ھ)،2/118

[4] آلوسي، شھاب الدین محمود بن عبد اللہ الحسیني، روح المعاني في تفسیر القرآن العظیم والسبع المثاني (بیروت: دار الکتب العلمیۃ1415ھ):3/231

[5] مائدہ:89

دو قسمیں ہیں ایک حسی ہے جیسے رسی کو گانٹھ مارنا اور دوسری حکمی ہے جیسے عقد بیع یعنی بیع کے فیصلے کی مضبوط گرہ لگانا یا پکی قسم کھانا یا وعدہ کرنا۔ عقد کا حقیقی معنی ہے گرہ لگانا لیکن بطور مجاز پختہ عزم کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے ۔جیسا کہ عقد بیع اور عقد یمین۔ جرول بن أوس بن مالک أبو ملیکۃ العبسی المعروف الحطیئۃ[1] (متوفی 674ء) نے اپنے اس شعر میں پختہ عہد اور وعدہ کرنے کو مجازاً عقد سے تعبیر کیا ہے۔

قَوْمٌ إِذَا عَقَدُوا عَقْدًا لِجَارِهِمُ ... شَدُّوا الْعِنَاجَ وشدّوا فوقه الكربا[2]

ترجمہ و تجزیہ

وہ ایسی قوم ہے کہ جب وہ اپنے ہمسائے سے عہد کرتے ہیں تو گرہ کو مضبوط باندھتے ہیں اور اس کے اوپر بوجھ ڈال دیتے ہیں۔یعنی قوم اذا عھدو عھد الجار ھم ہے۔ اس شعر میں عقدو کا لفظ بغیر تشدید قاف کے استعمال ہوا ہے۔ پس آیت میں بھی یہ لفظ عقد بغیر تشدید کے پڑھنا جائز ہے۔ ابن منظور نے بھی عقد بمعنی معاہدہ اور میثاق بغیر تشدید کے لکھا ہے۔ العَقْد نَقِيضُ الحَلّ والمعاقَدَة المعاهَدة وَالْمِيثَاقُ[3] أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر کے مصنف فرماتے ہیں اس کا مطلب ہے تمھارا اپنے دل سے کسی چیز کے کرنے یا نہ کرنے کا عزم کرنا۔ عقدتم الأيمان عزمتم عليها بقلوبكم بأن تفعلوا أو لا تفعلوا[4] خلاصہء کلام یہ ہے کہ لفظ عقد مذکورہ بالا تین قرآتوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ عقد کی صورت میں یہ باب ضرب یضرب سے ہو گا یعنی جس چیز کا تم عزم کر لو اور تشدید والی قرآت کی صورت میں یہ باب تفعیل سے ہو گا یعنی جس چیز کا تم پختہ عزم کر لو اس صورت میں معنی میں مبالغہ ہو گا کیونکہ یہ باب تفعیل کی خاصیت ہے۔ تیسری قرآت عاقدتم کی صورت میں یہ باب مفاعلہ سے ہو گا یعنی جس معاملے کا تم باہم عزم کر لو۔

﴿وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

ابن عباس نے اس کو سین کے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے[6] اس کی دلیل درجہ ذیل شعر میں ہے۔

---

[1] جرول بن اوس بن مالک ابو ملیکہ العبسی، جس کا عرفی نام الحطیہ (متوفی 674ء) ہے، جو جزیرہ نما عرب میں بنو عبس غطفان قبیلے سے تعلق رکھنے والا ایک شاعر اور مذمت کرنے والا عرب مقرر تھا، اس نے اسلام قبول کیا، پھر چھوڑ دیا، دوبارہ پھر قبول کیا۔ اور فارس پر حملے میں حصہ لیا۔ (ثقافتی انسائیکلوپیڈیا، فرینکلن پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کارپوریشن، قاہرہ)

[2] حطیئۃ، جرول بن أوس، دیوان الحطیئۃ (مصر: مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی وأولادہ 1958ء)، ص128

[3] ابن منظور، لسان العرب: 3/297

[4] جزائري، جابر بن موسی، أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر (المدینۃ المنورۃ: مکتبۃ العلوم والحکم 2003ء): 2/7

[5] انعام: 68

[6] شوکانی، فتح القدیر: 2/146

وقدْ ينسّيكَ بعضَ الحاجةِ العجلُ[1]

ترجمہ وتجزیہ

تحقیق جلد بازی آپکو بعض ضروری کام بھی بھلا دیتی ہے۔ اس شعر میں ینسیک کو تشدید کے ساتھ پڑھا گیا ہے یعنی باب تفعیل سے ہے۔ آیت میں معروف قرات باب افعال کے ساتھ ہے لیکن ابن عباس نے اسکو باب تفعیل کے ساتھ پڑھا ہے۔ کلام عرب میں اس صیغہ کو باب تفعیل کے ساتھ پڑھنے کی مثال موجود ہے۔ تنویر المقباس میں اس طرح مذکور ہے وَإِمَّا يُنسِّيَنَّكَ الشَّيْطَانُ[2] قرطبی نے بھی اس قرات کا ذکر کیا ہے "يُنَسِّيَنَّكَ" بِتَشْدِيدِ السِّينِ عَلَى التَّكْثِيرِ[3] خلاصہ ءکلام یہ ہے کہ لفظ ینسینک مذکورہ بالا دو قرآتوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ ینسینک کی صورت میں یہ باب افعال سے ہو گا یعنی وہ تمہیں بھلائے گا اور دوسری قرآت کی صورت میں یہ باب تفعیل سے ہو گا یعنی وہ اکثر تمہیں بھلائے گا اس صورت میں معنی میں مبالغہ ہو گا یہ باب تفعیل کی خاصیت ہے۔

﴿مَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

ابو اسحاق[5] اور عاصم[6] نے اس کو بغیر الف کے تشدید کے ساتھ (مَحْيَيَّ) پڑھا ہے۔[7] اور یہ قبیلہ مضر کی لغت ہے۔ جیسا کہ ہذلی[8] کے درجہ ذیل شعر میں ہے۔

سَبَقُوا هَوَيَّ وَأَعْنَقُوا لِهَوَاهُمُ ... فَتُخُرِّمُوا وَلِكُلِّ جَنْبٍ مَصْرَعُ[9]

---

[1] رانیھرَت فَایبَرت، دیوان الراعي النميري (بیروت: دار النشر فرانتس شتاینز 1980ء)، ص197

[2] ابن عباس، عبد اللہ بن عباس رضي اللہ عنھما، تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس (لبنان: دار الکتب العلمیۃ)، ص112

[3] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن: 7/13

[4] انعام: 162

[5] ابو اسحٰق سبیعیؒ تابعین میں سے ہیں۔ عمرو آپکا نام تھا اور ابو اسحٰق اپکی کنیت تھی۔ آپکا سن وفات 128ھ بمقام کوفہ بیان کیا گیا ہے۔ آپ قرآن کے مشہور قاری تھے۔ ہمعصر اصحاب ان کو عمراء القاری کہتے تھے۔ ابن سعد: 6/219

[6] آپکا پورا نام عاصم بن ابی النجود الکوفی ہے لیکن آپکو عاصم الکوفی بھی کہا جاتا ہے۔ آپکا شمار مشہور قراء سبعہ میں سے ہوتا ہے قرآت میں آپکے استاد زر بن جیش الکوفی اور ابو عبد الرحمن السلمی ہیں۔ آپ کا شمار حضرت عثمان ذوالنورین کا دفاع کرنیوالوں میں ہوتا ہے۔ آپکا وصال 127ھ یا 128ھ میں ہوا۔ محمد احمد مفلح القضاۃ، احمد خالد شکری، محمد خالد منصور، مقدمات فی علم القراءات (الاردن، دار عمان)

[7] شوکانی، فتح القدیر: 2/210

[8] ابو خراش خویلد بن مرہ القردی الھذلی ایک مخضرم شاعر ہیں۔ اسلام قبول کر کے ایک اچھے مسلمان بن گئے۔ عمر بن الخطاب کے دور خلافت میں سانپ کے ڈسنے سے انتقال ہوا۔ (ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب، مکتبہ دار الجیل: بیروت ج۔4، ص، 1638)

[9] شعراء ہذلیون، دیوان الھذلیین: 1/2

ترجمہ و تجزیہ

انہوں نے میری خواہشات پر قابو پالیا اور اپنی خواہشات سے آزاد ہو گئے تو وہ کاٹ دیئے گئے اور ہر طرف موت چھا گئی۔ اس شعر میں ھوای کو الف کے حذف کے ساتھ تشدید کے ساتھ هَوَيَّ پڑھا گیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اس لفظ کو عربوں کے ہاں حذف الف کے ساتھ پڑھنا جائز ہے۔ تفسیر قرطبی میں بھی بغیر الف تشدیدی والی لغت مذکور ہے "مَحْيَيَّ" بِتَشْدِيدِ الْيَاءِ الثَّانِيَةِ مِنْ غَيْرِ أَلِفٍ، وَهِيَ لُغَةُ عُلْيَا مُضَرَ يَقُولُونَ قَفَيَّ وَعَصَيَّ[1]-مذکورہ بالا بحث سے ثابت ہوا کہ لفظ محیای مذکورہ بالا دو قرآتوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے لیکن دونوں قرآتوں کی صورت میں مصدر میمی زندہ رہنے کا معنی دیتا ہے یعنی اختلاف قرآت سے یہاں معنی پہ کوئی فرق نہیں پڑتا۔

﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ﴾[2] **میں استشہاد بالشعر الجاہلی** خَلْفٌ سے مراد اولاد ہے اس کی واحد اور جمع اسی وزن پر آتی ہیں۔ اس کو لام کے فتح و سکون دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ ابن الاعرابی[3] کا قول ہے کہ الخلف لام کے فتح کے ساتھ ہو تو مطلب ہے صالح اور اگر لام کے سکون کے ساتھ ہو تو مطلب ہے طالح۔[4] خلف لام کے سکون کے ساتھ بمعنی طالح اولاد کا استشہاد ابو عقیل لبید بن ربیعہ عامری (متوفی 661ء) کے درجہ ذیل شعر سے کیا گیا ہے۔

ذَهَبَ الَّذِينَ يُعَاشُ فِي أَكْنَافِهِمْ ... وَبَقِيتُ فِي خَلْفٍ كَجِلْدِ الْأَجْرَبِ[5]

ترجمہ و تجزیہ

وہ لوگ چلے گئے جنکے اطراف میں زندگی گزاری جاتی ہے اب پیچھے انکی اولاد کی مثال جراب کے چمڑے کی سی ہے۔ اس شعر میں خلف لام کے سکون کے ساتھ آیا ہے اور اس کا مطلب ہے برے جانشین جنکو جراب کے چمڑوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اس طرح آیت میں بھی خلف لام کلمہ کے سکون کے ساتھ آیا ہے اور اس سے مراد برے جانشین ہیں۔ صاحب لسان فرماتے ہیں کہ "لَا يكونُ الخَلَفُ إِلَّا مِنَ الأَخْيارِ، قَرْناً كَانَ أَو وَلَداً، ولا

---

[1] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن:7/153

[2] اعراف:169

[3] ابن الأعرابي کا اصلی نام ابو عبد اللہ محمد بن زیاد بن الأعرابي الھاشمي ہے۔ آپ لغت کے مشہور امام گزرے ہیں۔ آپ کا سن پیدائش 150ھ ہے اور سن وفات 231ھ ہے۔ تفسیر الأمثال اور النوادر آپکی مشہور تصنیفات میں شامل ہیں۔ (أبو عبد اللہ بن الأعرابي https://ar.wikipedia.org/wiki 13 اگست، 2023)

[4] شوکانی، فتح القدیر:2/296

[5] لَبِيد، ابن ربيعة بن مالک، ديوان لبيد بن ربيعة العامري (دار المعرفة 2004ء)، ص24

يكونُ الخَلْفُ إلا مِنَ الأَشرارِ"[1] صاحب ایسر التفاسیر فرماتے ہیں کہ" الخلف بإسكان اللام خلف سوء وبالتحريك خلف خير"[2] مذکورہ بالا بحث سے ثابت ہوا کہ لفظ خلف کو مذکورہ بالا دو قرآتوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے ۔سکون لام کے ساتھ برے جانشین اور لام کے فتح کے ساتھ اس سے مراد اچھے جانشین ہوں گے۔

﴿فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ أَنُلْزِمُكُمُوهَا وَأَنْتُمْ لَهَا كَارِهُونَ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام فراء نے "أَنُلْزِمْكُمُوهَا" کو میم اول کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے بطور تخفیف قاعدہ تخفیف کے تحت۔[4] جیسا کہ امرُؤُالقَيس (متوفی 545ء) کے اس شعر میں ہے۔

فَالْيَوْمَ أَشْرَبْ غَيْرَ مُسْتَحْقِبٍ ... إِثْمًا مِنَ اللهِ وَلَا وَاغِلِ[5]

ترجمہ و تجزیہ

آج میں شراب پیتا ہوں۔ اللہ کے ہاں گناہ کا ارتکاب کئے بغیر اور شراب خانے میں داخل ہوئے بغیر۔ اشرب کی باء کا سکون قاعدہ تخفیف کے تحت ہے۔ اس طرح انلزم کی میم کا سکون بھی تخفیفا ہے۔ تفسیر رازی و قرطبی نے بھی تخفیف والی قرات نقل فرمائی ہے۔"أَنُلْزِمْكُمُوهَا" بِإِسْكَانِ الْمِيمِ الْأُولَى تَخْفِيفًا"[6] "أَجَازَ الْفَرَّاءُ إِسْكَانَ الْمِيمِ الْأُولَى "[7]۔ لیکن یہاں اختلاف قرآت معنی پہ فرق نہیں ڈالتی۔

﴿وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ﴾[8] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

هَيْتَ کو ابو عمرو، عاصم اور حمزہ[9] نے ھا اور تاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور یاء کے سکون کے ساتھ۔ ابن ابو اسحاق نحوی نے اسکو ھاء کے فتح اور تاء کے کسرہ کے ساتھ "هيتِ" پڑھا ہے۔ اور ابن کثیر نے اسکو ھاء کے فتح اور

---

[1] ابن منظور، لسان العرب:9/84

[2] جزائری، أيسر التفاسير لكلام العلي الكبير:2/257

[3] هود:28

[4] شوکانی، فتح القدیر:2/561

[5] علي الجندي، في تاريخ الأدب الجاهلي (مكتبة دار التراث 1991ء)، ص150

[6] قرطبی، الجامع لأحكام القرآن:9/26

[7] رازی، أبو عبد الله محمد بن عمر، مفاتيح الغيب (بیروت: دارا حیا1420ھ)، 17/338

[8] یوسف:23

[9] آپکا اصلی اسم گرامی حمزہ بن حبیب بن عمارہ بن اسماعیل ہے۔ آپ کا تعلق کوفہ سے ہے۔ آپکا عرصہ حیات 80ھ سے لیکر 156ھ تک ہے۔ آپکا شمار قرآن پاک کے مشہور قراء سبعہ میں ہوتا ہے۔(سید قاسم محمود، مکمل اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ص817)

تاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور بطور استشہاد درج ذیل شعر پیش کیا ہے۔ لیکن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس کی قرات میں جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں ہے یہ تو عربوں کے قول ھلم، تعال کی طرح اسم فعل ہے۔[1] جیسے طرفہ بن العبد[2] (متوفی 569ء) نے اس شعر میں کیا ہے۔

لَيْسَ قَوْمِي بِالْأَبْعَدِينَ إِذَا مَا ... قَالَ دَاعٍ مِنَ الْعَشِيرَةِ هَيْتِ[3]

ترجمہ و تجزیہ

میرے لوگ زیادہ دور نہیں ہوتے جب بھی قبیلے کا کوئی پکارنے والا کہتا ہے کہ آؤ۔ اس شعر میں شاعر نے ھیت اسم فعل کو ھیت یعنی تاء کے ضمہ اور ھاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ تفسیر مجاہد نے اس کو ھلم کے معنی میں اسم فعل جانا ہے۔[4] هِيَ كَلِمَةٌ عَرَبِيَّةٌ يَدْعُونَ بِهَا أَيْ هَلُمَّ لَكَ فَدَعَتْهُ بِهِ[5] لسان العرب میں ضمہ، کسرہ اور فتح کے ساتھ تینوں قراتیں مذکور ہیں لیکن معروف تاء کے فتح کے ساتھ والی ہے۔ قِيلَ هَيْتُ لَكَ، وهَيْتِ، بِضَمِّ التَّاءِ وَكَسْرِهَا؛ قَالَ الزَّجَّاجُ[6] وأَكثرها هَيْتَ لَكَ، بِفَتْحِ الْهَاءِ وَالتَّاءِ[7]۔ مذکورہ بالا بحث سے ثابت ہوا کہ لفظ "ہیت" مذکورہ بالا تین قرآتوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے لیکن ترجیح اسی قول کو حاصل ہے جو عام قرات یعنی روایت ابو حفص کے مطابق معروف ہے اور اکثر قراء نے اس کو ھیت یعنی تاء کے فتح کے ساتھ ہی پڑھا ہے۔ اختلاف قرآت سے یہاں معنی پہ کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ یہ اسم فعل ہے اور ہر صورت بمعنی تعال ہی استعمال ہو گا۔

---

[1] شوکانی، فتح القدیر: 20/3

[2] طرفہ بن العبد عرب کے مشہور قبیلہ بکر بن وائل سے تعلق رکھتا تھا۔ طرفہ بن العبد پانچ سو تینتالیس (543) عیسوی کے آس پاس بکری باپ اور غیر بکری ماں کے ہاں پیدا ہوا۔ اس کا شمار اہل عرب کے شعراء کے پہلے طبقہ میں ہوتا تھا۔ (ابوعبد اللہ حسین بن احمد الزوزنی، شرح معلقات السبع، مطبوعۃ: دار احیاء التراث العربي، بیروت، لبنان، 2002م، ص: 8)

[3] بابستي، عزیزۃ فوّال، المعجم المفصل في النحو العربي (دار الکتب العلمیّۃ 1413ھ-)، 708/2

[4] فاسی صوفی، البحر المدید في تفسیر القرآن المجید: 586/2

[5] مجاهد، تفسير مجاهد (مصر: دار الفكر الإسلامي الحديثة، 1989ء)، ص 394

[6] آپ کا عرصہ حیات 241ھ - 311 ہجری بمطابق 855- 923 عیسوی ہے۔ ابو اسحاق الزجاج، ابراہیم بن السری بن سہل نحو اور لغت کے استاد ہیں۔ آپ کی پیدائش اور وفات بغداد میں ہوئی۔ آپ نے نحو امام مبرد سے پڑھی۔ عبید اللہ بن سلیمان، عباسی وزیر نے اپنے بیٹے القاسم کے لیے بطور استاد آپ کی خدمات حاصل کیں۔ آپ کی کتابوں میں سے معاني القرآن اور إعراب القرآن کو مفسرین کے ہاں قبول عام حاصل ہے۔ (زرکلی، اعلام: 40/1)

[7] ابن منظور، لسان العرب: 105/2

﴿رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

رُبَمَا کو قاری نافع اور قاری عاصم نے تو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے جیسا کہ قرات مشہورہ میں ہے لیکن باقی قراء نے اسکو تشدید باء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور یہ دو لغتیں ہیں اس میں ابو حاتم رازی [2] نے فرمایا ہے کہ اہل حجاز کی لغت کے مطابق یہ تخفیف باء کے ساتھ ہی پڑھا گیا ہے۔[3] امام شوکانی کا موقف بھی یہی ہے۔ اور اس کی تائید عدی بن رعلاء کا درجہ ذیل شعر کرتا ہے۔

رُبَمَا ضَرْبَةٍ بِسَيْفٍ صَقِيلٍ ... بَيْنَ بُصْرَى وَطَعْنَةٍ نَجْلَاءَ [4]

ترجمہ و تجزیہ

کتنے ہی ایسے زخم ہیں جو چمکتی تلوار اور گھائل کر دینے والے نیزے کے ساتھ آنکھوں کے درمیان لگے۔ اس شعر میں شاعر نے ربما تخفیف باء کے ساتھ اہل حجاز کی لغت کے مطابق یعنی قرات مشہورہ کے مطابق پڑھا ہے۔ رب میں اصل تو یہ ہے کہ یہ قلیل وقت کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن کبھی کبھار یہ کثیر وقت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ کوفیوں کے نزدیک آیت کا مطلب ہے کفار اکثر اوقات پسند کریں گے یا تمنا کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔[5] اس کا استشہاد اعشیٰ قیس[6] (متوفی 629ء) کے درجہ ذیل شعر سے کرتے ہیں۔

رُبَّ رَفْدٍ هَرَقْتَهُ ذَلِكَ الْيَوْ ... مَ وَأَسْرَى مِنْ مَعْشَرٍ أَقْيَالِ [7]

---

[1] حجر:1

[2] آپ کا عرصہ حیات 195-277 ہجری بمطابق 810-890 عیسوی ہے۔ آپ کا پورا اسم گرامی محمد بن ادریس بن المنذر ابن داؤد، ابن مہران الحنظلی، اپکی کنیت ابو حاتم ہے۔ جناب رازی حافظ حدیث تھے اور امام بخاری و مسلم کے ہم عصر ہیں رے میں پیدا ہوئے اور بغداد میں وفات پائی۔ آپ کی مشہور تفسیر، تفسیر قرآن عظیم کے نام سے موسوم ہے۔ (زرکلی، اعلام:6\27)

[3] شوکانی، فتح القدیر:3/145

[4] شُرَّاب، محمد بن محمد حسن، شرح الشواہد الشعریۃ فی أمات الکتب النحویۃ (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ 2007ء)، 1/72

[5] شوکانی، فتح القدیر:3/145

[6] ابو بصیر میمون بن قیس البکری معروف بہ اعشیٰ الاکبر 530ء میں یمامہ میں منفوحہ کے مقام پر متولد ہوا۔ اعشیٰ قیس دور جاہلیت کا بہت بڑا شاعر اسے اعشیٰ الاکبر بھی کہا جاتا ہے اس کو " صناجۃ العرب " کے لقب سے پکارتے تھے۔ 629ء کو اس نے جب نبی اکرم ﷺ کی نبوت کا سنا تو آپ کی شان میں مدحیہ قصیدہ کہا اور آپ سے ملاقات کے لیے حجاج کا رخ کیا۔ قریش نے بطور لالچ اس کے لیے سو اونٹ اکھٹے کیے تو اعشی وہ لے کر آپ ﷺ سے ملاقات کئے بغیر ہی واپس چلا گیا۔ جب یمامہ کے قریب ہوا تو اونٹنی سے گرا اور اونٹنی نے اس کی گردن کچل دی۔ (معجم الشعراء، مؤلف: امام ابی عبید اللہ محمد المرزبانی)

[7] اعشی، دیوان اعشی: ص63

ترجمہ و تجزیہ

اس دن معاونین کی اکثریت کو تونے منتشر کر دیا اور زیادہ باتیں کرنے والے گروہ کو قیدی بنالیا۔ اس میں رب تشدید کے ساتھ بمعنی اکثر کے استعمال ہوا ہے۔ اس طرح تفسیر بحر المدید میں لکھا ہے کہ رب حرف جر ہے جو غالبا قلت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے البتہ اس میں تخفیف والی لغت بھی ہے۔ رُب حرف جر، تدل على التقليل غالباً. وفيهالغات التخفيف[1] صاحب تفسیر وسیط بھی یہی موقف اختیار کرتے ہیں کہ قاری نافع اور عاصم نے اسکو تخفیف باء کے ساتھ پڑھا ہے اور باقیوں نے شد کے ساتھ اور اس میں اصل یہ ھیکہ یہ قلت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے لیکن کبھی کثرت کا معنی بھی دیتا ہے۔قرأ نافع وعاصم بتخفيف الباء من رُبَما، وقرأ الباقون بتشديدها.. وأصلها أن تستعمل في القليل وقد تستعمل في الكثير[2] خلاصہ ءکلام یہ ہے کہ لفظ ربما مذکورہ بالا دو قرآتوں کے ساتھ پڑھا گیاہے لیکن راجح قرآت تخفیف والی ہے۔ معنی دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔

﴿أَيُمْسِكُهُ عَلَى هُونٍ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

اسکو ھون اور ھوان دونوں طرح پڑھا گیاہے اور ھون سے مراد بلاء اور مشقت ہے۔[4] اس کی نظیر حضرت خنساء، تماضر بنت عمرو السلمیہ (متوفی 645ء) کا یہ شعر جاہلی ہے۔

نُهِينُ النُّفُوسَ وَهَوْنُ النُّفُو ... سِ يَوْمَ الْكَرِيهَةِ أَبْقَى لَهَا[5]

ترجمہ و تجزیہ

ہم نفوس کو مشقت میں ڈالتے ہیں اور جنگ کے دن والی مصیبت نفوس کے لئے ہمیشہ رہ جانیوالی ہے۔ شعر میں بھی ھون والی قرآت کے ساتھ پڑھا گیاہے۔ اور مشقت اور بلاء کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ پس معلوم ہوا آیت میں بھی یہ قرآت اسی معنی میں استعمال ہوئی ہے۔ لسان العرب کے مطابق بھی یہ ھون والی قرات کے ساتھ پڑھا گیا ہے ۔اس کا مطلب سختی تکلیف اور مصیبت ہے۔.أَصابه هُونٌ شَدِيدٌ أَي شِدَّةٌ ومضَرَّة وعَوَزٌ[6]

---

[1] فاسی صوفی، البحر المديد في تفسير القرآن المجيد: 3/77

[2] مجموعة من العلماء، التفسير الوسيط للقرآن الكريم (القاهرة: دار نهضة 1993ء)، 8/11

[3] نحل: 59

[4] شوکانی، فتح القدیر: 3/204

[5] خنساء، تماضر بنت عمرو السلمية، ديوان الخنساء (بیروت: دار المعرفة 2004ء)، ص100

[6] ابن منظور، لسان العرب: 13/439

تفسیر البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید کے مطابق اس کا معنی ہے یترکه عنده علی ذل وهوان[1] خلاصہ بحث یہ ہے کہ لفظ "ہون" مذکورہ بالا دو قرآتوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے لیکن راجح قرآت بغیر الف والی ہے۔ معنی دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔

﴿نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ﴾[2] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

اہل مدینہ اور عاصم (متوفی 128ھ) نے اس کو ن کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور باقیوں نے اور قاری حفص[3] نے اس کو ن، علامت مضارع کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ دونوں لغتیں صحیح ہیں۔[4] ابو عقیل لبید بن ربیعہ عامری (متوفی 661ء) نے بھی اس کی تائید کی ہے۔

سَقَى قَوْمِي بَنِي مَجْدٍ وَأَسْقَى ... نُمَيْرًا وَالْقَبَائِلَ مِنْ هِلَالِ[5]

ترجمہ و تجزیہ

میری قوم نے مجد (بزرگی) کی اولاد کو پلا دیا اور ان کو وافر مقدار میں پلایا۔ اس شعر میں سقی اور اسقی دونوں قراتیں جمع کی گئی ہیں پس معلوم ہوا دونوں قراتیں درست ہیں اور استعمال ہوتی ہیں۔ تفسیر قرطبی اور رازی میں بھی اس کی دونوں قراتیں مذکور ہیں۔ هُمَا لُغَتَانِ[6] فقرءوا بِاللُّغَتَيْنِ[7] خلاصہ بحث یہ ہے کہ لفظ "نسقیکم" مذکورہ بالا دو قرآتوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے فتح کی صورت میں یہ سقیٰ یسقی سے جمع متکلم کا صیغہ ہو گا لیکن ضمہ کی صورت میں یہ اسقی یسقی باب افعال سے جمع متکلم کا صیغہ ہے لیکن راجح قرآت علامت مضارع کے ضمہ والی ہے۔ علامت مضارع کے فتح کے ساتھ یہ ضرب یضرب سے ہو گا اور معنی ہو گا پلانا لیکن باب افعال کی صورت میں معنی ہو گا کثرت سے پلانا کیونکہ باب افعال مبالغہ اور کثرت ماخذ کا معنی دیتا ہے۔

---

[1] فاسی صوفی، المدید فی تفسیر القرآن المجید: 3/138

[2] نحل: 66

[3] آپکا پورا اسم گرامی ابو عَمرو حفص بن سلیمان بن المغیرۃ بن ابی داوٗد الاسدی ہے آپ کا تعلق کوفہ سے ہونیکی وجہ سے آپکو حفص الکوفی کہا جاتا ہے۔ آپ کا عرصہ حیات 90–180 ہجری ہے۔ آپ مشہور قاری قرآن اور اپنے استاد عاصم سے جو قرات آپ نے روایت کی ہے وہی عالم اسلام میں روایت حفص کے نام سے سب سے زیادہ مقبول ہے۔ ابن جزری، غایۃ النھایۃ فی طبقات القراء، دار الکتب العلمیۃ، ج1، ص254)

[4] شوکانی، فتح القدیر: 3/208

[5] لَبید، دیوان لبید بن ربیعۃ العامري، ص71

[6] قرطبی، تفسیر القرطبی: 10/123

[7] رازی، مفاتیح الغیب: 19/135

﴿وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ جُلُودِ الْأَنْعَامِ بُيُوتًا تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

لفظ الظعن کو عین کے فتح اور سکون دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ دونوں قرآتوں کی صورت میں الظعن کا مطلب ہے بدوؤں کا گھاس اور بارش کے جمع شدہ پانی کی جگہ کی طرف سفر کرنا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف پھرنا۔[2] عین کے فتح والی قرات کا استدلال عنترہ بن شداد بن العبسی المصری (متوفی 608ء) کے درجہ ذیل شعر جاہلی سے کیا گیا ہے۔

ظَعَنَ الَّذِينَ فِرَاقُهُمْ أَتَوَقَّعُ ... وَجَرَى بِبَيْنِهِمُ الْغُرَابُ الْأَبْقَعُ[3]

ترجمہ و تجزیہ

جن کی جدائی کی توقع کر رہا تھا انہوں نے رخت سفر باندھ لیا اور ان کے درمیان بگا کوا (گھوڑا) چلا۔ ظعن کا لفظ عین کے فتح کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور ارتحال اور سفر کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور اسی معنی میں قرآن نے اس کو لفظ کو ذکر کیا ہے۔ اس طرح تفسیر رازی میں یہ لفظ "ظعن" عین کے سکون کے ساتھ مذکور ہے اور اس کا معنی بدوؤں کا پانی والی جگہ یا چراگاہ کی تلاش میں سفر کرنا لکھا ہے۔[4] أَنَّ الظَّعْنَ سَيْرُ الْبَادِيَةِ لِنُجْعَةٍ، أَوْ حُضُورِ مَاءٍ، أَوْ طَلَبِ مَرْتَعٍ[5]۔ خلاصہء بحث یہ ہے کہ لفظ "ظعن" مذکورہ بالا دو قرآتوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے لیکن راجح قرآت عین کے سکون والی ہے۔ معنی دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔

﴿إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

جمہور قراءنے "خِطْئًا" کو خاء کے کسرہ اور طاء کے سکون اور ہمزہ مقصورہ کے ساتھ پڑھا ہے اور ابن عامر نے اس کو "خَطَأً" پڑھا ہے یعنی خاء اور طاء پر فتح اور ہمزہ مقصورہ۔ جب آدمی گناہ کرے تو عرب کہتے ہیں "خطیء في ذنبه خطأ"۔ جب کوئی خطا کے راستے پر چلے چاہے عمدا ہو یا غیر عمدا اس کے لئے عرب "أَخْطَأَ" کا لفظ باب افعال کے

---

[1] نحل:80

[2] شوکانی، فتح القدیر:3/220

[3] عنترة، ابن شداد بن عمرو بن معاویة، دیوان عنترة بن شداد، ص115

[4] جزائری، أيسر التفاسير لكلام العلي الكبير:3/144

[5] رازی، مفاتیح الغیب:20/253

[6] بنی اسرائیل:31

ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ امام شوکانی نقل فرماتے ہیں کہ "خطیء یخطأ خِطئًا"جب جان بوجھ کر خطا کرے اور " وأخطأ، إخطاء وخطأ "جب غلطی سے خطا ہو جائے۔[1] اس کا استشہاد امام شوکانی نے اَوس التمیمی[2] کے درجہ ذیل شعر جاہلی سے کیا ہے۔

دعيني إنما خطئي وصَوْبي ... عليّ وإنَّ ما أنفقتُ مالُ[3]

ترجمہ و تجزیہ

مجھے چھوڑ دو میری غلطی اور ثواب کا بدلہ میرے اوپر ہی ہے اور جو مال میں ہلاک کرتا ہوں۔ اس شعر میں "خطئی "کو خاء کے کسرہ اور طاء کے سکون اور ہمزہ مقصورہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ بعض نے اسکو خاء کے فتحہ اور طاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس لئے اس کو خاء کے فتح اور کسرہ دونوں کے ساتھ پڑھنا جائز ہے۔ تفسیر رازی میں بھی اسکو خاء کے کسرہ اور طاء کے سکون اور ہمزہ مقصورہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے "خِطْئًا كَبِيرًا" أي إثما كبيرا اوراسکو بڑے گناہ کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ جب یہ باب افعال سے آئے تو اس کا مطلب ہے بغیر قصد کے غلطی کا سرزد ہونا۔[4] صاحب تفسیر قرطبی نے اس کی دو قراتیں لکھی ہیں ایک خاء کے کسرہ اور دوسری خاء کے فتح کے ساتھ اور یہ "خَطِئَ" سے ماخوذ ہے اور اس کا مطلب ہے عمداً گناہ کرنا۔ "خِطْأً وخَطَأً"وَهَاتَانِ قِرَاءَتَانِ مَأْخُوذَتَانِ مِنْ" خَطِئَ" إِذَا أَتَى الذَّنْبَ عَلَى عَمْدٍ[5] خلاصہ ءبحث یہ ہے کہ لفظ "خطئا" مذکورہ بالا دو قرآتوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے لیکن راجح قرآت خاء کے کسرہ والی ہے۔ معنی دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنى﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

لفظ "الزِّنى "میں دو لغات ہیں یعنی اسکو دو طریقوں سے پڑھا گیا ہے قصر یعنی الف مقصورہ کے ساتھ جس طرح آیت میں ہے اور یہ الف ممدودہ کے ساتھ بھی آتا ہے یعنی الزناء۔[7] جیسا کہ نابغہ جعدی (متوفی 670ء) کے اس

---

[1] شوکانی، فتح القدیر: 3/265

[2] اوس بن حجر بن مالک الاسدی التمیمی (530-620 عیسوی) حکیم العرب کہلاتے تھے، زمانہ جاہلیت میں تمیم کے عظیم شاعروں میں سے ایک تھے۔ اوس ، ام زہیر بن ابی سلمہ کے شوہر تھے۔ ان کا زیادہ تر قیام حیرہ میں عمرو بن ہند کے ساتھ رہا۔ (خیر الدین زرکلي دار العلم، بیروت ج، 2، ص، 31)

[3] انباری، أبو بکر محمد بن القاسم بن بشار، شرح القصائد السبع الطوال الجاھلیات (دار المعارف)، ص522

[4] رازی، الغیب: 20/331

[5] قرطبی، تفسیر القرطبی: 10/252

[6] بنی اسرائیل: 32

[7] شوکانی، فتح القدیر، 3/265

شعر میں آیا ہے۔

كَانَتْ فَرِيضَةُ مَا تَقُولُ كَمَا ... كَانَ الزِّنَاءُ فَرِيضَةَ الرَّجْمِ[1]

ترجمہ و تجزیہ

تمہاری قوم نے اس کو لازم کر دیا جس طرح زناء رجم کو لازم کر دیتا ہے۔ اس شعر میں لفظ الزناء الف ممدودہ کے ساتھ آیا ہے جو کہ دوسری لغت ہے۔ تفسیر ایسر التفاسیر نے بھی مد اور قصر دونوں کے ساتھ اس کی قرات لکھی ہے۔ "والزنی یمدّ ویقصر لغتان"[2]۔ پس معلوم ہوا کہ لفظ "زنی" مذکورہ بالا دو قرآتوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے لیکن راجح قرآت الف مقصورہ والی ہے۔ معنی دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔

---

[1] ابن عصفور، ضرائر الشِّعر: ص270

[2] جزائري، أيسر التفاسير لكلام العلي الكبير: 3/191

فصل دوم: علم دلالت سے متعلق استشہاد بالشعر

علم دلالت سے مراد وہ علم ہے جو کلمہ کے لغوی معنی کا ادراک کرنے میں مدد و معاون ہوتا ہے۔ اس فصل میں امام شوکانی کا علم دلالت سے متعلق استشہاد بالشعر الجاہلی پیش کیا جائے گا۔ اس کا اسلوب یہ ہوگا کہ سب سے پہلے آیت اور اس کی تفسیر بیان کی جائے گی۔ اس کے بعد وہ شعر جاہلی ذکر کیا جائے گا جس سے مفسر نے استشہاد کیا ہے۔ اس کے بعد محل استشہاد بیان کیا جائے گا۔ محل استشہاد میں سب سے پہلے ترجمہ شعر ذکر کیا جائے گا۔ اور اس کے بعد اس پہ راقم الحروف کا تجزیہ پیش کیا جائے گا۔ اس تجزیہ میں باقی مفسرین کی آراء بھی پیش کی جائیں گی۔ اب ذیل میں بالترتیب وہ آیات ذکر کی جائیں گی جن میں امام شوکانی نے علم دلالت سے متعلق استشہاد بالشعر الجاہلی نقل کیا ہے۔

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانی فرماتے ہیں کہ مختار الصحاح میں ہے کہ "ربٌّ" اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور یہ لفظ اللہ کے سوا بغیر اضافت کے کسی کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔[2] اور لفظ رب بمعنی معبود بھی استعمال ہوتا ہے۔ امام شوکانی نے اس کی دلیل عباس بن مرداس بن ابی عامر[3] (متوفی 639ء) کے درجہ ذیل شعر جاہلی سے پکڑی ہے۔[4]

أرب يبول الثعلبان برأسه ...لقد ذل من بالت عليه الثعالب[5]

ترجمہ و تجزیہ

کیا معبود ایسا ہوتا ہے کہ اس کے سر کے اوپر دو لومڑ پیشاب کریں۔ تحقیق وہ (معبود) ذلیل و خوار ہے جس پر لومڑ پیشاب کریں۔ اس شعر میں لفظ رب معبود کے معنی میں استعمال ہوا ہے کیونکہ قبیلہ بنی ثعلب اس بت کی عبادت کیا کرتا تھا جس کے لیے رب کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ امام دمیری نے حیاۃ الحیوان الکبری میں ابو حاتم الرازی کے حوالہ سے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ قبیلہ بنی ثعلب کا ایک بت تھا جس کی وہ عبادت کرتے تھے۔ ایک دن اچانک دو لومڑ تیزی سے آئے اور ٹانگیں اٹھا کر بت کے اوپر پیشاب کرنے لگے۔ اس بت کا غاوی بن ظالم نامی ایک مجاور تھا

---

[1] فاتحہ: 1

[2] رازی، مختار الصحاح: 1/116

[3] عباس بن مرداس السلمی، عرفی نام ابو الہیثم تھا۔ آپ ایک فارسی صحابی، مخضرم شاعر اور اپنی قوم، بنو سلیم کے رہنماؤں میں سے تھے۔ عباس بن مرداس نے بصرہ کے صحرا میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ آپ کا وصال 639ء میں ہوا۔ (مزي. تهذيب الكمال في أسماء الرجال ج5، ص.230)

[4] شوکانی، فتح القدیر: 1\25

[5] عباس بن مرداس، في ملحق دیوان عباس بن مرداس، ص 151

اس نے جب یہ ماجرا دیکھا تو مذکورہ شعر کہا اور بت کو توڑ دیا اور سیدھا نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا۔ آپ ﷺ نے اس کا نام پوچھا تو اس نے عرض کی غاوی بن ظالم تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ آپ راشد بن عبد ربہ ہیں۔[1] اس کی تائید میں امام قرطبی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ لفظ رب کا ایک معنی معبود بھی ہے۔[2] مذکورہ بالا تحقیق سے ثابت ہوا کہ لفظ رب مجازا معبود کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

﴿يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانی فرماتے ہیں اقامت کے اصل معنی دوام اور ثبات کے ہیں۔ اسی لئے بولا جاتا ہے کہ ''قام الشیء''یعنی فلاں چیز دائم اور ثابت ہو گئی۔ اس سے مراد ٹانگوں پر کھڑا ہونے والا قیام نہیں ہے۔ جس طرح بولا جاتا ہے "قام الحق" یعنی حق ظاہر اور ثابت ہو گیا[4]۔ اس معنی کا استدلال صاحب تفسیر فتح القدیر اس شعر سے کرتے ہیں:

صبرا أمام إنّه شر باق...وقامت الحرب بنا على ساق [5]

ترجمہ و تجزیہ

ابھی صبر کریں کہ آگے شر (جنگ) باقی ہے درآں حالیکہ ہمارے درمیان جنگ اپنی پوری شدت کے ساتھ قائم ہو چکی ہے۔ اس شعر میں لفظ قامت ٹانگوں پر کھڑا ہونے کے معنی میں استعمال نہیں ہوا بلکہ جنگ کے پوری شدت کے ساتھ ثبات اور دوام کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ تفسیر الہواری میں ہے کہ عربوں میں جب پوری شدت کے ساتھ جنگ چھڑ جاتی تھی تو اس حالت کو وہ ''قامت الحرب بنا على ساق'' سے تعبیر کرتے تھے۔[6] پس ثابت ہوا کہ اقامت کے اصل معنی دوام اور ثبات کے ہیں۔ اس سے مراد ٹانگوں پر کھڑا ہونے والا قیام نہیں ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ﴾[7] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

تفسیر فتح القدیر میں ہے کہ "کفر" کے لغوی معنی ''الستروالتغطية'' یعنی چھپانا اور ڈھانپنا کے ہیں۔ اسی وجہ

---

[1] دمیری، حیاۃ الحیوان الکبری: 1/ 253

[2] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن: 1/ 137

[3] بقرہ: 3

[4] شوکانی، فتح القدیر 1\42

[5] نہروانی، أبو الفرج المعافی بن زکریا، الجليس الصالح الكافي والأنيس الناصح الشافي (بیروت: دار الکتب العلمیة 2005ء)، ص 449

[6] ہواری، إباضي، تفسیر ہواری (الشاملة الذهبية)، 4/ 123

[7] بقرہ: 6

سے کافر کو کافر کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے کفر کی وجہ سے ایمان جیسی نعمت پر پردہ ڈال کر اس سے محروم ہو جاتا ہے[1]۔ صاحب تفسیر فتح القدیر اس معنی کی دلیل میں ابو عقیل لبید بن ربیعہ عامری(متوفی 661ء) کا درج ذیل شعر پیش کرتے ہیں۔

يَعْلُو طَرِيقَةَ مَتْنِهَا مُتَوَاتِراً فِي... لَيْلَةٍ كَفَرَ النُّجُومَ غمَامُهَا [2]

ترجمہ و تجزیہ

اس گائے کے بدن کے دھبہ کے اوپر بارش متواتر پڑتی ہے(اور اس دھبہ کو ڈھانپ لیتی ہے) بلکل اسی طرح جیسے رات کے وقت ستاروں کو بادل ڈھانپ لیتے ہیں۔ اس شعر میں "کفر" بمعنی ''الستر و التغطية'' یعنی چھپانے اور ڈھانپنے کے استعمال ہوا ہے۔ علماء کرام کے درج ذیل اقوال بھی اسی معنی پہ شاہد ہیں۔ شرح قصائد العشر کے مصنف لکھتے ہیں کہ اس شعر میں "کفر "کا معنی ہے ڈھانپ لینا اور اس شعر میں شاعر کی مراد یہ ہے کہ رات تاریک ہے اور بادلوں نے ستاروں کو ڈھانپ لیا ہے۔ اور کافر کو بھی کافر اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ اس چیز کو ڈھانپ لیتا ہے جس کے ظاہر کرنے کا حکم ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا دین۔ اور اس لیے بھی اس کو کافر کہتے ہیں کہ کفر نے اس کے دل کے اوپر پردہ ڈال دیا ہے۔[3] صاحب مختار الصحاح فرماتے ہیں کہ ''الكَفْرُ بالفتح التغطية'' یعنی لفظ "کفر "کاف کے فتح کے ساتھ آتا ہے اور اس کا مطلب ہوتا ہے ڈھانپ لینا اور "کافر" تاریک رات کو کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنی ظلمت سے ہر چیز کو ڈھانپ لیتی ہے اور آخر میں فرماتے ہیں کہ " وكل شيء غطى شيئا فقد كَفَرَهُ"[4] تاج العروس میں ہے کہ لغت میں کفر سے مراد "التغطية" ہے۔[5] مذکورہ بالا تحقیق سے ثابت ہوا کہ "کفر" کے لغوی معنی ''السترو التغطية'' یعنی چھپانا اور ڈھانپنا کے ہیں۔

﴿إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانی "هزء" کے معنی "السخرية واللعب" یعنی مذاق اور کھلواڑ بیان کرتے ہیں۔[7] اور اس معنی کی

---

[1] شوکانی فتح القدیر 1\46

[2] لَبید، دیوان لبید بن ربیعۃ العامري، ص111

[3] تبریزی، یحیی بن علي بن محمد الشیبانيّ، شرح القصائد العشر (لإدارة الطباعة المنیریة1352ھ)، ص153

[4] رازی، مختار الصحاح:1/586

[5] زبیدی، محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسیني، تاج العروس (بیروت: دار الفکر1424ھ)، 14\54

[6] بقرہ:14

[7] شوکانی، فتح القدیر:1\52

امام شوکانی "ھزء" کے معنی "السخرية واللعب" یعنی مذاق اور کھلواڑ بیان کرتے ہیں۔[1] اور اس معنی کی دلیل میں صحیر بن عمیر کا درج ذیل شعر پیش کرتے ہیں۔

تهزأُ مِنّي أختُ آلِ طيسَلَهْ ...قالَتْ أراهُ مملقا لَا شَيْء لَهُ[2]

ترجمہ و تجزیہ

آل طیسلہ کی بہن نے میرا مذاق اڑایا۔ کہتی ہے میں نے اس کو ایسا مفلوک الحال پایا کہ اس کے پاس کسی قسم کا کوئی مال نہیں ہے۔ اس شعر میں "هَزِئَتْ" مذاق یا تمسخر اُڑانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے-اس کی تائید درجہ ذیل اقوال علماء سے بھی ہوتی ہے۔ صاحب تفسیر النکت والعیون فرماتے ہیں کہ "الھزء" کا مطلب مذاق اور کھلواڑ ہے۔[3] مختار الصحاح میں ہے کہ "هَزِئَ" کا صلہ باء اور من حرف جر دونوں آتے ہیں۔ اس کی ماضی زاء کے کسرہ کے ساتھ آتی ہے یعنی باب سمع یسمع ہے۔ اس کا مصدر سکون زاء اور ضمہ زاء دونوں کے ساتھ آتا ہے یعنی "الھزْء" اور "الھزُء" ۔یہ "سَخِر" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔[4] علامہ فیروزآبادی صاحب فرماتے ہیں کہ "سَخْراً، سَخَراً، سُخْرَةً، مَسْخَراً، سُخْراً، سُخُراً" یہ سب الفاظ "هَزِئَ" کا معنی دیتے ہیں۔[5] مذکورہ بالا تحقیق سے ثابت ہوا کہ "ھزء" کے معنی "السخرية واللعب" یعنی مذاق اور کھلواڑ ہی ہیں۔

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

منصف نے "الخلق" کے دو معنی ذکر کیے ہیں پہلا معنی التقدیر یعنی اندازہ لگانا بیان کیا ہے اور دوسرا معنی انشاءٗ اختراع اور ابداء کیا ہے۔ پہلے معنی یعنی التقدیر بمعنی ناپ کرنا، اندازہ لگانا کی وضاحت میں ایک عربی کہاوت بھی بیان کی ہے "خلقت الاديم للسقاء" اس وقت بولا جاتا ہے جب مشکیزہ ساز مشکیزہ تیار کرنے سے پہلے چمڑے کی مقدار کا اندازہ لگاتا ہے کہ مشکیزہ بنانے کے لئے کتنا چمڑہ اور کیسے کاٹنا ہے۔[7] اس معنی کی تائید میں زہیر بن ابی سلمیٰ بن ربعیہ بن رباح مزنی (متوفی 609ء) کا بولا گیا درج ذیل شعر پیش کیا گیا ہے۔

---

[1] شوکانی، فتح القدیر: 1\52

[2] اصمعی، أبو سعید عبد الملک بن قریب، اصمعیات اختیار اصمعی (مصر: دار المعارف 1993ء)، ص234

[3] ماوردی، أبو الحسن علي بن محمد، النکت والعیون (بیروت: دار الکتب العلمیۃ)، 1/137

[4] رازی، مختار الصحاح: 1/326

[5] فیروزآبادی، مجد الدین أبو طاھر محمد بن یعقوب، القاموس المحیط (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع 2005ء)، 1/405

[6] بقرہ: 19

[7] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن: 1/225

وَلَأَنْتَ تَفْرِي مَا خَلَقْتَ وَبَعْ ... ضُ الْقَوْمِ يَخْلُقُ ثُمَّ لَا يَفْرِي[1]

ترجمہ و تجزیہ

اور جس چیز کا تو عزم کر لیتا ہے اس کو تو پورا کرتا ہے۔اور بعض لوگ عزم تو کر لیتے، تخمینہ تو لگا لیتے ہیں لیکن اس کو پورا نہیں کرتے۔ شرح شواہد الشعریہ فی امات الکتب النحویہ کے منصف اس شعر کی وضاحت کچھ اس طرح فرماتے ہیں کہ تفری لفظ فاء کے ساتھ ہے اور یہ کاٹنے کے معنی مین استعمال ہوتا ہے۔"فریت الادیم" کا مطلب ہو گا چمڑے کو صلاح کے لئے کاٹنا اور "افریت الادیم"کا مطلب ہو گا چمڑہ فساد یعنی ضائع کرنے کے لئے کاٹنا اور خلقت کا معنی ہے قدرت۔ایک ضرب المثل ہے کہ "ماْ كَلّ من خلق يفرى "یہ اس شخص کے لئے بولا جاتا ہے جو عزم اور ارادہ کرے اور اسے عملی جامہ نہ پہنائے۔[2]تو شاعر اس لئے ہرم بن سنان[3] کو مخاطب کر کے کہتا ہے لأنت تفری ما خلقت۔ تو جس چیز کا اندازہ، تخمینہ لگاتا ہے اس کو اصلاح کے لئے کاٹتا بھی ہے یعنی تو جس بھی چیز کا عزم کرتا ہے، اس کو کر بھی گزرتا ہے۔امام شوکانی کے بیان کردہ "الخلق" بمعنی التقدیر کی تائید درج ذیل اقوال علماء سے بھی ہوتی ہے۔ تفسیر بیضاوی میں ہے کہ "الخلق"کا معنی کسی چیز کو ایک اندازے اور برابری کے ساتھ وجود میں لانا اور "الخلق" کا اصلی معنی التقدیر ہے۔ عرب جب ایک جوتے کا ناپ لے کر اس کو بناتے ہیں تو کہتے ہیں" خلق النعل "۔[4]اسی طرح صاحب مختار الصحاح نے بھی الْخَلْقُ بمعنی التَّقْدِيرُ بیان کیا ہے۔اور لکھا ہے کہ عرب جب چمڑے کو کاٹنے سے پہلے کاٹنے کے لئے اس کی پیمائش لیتے ہیں تو کہتے ہیں" خَلَقَ الْأَدِيمَ"اور یہ باب نصر ینصر سے آتا ہے۔[5] بحث مذکور سے ثابت ہوتا ہے کہ "الخلق" کا معنی کسی چیز کو ایک اندازے اور برابری کے ساتھ وجود میں لانا اور "الخلق"کا اصلی معنی التقدیر ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اے لوگو اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں مکمل اندازے اور اعتدال کے ساتھ وجود بخشا۔

---

[1] زہیر، دیوان زہیر بن أبي سلمی، ص32

[2] شُرّاب، شرح الشواهد الشعرية في أمات الكتب النحوية: 1/557

[3] انکا سن وفات تقریبا15 قبل ہجری بمطابق تقریبا608 عیسوی ہے۔اصلی نام ہرم بن سنان بن ابی حارثہ المری، انکا قبیلہ ذبیان ہے اور زمانہ جاہلیت کے سخی عربوں میں سے ایک ہیں۔ یہ اور اس کا چچازاد حارث بن عوف بن ابی حارثہ، قبیلہ عبس و ذبیان کے درمیان صلح کرانے کی وجہ سے زہیر بن ابی سلمہ کے ممدوح بنے۔اور ہرم اسلام کی آمد سے پہلے ہی فوت ہو گیا تھا۔(زرکلی، اعلام:8/82)

[4] بیضاوي، ناصر الدین أبو سعید عبد اللہ بن عمر بن محمد الشیرازی، أنوار التنزیل وأسرار التأویل (بیروت: دار إحیاء التراث العربي1418ھ)، 1/54

[5] رازی، مختار الصحاح، 1/95

﴿وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانی لفظ "نسبح" کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ کلام عرب میں تسبیح کا مطلب ہے کسی ذات کو تعظیماً ہر قسم کی برائی سے منزہ اور دور خیال کرنا یا جاننا۔[2] مفسر اس معنی کا استشہاد اعشیٰ قیس (متوفی 629ء) کے درج ذیل شعر سے کرتے ہیں:

أَقُولُ لَمَّا جَاءَنِي فَخْرُهُ... سُبْحَانَ مِنْ علقمة الفاخر[3]

ترجمہ و تجزیہ

جب مجھے اس کے فخریہ کارناموں کی خبر ملی تو میں کہتا ہوں کہ علقمہ فخر سے منزہ و پاک ہے۔ یہاں بھی سبحان کا لفظ تبعید کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی علقمہ سے فخر کی نفی مراد ہے۔ شرح مفصل کے مؤلف میں فرماتے ہیں کہ لفظ سبحان عَلَم ہے اور تسبیح کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ تسبیح مصدر ہے اس کا معنی البراءت ہے۔[4] یہ شعر اعشیٰ کے قصیدہ سے لیا گیا اور اس میں علقمہ سے مراد علقمہ بن علاثہ[5] صحابی ہیں۔ حضرت علقمہ کی اپنے چچازاد عامر بن طفیل[6] کے ساتھ حسب و نسب اور شرف کے معاملہ میں اختلاف پیدا ہو گیا تو حکمائے عرب نے ان کے درمیان فیصلہ کرانے کی کوشش شروع کر دی لیکن اعشیٰ نے اپنے قصائد میں عامر کو حضرت علقمہ پر فضیلت دے دی۔ جب حضرت علقمہ نے یہ بات سنی تو انہوں نے اعشیٰ کو قتل کرنے کی نذر مان لی تو اعشیٰ نے یہ قصیدہ لکھا جس سے یہ شعر لیا گیا ہے۔ شرح الشواہد الشعریہ فی امات الکتب النحویہ میں منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس قصیدہ کی روایت سے منع فرما دیا۔[7] امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ البحر المدید في تفسیر القرآن المجید

---

[1] بقرہ:30

[2] شوکانی فتح القدیر:1/75

[3] اَعشیٰ قیس، اَبو بصیر میمون بن قیس بن جندل، دیوان الاعشیٰ، ص193

[4] ابن الصائغ، یعیش بن علي بن یعیش، شرح المفصل، (مصر: إدارة الطباعة المنیریة)، 1/119

[5] انکا سن وفات تقریباً 20 ہجری بمطابق تقریباً 640 عیسوی ہے۔ علقمہ بن علاثہ بن عوف الکلابی العامری صحابی رسول ہیں۔ آپ کا تعلق بنی عامر بن صعصعہ سے تھا۔ حضرت عمر نے انہیں والی مقرر کیا تھا۔ آپ ایک سخی انسان تھے۔ الحطیہ نے ان کی تعریف میں ایک قصیدہ بھی لکھا۔ (زرکلی، اعلام:4/248)

[6] آپ کا عرصہ حیات 70 ق ھ-11 ہجری بمطابق 554-632 عیسوی ہے۔ ابو علی، عامر بن طفیل بن مالک بن جعفر العامری کا تعلق بنی عامر بن صعصعہ سے تھا۔ زمانہ جاہلیت میں بھی معززین و شعراء میں انکا شمار ہوتا تھا۔ نجد میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ عکاظ میں آپ کے حکم پہ ندا دی جاتی کیا کوئی پیادہ ہے کہ ہم اسکو سوار کریں؟ یا کوئی بھوکا ہے کہ ہم اسے کھلائیں؟ یا کوئی خائف ہے کہ ہم اسے پناہ دیں۔ بڑھاپے میں انہوں نے اسلام کو پالیا۔ (زرکلی، اعلام:3/252)

[7] شُرّاب، شرح الشواهد الشعرية في أمات الكتب النحوية:1/552

میں ہے کہ التسبیح کا مطلب ہے التنزیہ۔[1] اور اسی طرح تفسیر البسیط میں ہے کہ سبحان اللہ کا مطلب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو ہر قسم کی برائی سے مبرا اور پاکیزہ سمجھنا۔[2] المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر کا مصنف لکھتا ہے کہ تسبیح کا معنی ہوتا ہے "تَنْزِيهُ اللهِ عَنْ كُلِّ سُوءٍ"[3] پس ثابت ہوا کہ تسبیح کا مطلب ہے اللہ تعالی کو تعظیما ہر قسم کی برائی سے منزہ اور دور خیال کرنا یا جاننا۔

﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

مفسر موصوف "ولا تلبسوا" کی تفسیر میں فرماتے ہیں "اللبس" کا ایک مطلب ہوتا ہے خلط ملط کرنا، جیسا کہ عرب جب کسی پر معاملے کو خلط ملط کر دیتے ہیں تو کہتے ہیں لَبَسْتُ عَلَيْهِ الْأَمْرَ أَلْبِسُهُ یعنی جب حق کو باطل کے ساتھ اور واضح چیز کو پیچیدہ چیز کے ساتھ ملا دیتے ہیں۔[5] صاحب تفسیر فتح القدیر اس معنی کی دلیل میں درج ذیل جاہلی شعراء کے اشعار پیش کرتے ہیں۔ حضرت خنساء، تماضر بنت عمرو السلمیہ (متوفی 645ء) فرماتی ہیں

ترى الجليس يقول القول تحسبه ... نصحا وهيهات ما نصحا به التمسا[6]

ترجمہ و تجزیہ

تو مجلس میں بیٹھنے والے کو دیکھتا کہ وہ حق کی بات کرتا ہے اور تو اس کو ہدایت گمان کر لیتا ہے۔ بلکہ اس سے بچو اور دیکھو کہ اس نے کس طرح حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے۔ ایک دوسرا شاعر کہتا ہے کہ

وَكَتِيبَةٍ لَبِسْتُهَا بِكَتِيبَةٍ ... حَتَّى إِذَا الْتَبَسَتْ نَفَضْتُ لَهَا يَدِي[7]

کَتیبہ کو میں نے کُتیبہ کے ساتھ خلط ملط کر دیا۔ یہاں تک کہ جب معاملہ مشتبہ ہو گیا تو میں نے اس سے اپنا ہاتھ جھٹک لیا۔ مذکورہ بالا تینوں اشعار میں "لبس" کا مادہ خلط ملط کرنے کا معنی دے رہا ہے۔ امام شوکانی اس کا دوسرا معنی ڈھانپ لینا بیان فرماتے ہیں۔[8] اس معنی کی دلیل میں شاعر نابغہ الجعدی (متوفی 670ء) کا یہ شعر بیان کیا ہے۔

---

[1] فاسی صوفی، البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید: 3/179

[2] واحدی، أبو الحسن علي بن أحمد بن محمد بن علي، النيسابوري، التَّفْسِيرُ البَسِيْط (جامعة الإمام محمد بن سعود: عمادة البحث العلمي 1430ه)، 2/352

[3] أبو العباس، أحمد بن محمد بن علي الفيومي ثم الحموي، المصباح المنير في غريب الشرح الكبير (بيروت: المكتبة العلمية)، 1/262

[4] بقرہ: 42

[5] شوکانی، فتح القدیر: 1\88

[6] یوسی، نور الدين الحسن بن مسعود، زهر الأكم في الأمثال والحكم (المغرب: دار الثقافة 1981ء)، 3/187

[7] وطواطدار، أبو إسحق برهان الدين، غرر الخصائص الواضحة، وعرر النقائض الفاضحة (بيروت: الكتب العلمية 2008ء)، ص 454 (یہ شعر فرار سلمی کا ہے)

[8] شوکانی، فتح القدیر: 1\89

إِذَا مَا الضَّجِيعُ ثَنَى جِيدَهَا ... تَثَنَّتْ عَلَيْهِ فكانت لباسا[1]

جب (اس کا) ہم فراش اس کی (گردن) کی خوبصورتی کی طرف مائل ہوا تو وہ اس کے ساتھ ایسے لپٹی کہ اس نے اس کو لباس کی طرح ڈھانپ لیا۔ اس شعر میں لباس ڈھانپ لینے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ لیکن التباس اور خلط ملط کرنیوالا معنی زیادہ مناسب ہے۔[2] امام شوکانی کے اس مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال مفسرین سے بھی ہوتی ہے۔ تفسیر ابن عباس میں ہے کہ آیت کا مطلب ہے " وَلَا تخلطوا الْبَاطِل بِالْحَقِّ"۔[3] اسی طرح تفسیر البسیط میں ہے کہ جب کوئی بندہ کسی معاملے کو خلط ملط اور مشتبہ کر دیتا ہے تو کہتا ہے "لَبَسْتُ الأمر أَلْبِسُه لَبْساً، إذا خلطته وشبهته"[4] انوار التنزیل واسرار التأویل کے مصنف لکھتے ہیں "اللبس" کا معنی "الخلط" ہے اور خلط کا لازمی معنی ہے کسی چیز کو اس کے غیر کے ساتھ مشتبہ بنا دینا۔[5] مجمع اللغہ العربیہ بالقاھرہ میں مذکور ہے کہ "البس عَلَيْهِ الْأَمر" کا مطلب ہوتا ہے معاملے کو مشتبہ اور خلط ملط کر دینا۔[6] الدر المصون فی علوم الکتاب المکنون کے مصنف لکھتے ہیں "اللبس" کا مطلب ہے خلط ملط کرنا اور چیزوں کا آپس میں گڈ مڈ کر دینا اور اسی طرح واضح معاملہ کو پیچیدہ معاملے کے ساتھ خلط ملط کر دینا۔[7] باہر البرھان فی معانی مشکلات القرآن میں ہے کہ "اللبس" کا مطلب ہے " الشك"۔[8] مذکورہ بالا بحث سے ثابت ہوا کہ لفظ "اللبس" مذکورہ بالا دو معنوں (ڈھانپنا اور خلط ملط کرنا) میں استعمال ہوا ہے لیکن التباس اور خلط ملط کرنیوالا معنی زیادہ مناسب ہے۔

﴿ثُمَّ بَعَثْنَاكُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ﴾[9] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانی فرماتے ہیں "بعث" کا اصل معنی ہوتا ہے کسی چیز کو اپنی جگہ سے حرکت دینا اور اٹھانا۔ عرب جب اونٹنی کو اپنی جگہ سے اٹھاتے ہیں تو بولتے ہیں۔ "بَعَثْتُ النَّاقَةَ أَيْ أَثَرْتُهَا"[10] امام شوکانی نے اس معنی کی دلیل میں

---

[1] نابغة الجعدي، ديوان نابغة الجعدي، ص 81 / دينوري، أبو محمد عبد الله بن مسلم بن قتيبة، الشعر والشعراء (القاهرة: دار الحديث 1423ھ)، 1 / 287

[2] شوکانی، فتح القدیر: 1\89

[3] ابن عباس، تنویر المقباس، ص، 8

[4] واحدی، تفسیر البسیط، 2/ 440

[5] بیضاوی، أنوار التنزیل وأسرار التأویل: 1/ 76

[6] إبراهيم مصطفى، أحمد الزيات، حامد عبد القادر، محمد النجار، مجمع اللغة العربية (القاهرة، دار الدعوة)، 2/ 812

[7] سمين الحلبي، الدر المصون في علوم الكتاب المكنون: 1/ 322

[8] غزنوي، محمود بن أبي الحسن (علي) بن الحسين النيسابوريّ، باهر البرهان فی معانی مشکلات القرآن (مکة المکرمة: جامعة أم القرى 1998ء) ص، 455

[9] بقرہ: 56

[10] شوکانی، فتح القدیر: 1\103

امْرُؤُالقَيْس (متوفی 545ء) کا درج ذیل شعر ذکر کیا۔

وفتيان صِدْقٍ قَدْ بَعَثْتُ بِسُحْرَةٍ ... فَقَامُوا جَمِيعًا بَيْنَ عاث وَنَشْوَانِ[1]

ترجمہ و تجزیہ

صدق و وفا والے جوانوں کو میں نے سحری کے وقت اپنی جگہ سے حرکت دیکر اٹھایا تو وہ سب وادی عاث و نشوان میں کھڑے ہو گئے۔ یہاں "بَعَثْتُ" اپنی جگہ سے نیند سے اٹھانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور اس کا قرینہ اگلے مصرعے میں حرف عطف فاء ہے جو کہ ترتیب مع التعقیب کے لئے استعمال ہوتا ہے کہ ساتھ لفظ قاموا ہے۔ یعنی میں نے ان کو اٹھایا تو وہ فوراً کھڑے ہو گئے۔ امام شوکانی نے اس معنی کی دلیل میں دوسرا شعر بھی امْرُؤُالقَيْس (متوفی 545ء) کا پیش کیا ہے۔

وَصَحَابَةٍ شُمِّ الْأُنُوفِ بَعَثْتُهُمْ ... لَيْلًا وَقَدْ مَالَ الْكَرَى بِطِلَاهَا۔[2]

ترجمہ و تجزیہ

یعنی متکبر اور سخت لوگوں کو میں نے رات کے وقت اٹھادیا حالانکہ ان کے بہادروں کو تو نیند نے اپنی طرف مائل کر لیا تھا۔ یہاں بھی "بَعَثْتُ" اپنی جگہ سے نیند سے اٹھانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مفسرین کرام کے درج ذیل اقوال بھی اسی معنی پہ شاہد ہیں۔ صاحب تفسیر بغوی فرماتے ہیں "البعث" سے مراد کسی چیز کو اپنی جگہ سے اٹھانا یعنی "إِثَارَةُ الشَّيْءِ عَنْ مَحَلِّهِ"۔ اسی لئے عرب جب اونٹ کو اٹھاتے ہیں تو بَعَثْتُ البعير بولتے ہیں اور جب سوئے ہوئے آدمی کو اٹھاتے ہیں تو بَعَثْتُ النَّائِم بولتے ہیں۔[3] الصحاح تاج اللغہ وصحاح العربیہ کے مؤلف فرماتے ہیں کہ "بَعَثَهُ من منامه" کا مطلب ہے کہ فلاں نے اس کو حرکت دے کر جگایا۔[4] اور مختار الصحاح میں ہے کہ اس کا مطلب ہے فلاں نے فلاں کو حرکت دی اور بیدار کیا اور بَعَثَ الْمَوْتَى کا مطلب ہے مردوں کو اٹھا کر جمع کرنا۔[5] پس ثابت ہو گیا کہ "بعث" کا اصل معنی ہوتا ہے کسی چیز کو اپنی جگہ سے حرکت دینا اور اٹھانا۔

---

[1] امْرُؤُالقَيْس، بن حجر بن الحارث الكندي، ديوان امرئ القيس (بیروت: دار المعرفة 2004ء)، ص، 160

[2] عنترة، دیوان عنترة بن شداد، ص، 225

[3] بغوی، تفسیر بغوی: 1/118

[4] جوہري، أبو نصر إسماعيل بن حماد فارابی، الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية (بیروت: دار العلم 1987ء)، 1/273

[5] رازی، مختار الصحاح، ص36

﴿وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَى﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانی سلوی کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تفسیر المحرر الوجیز في تفسیر الکتاب العزیز کے مصنف ابن عطیہ اندلسی[2] کے مطابق سلوی سے مراد پرندہ ہے اور مفسرین کا اس پر اجماع ہے۔[3] لیکن امام شوکانی نے ہذلی کے درج ذیل شعر کو غلط قرار دیا ہے جس میں اس نے سلوی سے مراد شہد یا پھل لیا ہے۔

وَقَاسَمَهُمَا بِاللّٰهِ جَهْدًا لَأَنْتُمَا ... أَلَذُّ مِنَ السَّلْوَى إِذَا مَا نشورها [4]

ترجمہ و تجزیہ

اس نے ان دونوں کے سامنے بڑی شد و مد سے اللہ کی قسمیں کھائیں کہ تم دونوں شہد اور پھل سے زیادہ میٹھے ہو جب اس کے توڑنے کا وقت آ جائے (یعنی جب وہ پک کر تیار ہو جائے) "نشور" بمعنی "اجتنی" استعمال ہوا ہے اور یہ پھل یا شہد کے توڑنے اور لینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ تفسیر الوسیط للقرآن الکریم میں ہے کہ سلوی سے مراد ایک پرندہ ہے جو سمانی پرندہ کے مشابہ ہے یا اس سے مراد سمانی پرندہ خود ہی ہے۔[5] صاحب تفسیر بغوی کے نزدیک بھی سلویٰ سے مراد پرندہ ہے۔[6] اسی طرح علامہ ابن منظور بھی لسان العرب میں فرماتے ہیں کہ سلویٰ سے مراد پرندہ ہے اور شاعر نے اپنے شعر میں سلویٰ سے مراد جو شہد لیا ہے یہ درست نہیں۔[7] حدیث شریف بھی اسی طائر والے معنی کی تائید کرتی ہے۔ ((لَوْلَا بَنُو إِسْرَائِيلَ، لَمْ يَخْنَزِ اللَّحْمُ، وَلَمْ يَخْبُثِ الطَّعَامُ، وَلَوْلَا حَوَّاءُ، لَمْ تَخُنْ أُنْثَى زَوْجَهَا))[8] علامہ دمیری نے حیات الحیوان الکبریٰ میں لکھا ہے کہ علماء کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے من و سلویٰ نازل کیا تو ان کو ان دونوں کے ذخیرہ کرنے سے منع فرمایا لیکن انہوں نے ذخیرہ کیا تو گوشت خراب ہو گیا اور اس میں

---

[1] بقرہ:57

[2] انکا سن وفات تقریبا954ہجری بمطابق تقریبا1547عیسوی ہے۔ محمد بن علی بن عطیہ، شمس الدین الحموی الشافعی ایک صوفی مبلغ تھے۔ آپ کا تعلق شام سے تھا اور وہاں ہی وفات پائی۔ آپکی مشہور تالیفات میں سے تحفۃ الحبیب فیمایبہجہ من ریاض الشھود والتقریب ہے۔(زرکلی، اعلام:6/292)

[3] عطیہ اندلسی، المحرر الوجیز في تفسیر الکتاب العزیز:1/149

[4] شعراء ہذلیون، دیوان الہذلیین:1/158

[5] مجموعۃ من العلماء، التفسیر الوسیط للقرآن الکریم:1/109

[6] بغوی، تفسیر بغوی،1/118

[7] ابن منظور، لسان العرب:14/396

[8] حنبل، مسند الإمام أحمد بن حنبل، كتاب مُسْنَدُ الْمُكْثِرِينَ مِنَ الصَّحَابَةِ، باب مُسْنَدُ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، ح8032(حدیث صحیح)

بدبوپیدا ہوگئی۔ اور گوشت کی یہ کیفیت اس وقت سے جاری ہے۔[1]

لیکن آگے امام شوکانی، امام قرطبي کے حوالہ سے فرماتے ہیں سلویٰ سے مراد عسل یعنی شہد ہے۔ انہوں نے شعر مذکور سے دلیل پکڑی ہے اور ساتھ ہی فرمایا کہ کنانہ قبیلہ کی لغت میں سلوی سے مراد شہد ہی ہے۔[2] امام شوکانی فرماتے ہیں کہ جن حضرات نے سلویٰ سے مرااد شہد لیاہے ان کی دلیل ابو الشعثاء عبد اللہ بن رؤبۃ بن لبید بن صخر السعدی التمیمی المعروف عجاج[3] کا درج ذیل شعر ہے۔

لو أشربُ السُّلوانَ ما سَلِيتُ ... ما بي غنى عَنْكِ وَإنْ غَنِيتُ[4]

اگر میں شہد بھی پیوں، تو بھی مجھے تفریح نہیں ملے گی۔ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا، چاہے میں رہنے کی کوشش کروں۔ اسی طرح صاحب الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیہ نے بھی سلویٰ سے مراد عسل لیاہے۔[5] اور صاحب المنجد نے سلویٰ سے پرندہ اور شہد دونوں مراد لیئے ہیں۔[6] لیکن جمہور مفسرین کی پرندہ والی رائے زیادہ قوی ہے۔

﴿قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ﴾[7] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام موصوف اس آیت کے لفظ "بکر" کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ بکر کا مطلب ہے وہ چھوٹی گائے جو ابھی تک حاملہ نہ ہوئی ہو اور اس کا اطلاق چوپایوں میں سے مؤنث ذوات پر ہوتا ہے۔ اور انسانوں میں بھی اِن مؤنث ذوات پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جنکا ابھی تک مذکر سے ملاپ نہ ہوا ہو۔ اور اسی طرح اس کا اطلاق جو سب سے پہلی اولاد ہو اس پر بھی ہوتا ہے[8]۔ آخری معنی یعنی بکر بمعنی پہلی اولاد کی تائید میں امام موصوف نے درجہ ذیل شعر جاہلی سے استشہاد کیاہے۔

يا بكر بكرين ويا خلب الْكَبِدِ ... أَصْبَحْتَ مِنِّي كَذِراعٍ مِنْ عَضُدِ[9]

---

[1] ادمیری، حیاۃ الحیوان الکبری، 2/36

[2] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن: 1/407

[3] ابو الشعثاء عبد اللہ بن رباح بن لبید بن صخر السعدی التمیمی، جو کہ مخضرم شاعروں میں سے ہیں، زمانہ جاہلیت میں پیدا ہوئے، رجزیہ شاعری کے موجدین میں تھے۔ جب اسلام کو پایا تو اسلام قبول کر لیا۔ ولید بن عبد الملک کے زمانے تک زندہ رہے۔ (تاریخ الإسلام وَوَفیات المشاھیر وَالأعلام، شمس الدین الذھبي)

[4] انباری، شرح القصائد السبع الطوال الجاھلیات، ص73

[5] جوہری، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ: 6/2381

[6] أزدی، علي بن الحسن الھُنائي، المُنَجَّد في اللغۃ (القاھرۃ: العالم الکتب 1988ء)، ص92

[7] بقرہ: 68

[8] شوکانی، فتح القدیر 1/155

[9] اندلسی، محمد بن یوسف بن علي بن یوسف بن حیان، البحر المحیط في التفسیر (بیروت: دار الفکر 1420ھ)، 1/401 (یہ شعر راجز کا ہے)

ترجمہ و تجزیہ

اے، دو نسلوں کے پہلو ٹھے، اور جگر کے ٹکڑے تم تو میرے دست و بازو بن گئے ہو۔ جب پہلا بچہ مذکر ہوتا تو عرب اس سے تو ہم پکڑتے تھے اور اگر تمام آباوٴاجداد میں ایسا ہوتا یعنی شروع سے ہی پہلا بچہ مرد پیدا ہو رہا ہوتا تو آخر میں جو پیدا ہوتا اس کو بکر بکرین کہتے تھے۔ قیس بن زہیر بکر بکرین تھا۔ یہاں محل استشہاد "بکربکرین" کی ترکیب ہے جو پہلی اولاد کے معنی میں استعمال ہوئی ہے۔ تو امام شوکانی نے جو بکر سے پہلی اولاد کا معنی مراد لیا ہے وہ شعر مذکور سے ثابت ہوتا ہے۔ علماء کرام کے درج ذیل اقوال بھی اسی معنی پہ شاہد ہیں۔

امام بیضاوی کے نزدیک "البکر" کا مادہ اولیت کے معنی دیتا ہے۔[1] لسان العرب میں ہے کہ جب اونٹنی پہلا بچہ جنتی ہے تو اس کو بِكْرٌ کہا جاتا ہے۔ اور گائیوں میں بکر اس نوجوان گائے کو کہا جاتا ہے جو ابھی تک حاملہ نہ ہو۔[2] معجم دیوان الأدب کے مصنف لکھتے ہیں کہ "بِكْر" ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو اشیاء میں سب سے پہلے ہو۔[3] بحث مذکور سے ثابت ہوتا ہے کہ بکر کا اطلاق سب سے پہلی اولاد ہو اس پر ہوتا ہے۔

﴿لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانی نے "امانی" کا ایک معنی تقدیر بھی بیان کیا ہے۔ امام جوہری کا قول نقل کیا کہ "مُنِيَ له" کا مطلب ہے "قدر"[5] امام شوکانی نے "امانی" بمعنی تقدیر کے معنی کی دلیل سوید بن عامر المصطلقی[6] کے درجہ ذیل شعر جاہلی سے پکڑی ہے:

لَا تَأْمَنَنَّ وَإِنْ أَمْسَيْتَ فِي حَرَمٍ ... حَتَّى تُلَاقِيَ مَا يُمَنِّي لَكَ الْمَانِي[7]

ترجمہ و تجزیہ

خود کو محفوظ خیال نہ کریں اگرچہ آپکی شام حرم میں ہو یہاں تک کہ آپ اس چیز کو پا نہ لیں جو آپ کے

---

[1] بیضاوی، أنوار التنزیل وأسرار التأویل: 1/ 86

[2] ابن منظور، لسان العرب: 4/ 78

[3] فارابی، أبو إبراھیم إسحاق بن إبراھیم بن الحسین، معجم دیوان الأدب، (القاھرۃ: دار الشعب للصحافۃ والطباعۃ والنشر 2003ء)، 1/ 180

[4] بقرہ: 78

[5] جوہری، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ: 6/ 2497

[6] سوید بن عامر المصطلقی زمانہ جاہلیت میں مذہب ابراہیم کے پیروکار تھے۔ ان کی شاعری میں موت اور اس کی ناگزیریت کا ذکر ہے۔ ان کے شعر جب نبی کریم ﷺ کے سامنے پڑھے گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر وہ مجھے پالیتا تو مسلمان ہو جاتا۔ (ألوسي: بلوغ الأرب، ج،2، ص 219 ، 259)

[7] اسد، مصادر الشعر الجاهلي ص 213

مقدر میں لکھ دی گئی ہو۔ اس شعر میں بمنی لک المانی کا مطلب ہے یقدرلک المقدر۔[1] اس کی تائید میں صاحب تفسیر کشاف فرماتے ہیں کہ "امانی" کا لفظ "منی" بمعنی "قدر" سے مشتق ہے کیونکہ تمنا کرنے والا اپنے دل میں اپنی تمنا کا اندازہ لگاتا ہے اور پھر اس کی تگ و دو کرتا ہے۔ اور اسی طرح قاری بھی پہلے کلمات کا اندازہ لگاتا ہے پھر پڑھتا ہے۔[2] آیت میں دونوں معنی لینا جائز ہیں۔

﴿وقُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانی فرماتے ہیں یہاں "انْظُرْ" بمعنی "انتظر" استعمال ہوا ہے۔[4] مفسر نے اس معنی کی نظیر امرؤالقیس بن حجر الکندی (متوفی 545ء) کے قصیدہ بائیہ سے درج ذیل شعر جاہلی سے پیش کی ہے۔

فَإِنَّكُمَا إِنْ تَنْظِرَانِي سَاعَةً ... مِنَ الدّهر ينفعني لَدَى أُمِّ جُنْدَبِ[5]

ترجمہ و تجزیہ

اگر تم دونوں نے زمانے کی ایک ساعت مجھے انتظار کرنے دیا ہوتا تو ام جندب کے ہاں میں نے نفع پالیا ہوتا۔
اس شعر میں "تَنْظِرَانِي" تثنیہ مخاطب کا صیغہ انتظار کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس کا قرینہ ساعت کا لفظ ہے جو وقت کی ایک مقدار کو بیان کرتا ہے اور انتظار کا تعلق وقت کے ساتھ ہے۔ اس لئے یہاں دیکھنے کے معنی مراد لینا جائز نہیں ہیں۔ کیونکہ وقت ایسی چیز ہے جو نظر نہیں آتی۔ اور آیت کی عبارت یوں ہوگی "انتظرنا"۔ اسی طرح درج ذیل اقوال علماء بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ علامہ آلوسی نے نظرت الرجل کا معنی انتظرته کیا ہے۔[6] مختار الصحاح میں ہے کہ نظر کا معنی انتظار بھی ہوتا ہے۔[7] القاموس الوجیز لمعانی کلمات القرآن الکریم میں ہے کہ ما ینظر ہؤلاء سے مراد انتظار ہے۔[8] پس ثابت ہوا کہ یہاں "انْظُرْ" بمعنی "انتظر" استعمال ہوا ہے۔

---

[1] اخفش اصغر، علي بن سليمان بن الفضل، الاختيارين (دار الفکر 1999ء)، 1/279

[2] زمخشری، أبو القاسم محمود بن عمرو بن أحمد، الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل (بیروت: دار الكتاب العربي 1407ھ)، 1/157

[3] بقرہ: 104

[4] شوکانی، فتح القدیر 1/145

[5] امرؤالقیس، دیوان امرؤالقیس، ص، 74

[6] آلوسی، روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني: 1/263

[7] رازی، مختار الصحاح: 1/133

[8] مرزا، محسن آل عصفور، القاموس الوجیز لمعاني كلمات القرآن الكريم، الشاملة الذهبية، 1/55

امام شوکانی کا قول ثانی

قاری اعمش[1] نے اس کو ہمزہ قطعی کے ساتھ پڑھا ہے جب اس کو ہمزہ قطعی کے ساتھ پڑھیں گے تو یہ باب افعال سے فعل امر کا صیغہ بن جائے گا۔ یعنی اس کا تلفظ پھر أنظِر ظاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا جائے گا۔[2] امام شوکانی نے أنِظر بمعنی أمهل کی نظیر عمرو بن کلثوم بن مالک بن عتاب التغلبی[3] (متوفی 584ء) کے درج ذیل شعر جاہلی سے پیش کی ہے۔

أَبَا هِنْدٍ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْنَا ... وَأَنْظِرْنَا نُخَبِّرْكَ الْيَقِينَا[4]

ترجمہ وتجزیہ

اے ابو ہند ہمارے معاملے میں عجلت سے کام نہ لے بلکہ ہمیں مہلت دے ہم آپ کو یقینی خبر دیں گے۔ اس شعر میں "أنظر" بمعنی "أمهل" استعمال ہوا ہے اس کا قرینہ پہلے مصرعے میں وَلا تعجل کا لفظ ہے۔ یعنی جلدی نہ کر بلکہ مہلت اور تاخیر سے کام لے اس شعر میں اگر اَنظر بمعنی دکھانا لیا جائے تو شعر کا مطلب بگڑ جاتا ہے اور یہ بے معنی شعر بن جاتا ہے جو ممکن نہیں ہے۔ اصل عبارت شعر میں یوں ہوگی "فلا تعجل علينا بل أمهلنا" اور آیت کی عبارت یوں ہوگی "وَقولواأمهلنا"۔ مفسرین کرام کے درج ذیل اقوال بھی اسی معنی پہ شاہد ہیں۔

اِعراب القرآن وبیانہ میں مذکور ہے کہ قاری حمزہ نے اس کو ہمزہ قطعی اور ظ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں اس کا مطلب ہے مہلت طلب کرنا، وقت مانگنا۔[5] المحرر الوجیز میں ہے ہمزہ قطعی کے ساتھ پڑھنے کی صورت میں اس کا معنی ہوگا أخرونا۔[6] صاحب تاج العروس نے بھی أَنْظَرَ کا معنی انْتَظَرَ لکھا ہے اور یہ ہمزہ قطعی کی صورت میں ہے۔[7] اس صورت میں اس کا معنی ہوگا ہمیں مہلت عطا فرمائیں تاکہ ہم بات سمجھ جائیں۔ دونوں معنی درست ہیں۔

---

[1] آپکا پورا نام ابو محمد سلیمان بن مہران اعمش اسدی کاہلی ہے آپ 10 محرم 61ھ کو پیدا ہوئے اور 148ھ کو وفات پائی۔ آپ مشہور تابعی ہیں اور حدیث نبوی کے حافظ اور ثقہ محدث ہیں۔ اس لئے انھیں "شیخ المحدثین" کا لقب دیا گیا ہے آپ کوفہ میں سکونت پذیر رہے۔ آپ قرآن، قرآت، اور علم فرائض کے بہت بڑے عالم تھے۔ (طبقات ابن سعد:6/229)

[2] شوکانی، فتح القدیر:1/145

[3] عمرو بن کلثوم بن مالک بن عتاب جاہلی شاعر، صاحب معلقہ، اور طبقہ اولی کے شعراء میں سے تھے۔ وہ جزیرہ نما فرات میں پیدا ہوئے اور وہیں شام اور نجد میں گھومتے رہے۔ عرصہ حیات 526ء سے 600ء تک ہے۔ (اشعار الشعراء الستہ الجاهليين-اعلم الشنتمري-الصفحة86.)

[4] عمرو بن کلثوم، دیوان عمرو بن کلثوم، ص71

[5] درویش، محي الدين بن أحمد مصطفى، إعراب القرآن وبيانه (دمشق: دار ابن کثیر 1415ھ)، 9/460

[6] عطیہ اندلسی، أبو محمد عبد الحق بن غالب بن عبد الرحمن بن تمام، المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ 1422ھ)، 5/262

[7] زبیدی، تاج العروس:7/542

﴿قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

تفسیر فتح القدیر کے مصنف حنیفاً کی تشریح میں فرماتے ہیں یہ لفظ "الحنف" سے ہے اور حنف کا معنی ہوتا ہے استقامت۔ تو دین ابراہیم کو دین حنیف ان کی استقامت کی وجہ سے کہہ دیا کہ آپ علیہ السلام پر بڑی سخت آزمائشیں (جنکو قرآن نے بلاء مبین کے نام سے یاد کیا ہے) آئیں لیکن آپ نے بفضل خدا استقامت کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ ٹیڑھی ٹانگوں والے آدمی (معوج الرجلین) کو اَحنف کہا جاتا ہے کہ وہ استقامت کی طرف مائل ہوتا ہے اور سیدھا کھڑے ہونے کی کوشش اور امید رکھتا ہے بلکل اسی طرح جیسے (لدیغ) یعنی ڈسے ہوئے کو سلیم کہا جاتا ہے کیونکہ وہ ہمت اور سلامتی کی طرف پر امید اور کوشاں ہوتا ہے۔ اور مصیبت زدہ اور مشکل میں پھنسے آدمی کو مفازۃ یعنی کامیاب کہہ دیا ہے کہ وہ کامیابی کی طرف مائل ہوتا ہے۔[2] صاحب تفسیر فتح القدیر نے الحنف بمعنی مائل ہونے والے معنی کا استشہاد ام احنف کے درجہ ذیل شعر جاہلی سے کیاہے۔

والله لولا حنف برجله ... ما كان في فتيانكم من مثله[3]

ترجمہ و تجزیہ

اللہ کی قسم اگر اس کی ٹانگ میں ٹیڑھا پن نہ ہوتا تو تمہارے مردوں میں بھی ایسا کوئی نہ ہوتا جو اس کی مثل ہو۔ شعر کے پہلے مصرعے میں لفظ حَنَف استعمال ہوا ہے۔ یہاں پر یہ ٹیڑھے پن یعنی ایک طرف مائل ہونے کے معنی میں ہے۔ اس طرح اگر آیت میں حنیفاً کو مائل ہونے کے معنی میں لیا جائے تو مطلب ہو گا حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک اللہ کی طرف مائل ہونے والے تھے اور دین حنیف کا مطلب ہو گا اللہ کی طرف مائل ہونیوالا دین یا ملت۔ امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔

علامہ نسفی تفسیر النسفی میں فرماتے ہیں کہ حنیف سے مراد وہ شخص ہے جو تمام ادیانِ باطلہ سے منہ موڑ کر دین حق کی طرف مائل ہو جائے۔[4] علامہ ابن کثیر نے حَنِیفا کا معنی مُسْتَقِيمًا کیاہے۔[5] اسی طرح علامہ اندلسی نے فرمایا کہ الحنف کا لغوی معنی ہوتا ہے جھکاؤ، میلان۔ اسی وجہ سے لنگڑے کو احنف کہا جاتا ہے کیونکہ وہ ایک قدم کی

---

[1] بقرہ:135

[2] شوکانی، فتح القدیر:1/170

[3] أبو منصور ابن الجوالیقی، موھوب بن أحمد بن محمد، شرح أدب الكاتب (بیروت: دار الكتاب العربي)، ص72

[4] نسفی، تفسیر النسفي:1/133

[5] ابن کثیر، أبو الفداء إسماعيل بن عمر القرشي، تفسير القرآن العظيم (ابن کثیر)، (بیروت: دار الكتب العلمية، 1419ھ)، 1/321

طرف جھکا ہوا ہوتا ہے۔ اور ابن قتیبہ [1] نے حنف کا معنی استقامت کیا ہے۔ اور لنگڑے کو احنف بطورِ تفاؤل کہا جاتا ہے۔ [2] پس ثابت ہوا کہ حنف کا معنی استقامت ہوتا ہے۔

﴿وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ﴾ [3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام موصوف نے لفظ شقاق کے اشتقاق بارے میں دو اقوال بیان کئے ہیں۔ پہلا قول یہ بیان کیا ہے کہ یہ شِق بمعنی جانب، طرف سے مشتق ہے اس صورت میں معنی یہ ہو گا کہ فریقین میں سے ہر ایک دوسرے سے مخالف جانب کھڑا ہے۔ [4] دوسرا قول یہ ہے کہ شقاق کا لفظ شق یشق شقاً سے مشتق ہے جس کا معنی ہے مشکل میں ڈالنا، تنگی میں ڈالنا۔ [5] اس اشتقاق کی صورت میں معنی یہ ہو گا کہ فریقین میں سے ہر ایک دوسرے کو مشکل میں ڈالنے پر حریص ہے۔ دونوں معنی لینا جائز ہے۔ امام شوکانی نے مذکورہ بالا قول کی تائید میں دیوان عرب میں سے بشر بن ابی خازم [6] (متوفی 590ء) کا درج ذیل شعر جاہلی پیش کیا ہے۔

وَإِلَّا فَاعْلَمُوا أَنَّا وَأَنْتُمْ ... بُغَاةٌ مَا بَقِينَا فِي شقاق [7]

ترجمہ وتجزیہ

وگرنہ جان لو کہ بے شک ہم اور تم باغی ہیں، جھگڑنے والے ہیں ہم اختلاف کی صورت میں باقی نہیں رہیں گے۔ اس کے بارے میں جو ہمارے ابھی درمیان باقی ہے اور اختلاف کرنیوالے ہیں یا ایک دوسرے کو مشکل میں ڈالنے والے ہیں۔ شقاق کا لفظ محل استشہاد ہے اسکو اختلاف کے معنی میں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے اور اس سے مشکل میں ڈالنے کے معنی بھی مراد لئے جاسکتے ہیں کہ فریقین ایک دوسرے سے باغی ہیں تو لازماً وہ ایک دوسرے سے اختلاف بھی رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کو مشکل میں ڈالنے پر بھی مصر ہیں۔ اس لئے شعر میں موجود لفظ شقاق کو شِق

---

[1] آپ ابن قتیبہ دینوری کے نام سے مشہور ہیں۔ آپکی پیدائش 213ھ بغداد میں ہوئی اور وفات 276ھ بغداد میں ہوئی۔ آپ اپنے وقت کے مایہ ناز مؤرخ تھے۔ آپ کی مشہور تالیف "المعارف" ہے۔ (زرکلی، اعلام)

[2] اندلسی، البحر المحیط فی التفسیر: 1/634

[3] بقرہ: 137

[4] بیضاوی، أنوار التنزیل وأسرار التأویل: 1/109

[5] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن: 2/142

[6] بشر بن ابی خازم بن عمرو بن عوف بن حمیری بن اسد، جن کی کنیت ابونوفل ہے، اہل نجد میں سے ایک جاہلی شاعر ہیں، جو بنو اسد بن خزیمہ کے درمیان رہتے تھے۔ چھٹی صدی عیسوی کی تیسری دہائی اور آخری دہائی کے درمیان زندہ رہے۔ (عادل الفریحات: القبیلۃ فی شعر بشر بن أبی خازم اسدي. مجلۃ "التراث العربي". السنۃ 3، العدد 10، ینایر 1983، ص 81-97)

[7] شراب، شرح الشواہد الشعریۃ فی أمات الکتب النحویۃ، 2/172

سے مشتق ماننا یا شق یشق بمعنی یصعب سے مشتق ماننا دونوں جائز ہیں۔ اسی طرح آیت میں بھی لفظ شقاق کے دونوں مصادر اور معانی درست ہیں۔ یعنی ملۃ ابراہیم، دین حنیف کے پیروکار ایک جانب ہیں اور مشرکین دوسری جانب ہیں۔ علماء کرام کے درج ذیل اقوال بھی اسی معنی پہ شاہد ہیں۔

صاحب تفسیر نسفی شقاق کا ترجمہ اختلاف اور عداوت بیان کرتے ہیں۔[1] اعراب القرآن وبیانہ کے مصنف لکھتے ہیں کہ شقاق ش کے کسرہ کے ساتھ ہے۔[2] صاحب مختار الصحاح نے شق کا معنی پہاڑی کا ایک کونہ بھی بیان کیا ہے اور اسی طرح شق کا معنی مشقت بھی بیان کیا ہے۔[3] پس ثابت ہوا کہ اہل لغت نے اس کے تین معانی بیان کئے ہیں جو ایک دوسرے کے مفہوم سے خارج نہیں ہیں۔ پہلا معنی اختلاف کیا ہے، دوسرا معنی عداوت بیان کیا ہے جو کہ اختلاف کا لازمی نتیجہ ہے۔ اور تیسرا معنی گمراہی بیان کیا ہے جو کہ جھگڑنے والے گروہوں کی ایک خاص نشانی ہے۔

﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

مفسر نے "وَسَطًا" کی تفسیر میں فرمایا کہ وسط کا معنی "الخیار" یعنی بہترین یا "العدل" یعنی درمیانی چیز ہوتا ہے۔ پھر فرماتے ہیں یہاں پر دونوں معنوں کا احتمال موجود ہے بلکل اسی طرح جس طرح بشر بن ابی خازم (متوفی 590ء) کے درجہ ذیل شعر میں موجود ہے۔[5]

هم وسط يرضى الْأَنَامُ بِحُكْمِهِمْ ... إِذَا نَزَلَتْ إِحْدَى اللَّيَالِي بِمُعَظَّمِ[6]

ترجمہ و تجزیہ

وہ ایسے بہترین لوگ ہیں کہ جب کوئی بڑا معاملہ درپیش ہو تو تمام مخلوق ان کے حکم کو برضا ورغبت مانتی ہے۔ اور عدل کا معنی لینے کی صورت میں شعر کا مفہوم اس طرح ہو گا وہ اتنے عادل ہیں کہ جب بھی کوئی سخت معاملہ پیش آجائے (لوگوں کے درمیان جھگڑا) تو تمام مخلوق (لوگ) ان کے فیصلے سے راضی ہوتے ہیں۔ شعر کے پہلے مصرعے میں وسط کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یہاں اس کو خیار کے معنی میں استعمال کریں تب بھی معنی درست ہیں اور اگر عدل کے معنی مراد لیں تو بھی معنی درست ہیں۔ اس طرح آیت میں وسطا کے دونوں معنی مراد لینا جائز ہیں۔ یعنی

---

[1] نسفی، تفسیر النسفي، 1/134

[2] درویش، إعراب القرآن وبيانه: 1/195

[3] رازی، مختار الصحاح: 1/167

[4] بقرہ: 143

[55] شوکانی، فتح القدیر: 1/174

[6] بشر بن أبي خازم، ديوان بشر بن أبي خازم، ص165 ص5/205

عادل امت یا بہترین امت۔ امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوالِ علماء سے بھی ہوتی ہے۔ صاحب تفسیر القرآن العزیز کے نزدیک بھی وسطا بمعنی عدلا ہے۔[1] صاحب تفسیر بغوی کا قول ہے کہ "وَسَطاً، أَيْ عَدْلًا خِيَارًا"[2] البارع فی اللغہ میں ہے کہ "الوسط من كل شيء أعدله وأفضله"[3] علامہ ابن منظور فرماتے ہیں کہ "قَالَ بَعْضُهُمْ وسَطاً عَدْلًا، وَقَالَ بَعْضُهُمْ خِياراً، وَاللَّفْظَانِ مُخْتَلِفَانِ وَالْمَعْنَى وَاحِدٌ"[4] وسط کا معنی "الخیار "یعنی بہترین یا"العدل "یعنی درمیانی چیز ہوتا ہے الفاظ مختلف ہیں لیکن معنی ایک ہی ہے۔

﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانی نے شطر کا ایک معنی نصف یا آدھا بھی ذکر کیا ہے۔ اسی سے حدیث مبارکہ ہے ((الطّهور شَطْرُ الْإِيمَانِ))[6] مصنف نے شطر بمعنی نصف کی نظیر عنترہ بن شداد بن العبسی المصری[7] (متوفی 608ء) کے درجہ ذیل شعر سے پیش کی ہے۔

إِنِّي امْرُؤٌ مِنْ خَيْرِ عَبْسٍ مَنْصِبًا ... شَطْرِي وَأَحْمِي سَائِرِي بِالْمُنْصُلِ[8]

ترجمہ و تجزیہ

میرا آدھا حصہ نصب کے عتبار سے عبس کے بہترین لوگوں میں سے ہے اور میری پیٹھ ساری (اس نسب سے) جدا ہے۔ شاعر کا دراصل والد سادات بنو عبس میں سے تھا اور اس کی ماں لونڈی تھی۔ اس لئے آدھے حصے کو نصب کے اعتبار سے بہترین قرار دیدیا ہے محل استشہاد شطری کا مرکب اضافی ہے یہاں پر شطر سے مراد نصف لے رہا ہے۔ یعنی اپنے نصب کے آدھے حصے جو باپ کی طرف سے ہے اسکو بہترین قرار دے رہا ہے۔

---

[1] ابن أبي زَمَنِين المالكي، أبو عبد الله محمد بن عبد الله، تفسير القرآن العزيز (القاهرة: الفاروق الحديثة 2002ء)، 1/184

[2] بغوی، تفسیر بغوی: 1/174

[3] أبو علی القالی، إسماعيل بن القاسم، البارع في اللغة (بيروت: دار الحضارة العربية 1975م)، ص676

[4] ابن منظو، لسان العرب: 7/430

[5] بقرہ: 144

[6] مسلم، مسلم بن الحجاج، المسند الصحيح (بيروت: دار إحياء التراث العربي)، كتاب الطهارہ، باب فَضْلِ الوضوء، ح223

[7] عنترہ بن شداد عہد جاہلیت کا ممتاز شاعر تھا، ان کا کلام کعبہ میں لٹکائے جانے قصائد جن کو سبعہ معلقات کہا جاتا ہے، میں شامل تھا۔ عنترہ بن شداد بن العبسی المصری 525ء کو نجد میں پیدا ہوا۔ اس نے بہت لمبی عمر پائی اور وہ تقریباً 28ھ میں قتل ہو گیا۔ (احمد حسن زیات۔ تاریخ ادب عربی)

[8] دیوان عنترہ، عنترہ بن شداد: ص133

﴿إِنَّ الصَّفا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعائِرِ اللَّهِ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

لغت میں الصفا چٹیل پتھر کو کہتے ہیں یعنی ایسا پتھر جس پر کوئی نبات، جڑی بوٹی نہیں ہوتی۔ اور مروہ ایسے چھوٹے پتھر کو کہتے ہیں جو اوپر سے ملائم اور نرم ہوتا ہے اور ایک اور قول یہ بھی ہے کہ سخت پتھر اور نوک دار پتھر اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ ملائم اور نوکیلے دونوں پتھروں کے لئے عام ہے۔[2] اس کی دلیل میں امام شوکانی نے ابو ذؤیب خویلد بن خالد الھذلی[3] (متوفی 654ء) کا درج شعر پیش کیا ہے۔

حَتَّى كَأَنِّي لِلْحَوَادِثِ مَرْوَةٌ ... بِصَفَا المشقّر كُلَّ يَوْمٍ تُقْرَعُ[4]

ترجمہ و تجزیہ

یہاں تک گویا میں حوادث کے لیے ایک چھوٹے سے گول پتھر کی طرح ہو گیا جو شہر کے چٹیل (راستے میں) پڑا ہے اور ہر روز اس کو ٹھوکریں لگتی ہیں۔ اس شعر میں مروہ کا لفظ چھوٹے پتھر کے لئے استعمال ہوا ہے کیونکہ پاؤں تلے روندتے اور ٹھوکریں چھوٹے پتھر کو لوگ مارتے ہیں بڑے پتھر کو ٹھوکریں نہیں مارتے کیونکہ اس سے پاؤں زخمی ہوتے ہیں لوگ اس سے بچتے ہیں۔ اور دوسرا لفظ صفاء چٹیل کے معنی میں استعمال ہوا ہے کیونکہ شہر کے اندر جو راستہ ہوتا ہے وہ ہر قسم کی نباتات سے خالی ہوتا ہے۔ امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ امام ثعالبی فرماتے ہیں کہ "الصَّفَا جمع صَفَاةٍ، وهي الصَّخْرة العَظيمة، والمرْوَة واحدةُ المرْوِ، وهي الحجارة الصِّغَار الَّتي فيها لين"[5] بحر العلوم کے مصنف فرماتے ہیں کہ "الصفا الحجارة الصلبة التي لا تنبت بها شيء والواحدة صفاة يقال حصى وحصاة"المروة الحجارة اللينة"۔[6] صاحب لسان العرب فرماتے ہیں کہ المرْوُ حَجَرٌ أَبيض رَقِيقٌ[7] پس معلوم ہوا لغت میں الصفا چٹیل پتھر کو کہتے ہیں یعنی ایسا پتھر جس پر کوئی نبات، جڑی بوٹی نہیں ہوتی۔

---

[1] بقرہ: 158

[2] شوکانی فتح القدیر: 1/ 185

[3] ابو ذویب خویلد بن خالد بن محارث الہذلی ایک صحابی اور مخضرم شاعر ہیں۔ 591ء میں پیدا ہوئے اور آپ بنو ہذیل کے رئیسوں میں سے ایک ہیں۔ فتح مصر و روم میں شریک ہوئے اور روم ہی 654ء میں فوت ہوئے۔ (ابن سلام الجمحی، طبقات فحول الشعراء، دار المدني، جدة: ج. 1، ص. 123)

[4] شعراء ہذلیون، دیوان الہذلیین، 1/ 3

[5] ثعالبی، الجواهر الحسان في تفسير القرآن: 1/ 342

[6] سمرقندي، أبو الليث نصر بن محمد، بحر العلوم (بيروت: دار الفكر)، 1/ 133

[7] ابن منظو، لسان العرب: 15/ 276

﴿فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

تفسیر فتح القدیر میں لفظ حج کے لغوی معنی قصد اور ارادہ کے بیان کئے گئے ہیں۔ صاحب تفسیر فرماتے ہیں حج البیت سے مراد قصد البیت ہے۔[2] حج بمعنی قصد کی نظیر دیوان عرب میں سے المخبّل ربیعۃ بن عوف بن قتال بن انف الناقۃ القریعی السعدي[3] (متوفی 637ء) کے درجہ ذیل شعر کے ذریعے بیان کی گئی ہے

فأشهد من عوف حلولا كَثِيرَةً ... يَحُجُّونَ سَبَّ الزِّبْرِقَانِ الْمُزَعْفَرَا [4]

ترجمہ و تجزیہ

میں قبیلہ بنی عوف کے بہت سے حالات کا مشاہدہ کرتا ہوں کہ وہ زرد رنگ کے زعفرانی عماموں ارو پگڑیوں کا قصد کرتے ہیں۔ دوسرے مصرعے میں یحجون کا لفظ قصد اور ارادے کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور یہاں پر زیارت کا معنی بھی لیا جاسکتا ہے اور سب الزبرقان سے مراد چودھویں کا چاند مراد لیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح درج ذیل اقوال علماء بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ صاحب کشاف فرماتے ہیں "الحج القصد"۔[5] تفسیر جلالین میں ہے کہ "أَصْلهمَا الْقَصْد وَالزِّيَارَة"۔[6]

﴿وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾[7] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

صاحب تفسیر نے "النَّهَار" کی تعریف کچھ یوں کی ہے طلوع فجر سے لیکر غروب شمس کے درمیانے وقت کو نہار یعنی دن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن نضر بن شمیل[8] کے نزدیک نہار یعنی دن کا آغاز طلوع فجر سے نہیں بلکہ طلوع

---

[1] بقرہ:158

[2] شوکانی، فتح القدیر:1/185

[3] مخبّل ربیعۃ بن عوف بن قتال بن انف الناقۃ القریعي السعدي (87ق م-16ہجری/537-637عیسوی) کنیت ابو یزید تھی، بنو انف النقاسے، تمیم سے ایک بہادر آدمی اور مخضرم شاعر تھے۔ طویل عمر پائی اور عمر بن الخطاب کے دور خلافت میں وفات پائی۔ معمر بن المثنی، شرح نقائض جریر والفرزدق، المجمع الثقافي، أبو ظبی، ج. 3، ص. 1121)

[4] زمخشری، أبو القاسم محمود بن عمرو بن أحمد، المستقصى في أمثال العرب (بیروت: دار الکتب العلمیۃ1987ء)، 1/110

[5] زمخشری، الکشاف:1/208

[6] جلالین، جلال الدین محمد و جلال الدین عبد الرحمن، تفسیر الجلالین (القاھرۃ: دار الحدیث)، ص32

[7] بقرہ:164

[8] آپ کا عرصہ حیات 122ھ-203ہجری بمطابق 740-819عیسوی ہے۔ ابو الحسن، نضر بن شمیل بن خرشہ بن یزید المازنی التمیمی، عربوں کی تاریخ، علم حدیث اور لغت امام تھے۔ وہ خراسان میں پیدا ہوئے اور بصرہ چلے گئے۔ پھر خراسان واپس آکر قضاء کا منصب سنبھالا اور یہیں وفات پائی۔ مشہور کتب میں غریب الحدیث اور الصفات شامل ہیں۔ (زرکلی، اعلام:3/83)

شمس سے ہوتا ہے اور ثعلب[1] نے بھی اسی قول سے اتفاق کیا ہے۔ ثعلب اور نضر بن شمیل نے اپنے اقوال کی تائید میں امیہ بن ابی صَلت[2] (متوفی 624ء) کا درج ذیل شعر سے استشہاد کیا ہے۔

وَالشَّمْسُ تَطْلُعُ كُلَّ آخِرِ لَيْلَةٍ ... حَمْرَاءَ يُصْبِحُ لَوْنُهَا يَتَوَرَّدُ[3]

ترجمہ و تجزیہ

ہر زرد رات کے آخر میں سورج طلوع ہوتا ہے صبح کے وقت اس کا رنگ گلاب کی طرح کھل جاتا ہے۔ اس مصرعے میں شاعر سورج طلوع ہونے تک کے وقت کو لیل یعنی رات بول رہا ہے اور کہہ رہا ہے رات کے بعد سورج طلوع ہوتا ہے۔ یعنی سورج طلوع ہونے سے پہلے تک کا وقت رات کہلاتا ہے تو جو حصہ رات کہلائے وہ النھار نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح درج ذیل اقوال علماء بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ "أَوَّلُ النَّهَارِ ذُرُورُ الشَّمْسِ"[4] صاحب تفسیر الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن میں فرماتے ہیں کہ "أول النهار ابتداءُ طلوعِ الشمسِ"[5]

﴿وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانی کے نزدیک "اھلال" کا معنی ہے رفع صوت یعنی آواز کا بلند کرنا "اُھِلَّ بکذا" اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی بندہ آواز بلند کرے۔[7] دیوان عرب میں سے اس معنی میں نابغہ ذبیانی[8] (متوفی 604ء) کا شعر ہے۔

---

[1] آپکا اصلی نام أبو العباس أحمد بن يحيى بن زيد بن سيار، البغدادي النحوي، الشيباني ہے۔ آپ 200ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے اور 291ھ میں وفات پائی۔ آپ نحو کے امام تھے۔ آپ صاحب تالیفات کثیرہ ہیں۔ چند مشہور کتابیں یہ ہیں اعراب القران، امثال اور غریب القران۔ (یاقوت حموی، معجم الادباء)

[2] امیہ بن ابی الصلت قبیلہ ثقیف سے تعلق رکھنے والا مخضرمی شاعر تھا اور طائف میں رہتا تھا۔ اللہ اور آخرت پہ ایمان رکھتا تھا، برے اخلاق کو ناپسند کرتا تھا۔ اور عرب میں مبعوث ہونے والے نبی کا انتظار کیا کرتا تھا۔ بلکہ امیہ کا خیال تھا کہ وہ نبی وہی ہو گا چنانچہ وہ مذہبی شخصیات سے میل جول رکھتا تھا انکی کتابوں سے استفادہ کرتا تھا اور اپنے اشعار میں ان کتابوں کے مضامین پیش کرتا تھا۔ وہ کثیر السفر اور تجارتی آدمی تھا۔ امیہ بن ابی صلت کا کفر کی حالت میں انتقال 9ھ میں ہوا۔ (عبد الغفور حدیثی، أمية بن أبي الصلت - حیاتہ وشعرہ، وزارۃ الإعلام: بغداد، ص،46۔۔۔)

[3] ابو الحسن البصری، علي بن أبي الفرج بن الحسن، الحماسة البصرية (بیروت: عالم الکتب)، 2/420

[4] قرطبی، الجامع لاحکام القران: 2/191

[5] ثعالبی، الجواهر الحسان في تفسیر القرآن: 1/348

[6] بقرہ: 173

[7] شوکانی، فتح القدیر: 1/196

[8] نابغہ الذبیانی بن معاویہ (مکمل نام: زیاد بن معاویة بن ضباب بن جابر بن یربوع بن مرة بن عوف بن سعد، الذبیاني، الغطفاني، المضري) عہد جاہلیت کا ممتاز عرب شاعر اور حجاز سے تعلق رکھتا تھا۔ اسکا عرصہ حیات 535ء سے 604ء ہے۔ (احمد حسن زیات۔ تاریخ ادب عربی)

أَوْ دُرَّةٍ صَدَفِيَّةٍ غَوَّاصُهَا ... بَهِجٌ مَتَى يَرَهَا يُهِلَّ وَيَسْجُدِ[1]

ترجمہ و تجزیہ

دلکش سیپی دار موتی کو غواص جب دیکھ لیتا ہے تو آواز بلند کرتا ہے اور اس کے پیچھے پانی میں غوطہ لگا دیتا ہے یعنی جھک جاتا ہے یھل ویسجد کا یہی معنی ہے۔ علماء کرام کے درج ذیل اقوال بھی اسی معنی پہ شاہد ہیں۔ ایسر التفاسیر میں ہے کہ " الإهلال رفع الصوت باسم من تذبح له من الآلهة"۔[2] تفسیر جلالین میں ہے کہ "الْإِهْلَال رَفْع الصَّوْت۔"[3] مختار الصحاح میں ہے کہ "أَصْلُهُ رَفْعُ الصَّوْتِ"[4]

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام محمد بن علی بن محمد الشوکانی "کُتِبَ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کتب کا معنی "فُرِضَ، وَأُثْبِتَ" یعنی اے ایمان والوں تم پر قصاص لازم کر دیا گیا ہے اور ثابت کر دیا گیا ہے۔[6] امام شوکانی نے بطور نظیر شاعر عمرو بن ابی عمرو بن شداد[7] (متوفی 658ء) کا درجہ ذیل شعر پیش کیا ہے۔

كُتِبَ الْقَتْلُ وَالْقِتَالُ عَلَيْنَا ... وَعَلَى الْغَانِيَاتِ جَرُّ الذُّيُولِ[8]

ترجمہ و تجزیہ

قتل اور قتال ہمارے اوپر لازم ہے اور گانے والیوں پر اپنے آنچلوں کو گھسیٹنا لازم ہے۔ اس شعر میں لفظ کتب بمعنی فرض استعمال ہوا ہے اس کا قرینہ قتل و قتال کے الفاظ ہیں کیونکہ عرب فطری طور پر لڑاکے تھے اس لئے وہ قتل اور غارت گری کو اپنے اوپر لازم سمجھتے تھے۔ امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی

---

[1] نابغہ ذبیانی، دیوان النابغة الذبیاني، ص92

[2] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر: 1/147

[3] جلالین، تفسیر الجلالین: 1/135

[4] رازی، مختار الصحاح: 1/327

[5] بقرہ: 178

[6] شوکانی، فتح القدیر: 1/201

[7] عمرو بن ابی عمرو بن شداد مخضرم شاعر اور غزوہ بدر میں شریک مہاجر صحابی تھے۔ یہ قریش کے بنو ضبہ میں سے اور اولاد حارث بن فہر سے تعلق رکھتے تھے۔ 36ھ میں خلافت علی المرتضیٰ میں وفات پائی۔ (قاضی محمد سلیمان منصور پوری، اصحاب بدر، صفحہ 111، مکتبہ اسلامیہ اردو بازار لاہور)

[8] عمر بن أبي ربیعة، عمر بن عبد اللہ بن أبي ربیعة، دیوان عمر بن أبي ربیعة، ص176

ہے۔علامہ ابن منظور فرماتے ہیں کہ "الكِتابُ يُوضَع مَوْضِعَ الفَرْض"۔[1] اسی طرح اللباب فی علوم الکتاب میں درج ہے کہ "الكتاب جاء في القرآن على وجوه أحدها الفرض"۔[2]

﴿فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانی "جنفًا" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ کلام عرب میں "جنف" دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔"جنف"کا ایک معنی ہوتاہے"المجاوزة "یعنی تجاوز کرنا یہ معنی"جَنِفَ يَجْنَفُ إِذَا جَاوَزَ "سے آتاہے۔اس کا دوسرا معنی"الْمَيْلُ" بیان کیا گیاہے [4]امام شوکانی نے اس دوسرے معنی کی دلیل کلام عرب میں سے میمون بن قیس بن جندل بن شراحیل بن عوف بن سعد بن ضُبیعہ المعروف اعشی قیس (متوفی 629ء) کے درج ذیل شعر جاہلی کے ذریعے دی ہے۔

تَجَانَفُ عَنْ حجر اليمامة ناقتي ... وَمَا قَصَدْتُ مِنْ أَهْلِهَا لِسِوائِكَا[5]

ترجمہ وتجزیہ

میری اونٹنی حجر یمامہ (ریاض شہر کا پرانا نام) کے اطراف سے آگے گزر گئی۔اور اس نے اہل یمامہ کا قصد نہیں کیا۔اس شعر کے شروع میں لفظ تجانف استعمال ہوا ہے اور یہ بھی الجنف مصدر سے ہی ہے لیکن یہ باب تفاعل ہے۔یہاں یہ کنارہ کشی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔مفسر نے جنف بمعنی تجاوز کی نظیر میمون بن قیس بن جندل بن شراحیل بن عوف بن سعد بن ضُبیعہ المعروف اعشی قیس (متوفی 629ء) کے درج ذیل شعر جاہلی سے پیش کی ہے۔

إِنِّي امْرُؤٌ مَنَعَتْ أَرُومَةُ عَامِرٍ ... ضَيْمِي وَقَدْ جَنَفَتْ عَلَيَّ خُصُومِي[6]

ترجمہ وتجزیہ

بے شک میں وہ آدمی ہوں جس کو قبیلہ بنی عامر کی شرافت نے ظلم سے روک لیا حالانکہ میرے دشمن نے مجھ پر حد سے تجاوز کیا۔اس شعر کے دوسرے مصرعے میں لفظ "جنفت، حد سے گزرنے کے معنی میں استعمال

---

[1] ابن منظور، لسان العرب: 1/699

[2] سراج الدین، أبو حفص سراج الدين عمر بن علي، اللباب في علوم الكتاب (بیروت: دار الكتب العلمية1998م)، 1/263

[3] بقرہ: 182

[4] شوکانی، فتح القدیر: 1/205

[5] أعشی قیس، دیوان الاعشی، ص145

[6] دواوين الشعر العربي على مر العصور (موقع أدب)، ص1013

ہوا ہے۔ علماء کرام کے درج ذیل اقوال بھی اسی معنی پہ شاہد ہیں۔ مختار الصحاح میں الْجَنَفُ بمعنى الْمَيْلُ مذکور ہے۔[1] اور اسی طرح الصحاح تاج اللغہ وصحاح العربیہ میں بھی یہی معنی درج ہیں۔[2]

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

مفسر علیہ الرحمۃ نے "الصیام" کی وضاحت میں لکھا ہے کہ "الصیام" کا لغت میں اصلی معنی "الامساک" یعنی روکنا یا رک جانا اور ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہونے کو ترک کر دینا ہے۔ اور اسی طرح خاموشی کے لئے بھی صوم کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ خاموشی بھی کلام سے رک جانے کا نام ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے'' حضرت مریم علیہ السلام کو جب اللہ نے وحی فرمائی کہ ﴿إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمنِ صَوْماً﴾[4] اس آیت میں بھی صومًا کو اِمساک عن الکلام کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔[5] امام شوکانی نے صوم بمعنی امساک کی نظیر نابغہ ذبیانی (متوفی 604ء) کے درج ذیل شعر جاہلی سے بھی پیش فرمائی ہے۔

خَيْلٌ صِيَامٌ وَخَيْلٌ غَيْرُ صَائِمَةٍ ... تَحْتَ الْعَجَاجِ وَخَيْلٌ تَعْلُكُ اللُّجُمَا[6] أَيْ خَيْلٌ مُمْسِكَةٌ عَنِ الْجَرْيِ وَالْحَرَكَةِ

ترجمہ و تجزیہ

یعنی حرکت سے روکے ہوئے گھوڑے اور حرکت کرتے ہوئے گھوڑے۔ اس شعر کے پہلے مصرعے میں "خيل صيام اور خيل غير صائمة" کے الفاظ دراصل "خيل ممسكة عن الحركةَ وخيل غير ممسكة عن الحركة" کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ تفسیر کشاف میں ہے کہ "الصائم من ظلف نفسه عن الشيء منعه عنه"۔[7] صاحب تفسیر خازن کے نزدیک بھی "الصوم هوالإمساك" ہے۔[8]

---

[1] رازی، مختار الصحاح: 1/ 62

[2] جوہری، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ: 4/ 1399

[3] بقرہ: 183

[4] مریم: 26

[5] شوکانی، فتح القدیر: 1/ 207

[6] دواوين الشعر العربي على مر العصور (موقع أدب)، ص 2471

[7] زمخشری، الکشاف: 1/ 225

[8] خازن، علاء الدين علي بن محمد، لباب التأويل في معاني التنزيل (بيروت: دار الكتب العلمية 1415ھ)، 1/ 109

﴿يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانیؒ نے الخمر کی لغوی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "خَمَرَ، سَتَرَ" یعنی ڈھانپنا، پردہ ڈالنا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور اسی خمر سے "خمارالمراۃ" بھی آتا ہے یعنی عورت کا پردہ۔ ہر وہ چیز جو کسی دوسری چیز کو ڈھانپ لے تو اس کے لئے "فقدخَمَرہ" بولا جاتا ہے یعنی اس نے اس کو ڈھانپ لیا۔ مفسر لکھتے ہیں کہ شراب کو خمر اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے یعنی اس کو معطل کر دیتی ہے اور بندہ ہوش و حواس میں نہیں رہتا۔ اسی وجہ سے گھنے درخت کو بھی "الخمرالملتف" کہتے ہیں کیونکہ جو کچھ بھی اس کے نیچے ہوتا ہے یہ اس کو ڈھانپ لیتا ہے۔ اسی لفظ خمر سے ایک اور جملہ بولا جاتا ہے "اَخمرت الارضُ" اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب زمین پہ سبزہ گھنا اور زیادہ ہو جائے یہاں تک کہ زمین کو ڈھانپ لے۔[2] امام شوکانیؒ نے الخمر بمعنی الستر کے لئے دلیل درج ذیل شعر جاہلی کی صورت میں پیش کی ہے۔

أَلَا يَا زَيْدُ وَالضَّحَّاكُ سِيرَا ... فَقَدْ جَاوَزْتُمَا خَمْرَ الطَّرِيقِ[3] أَيْ جَاوَزْتُمَا الْوَهْدَ

ترجمہ و تجزیہ

اے زید اور ضحاک چلتے جاؤ یہاں تک کے راستہ کے نشیبی حصّہ کو تجاوز کر جاؤ۔ شرح المفصل کے مصنف نے لکھا ہے خمر الطریق سے مراد "کلّ ما یستر من شجر وغیرہ"[4] یعنی وہ راستہ ہے جس کو درختوں اور پودوں نے ڈھانپ دیا ہو۔ یہاں پر "خمراالطریق" کی ترکیب راستے کے ڈھانپے ہوئے حصّے کے لئے استعمال ہوئی ہے۔ علماء کرام کے درج ذیل اقوال بھی اسی معنی پہ شاہد ہیں۔ امام الفاسی الصوفی فرماتے ہیں کہ "الخمر في اللغة ما يستر الشيء ويغطيه"[5] صاحب مختار الصحاح امام رازی فرماتے ہیں کہ "التَّخْمِير" کا معنی "التَّغْطِيَةُ" ہے۔ کہا جاتا ہے "خَمِّرْ إِنَاءَكَ" یعنی اپنے برتن ڈھانپ دو۔[6]

---

[1] بقرہ:219

[2] شوکانی، فتح القدیر:1/252

[3] شُرَّاب، محمد بن محمد حسن، شرح الشواہد الشعریۃ في أمات الکتب النحویۃ:2/163

[4] ابن الصائغ، شرح المفصل:1/320

[5] فاسی صوفی، البحر المدید في تفسیر القرآن المجید:1/245

[6] رازی، مختار الصحاح:1/97

﴿قُلْ فِيهِما إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُما أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِما﴾ میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ "الخمر و المیسر" کا گناہ بڑا ہے۔ لیکن ساتھ ساتھ منافع بھی ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ الخمر کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ یہ عقل صحیح کو فاسد کر دیتی ہے پھر انسان سے وہ کام سرزد ہوتے ہیں جو فاسد عقل والے کرتے ہیں مثلا باہم گالم گلوچ، لڑائی جھگڑا اور فضول اور بے ہودہ گفتگو کرنا، نمازوں کا چھوٹ جانا وغیرہ رہی بات جوئے کی تو یہ انسان کو فقر وفاقہ اور مال کے ضیاع کی طرف لے جاتا ہے اور اس سے دشمنی اور قلبی وحشت پیدا ہوتی ہے۔ جہاں تک تعلق ہے شراب کے فوائد کا اس میں تجارتی فوائد اور وقتی خوشی اور چستی اور قوت قلبی وغیرہ اس کے علاوہ اصلاح معدہ اور قوت باء میں اضافہ بھی شامل ہے۔[1] شعراء عرب نے بھی شراب کے مفاسد ومنافع کا ذکر اپنے اشعار میں کیا ہے۔ امام شوکانی نے المخبّل ربیعۃ بن عوف بن قتال بن انف الناقۃ القریعی السعدي (متوفی 637ء) کے درجہ ذیل اشعار بطور استشہاد پیش کئے ہیں۔

فإذا شَرِبْتُ فَإِنَّنِي ... رَبُّ الْخَوَرْنَقِ وَالسَّدِيرِ
وَإِذَا صَحَوْتُ فَإِنَّنِي ... رَبُّ الشُّوَيْهَةِ وَالْبَعِيرِ[2]

ترجمہ وتجزیہ

جب میں شراب پیتا ہوں تو خود کو خورنق اور سدیر (فارسی محلات) کا مالک سمجھتا ہوں اور جب عقل نشے سے صحیح ہوتی ہے تو چھوٹی سی بکری اور اونٹ کا مالک ہوتا ہوں۔ حضرت حسان بن ثابت بن منذر بن حرام (متوفی 647ء) لکھتے ہیں۔

وَنَشْرَبُهَا فَتَتْرُكُنَا مُلُوكًا ... وَأُسْدًا مَا يُنَهْنِهُنَا اللِّقَاءُ[3]

اور ہم اسے پیتے ہیں اور یہ ہمیں ایسے بادشاہوں اور شیروں کے طور پر بنا چھوڑتی ہے جن کو (دشمن) سے ملاقات کچھ نہیں کہتی۔ عفیف صفوان بن امیہ[4] (متوفی 661ء) اس کے مفاسد کے بارے میں لکھتے ہیں۔

رَأَيْتُ الْخَمْرَ صَالِحَةً وَفِيهَا ... خِصَالٌ تُفْسِدُ الرَّجُلَ الْحَلِيمَا

---

[1] شوکانی، فتح القدیر: 1/253

[2] معری، أبو العلاء أحمد بن عبد الله، اللامع العزیزي شرح دیوان المتنبي (مرکز الملک فیصل للبحوث والدراسات الإسلامیۃ 2008ء)، ص 776

[3] حسان، أبو الولید ابن ثابت بن المنذر الخزرجي الأنصاري، دیوان حسان بن ثابت (دار الکتب العلمیۃ)، ص 19

[4] صفوان بن امیہ یہ امیہ بن خلف مشہور دشمن اسلام کے بیٹے تھے۔ غزوۂ طائف کے چند دنوں بعد مشرف اسلام ہوگئے۔ جنگ یرموک میں ایک دستہ کے افسر تھے۔ حضرت امیر معاویہ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔ (ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج 1، ص، 228)

فَلَا وَاللَّهِ أَشْرَبُهَا صَحِيحًا ... وَلَا أَشْفِي بِهَا أَبَدًا سَقِيمًا
وَلَا أُعْطِي بِهَا ثَمَنًا حَيَاتِي ... وَلَا أَدْعُو لَهَا أَبَدًا نَدِيمًا[1]

میں نے شراب کو اچھا دیکھا ہے لیکن اس میں ایسی خصلتیں ہیں جو حلیم آدمی کو بھی خراب کر دیتی ہیں۔ اللہ کی قسم اس کو میں تندرست حالت میں ہی پیتا ہوں اور کبھی بھی بیمار آدمی کو بطور شفا نہیں پلاتا۔ اور نہ ہی اس کو میں اپنی زندگی بطور قیمت دیتا ہوں اور نہ اس کی خاطر ہمیشہ کے لئے خود کو شرابی کہلواتا ہوں۔ مذکورہ بالا اشعار میں شراب کے فوائد بھی بیان کئے گئے لیکن نقصانات زیادہ بیان ہوئے ہیں۔

﴿وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ﴾[2] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانیؒ "عُرضة" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "عرضة" کا ایک معنی" النصبة" ہے۔ "عرضة" کا دوسرا معنی شدت اور قوت بھی کیا گیا ہے اور عربوں کا قول ہے کہ "عرضة بالنكاح" یہ اس عورت کے لئے بولا جاتا ہے جو نکاح کے قابل ہو اور اس پر قوت بھی رکھتی ہو۔ اور ایک اور محاورہ بولا جاتا ہے کہ "لفلان عرضة" یعنی فلان قوی ہے۔[3] امام شوکانی نے "عرضة" بمعنی قوۃ کی دلیل ابو شُرَیح اَوس بن حَجَر (متوفی 625ء) کے ایک شعر سے دی ہے۔

وأدماء مثل الفحل يَوْمًا عَرضتُهَا ... لِرَحْلِي وَفِيهَا هِزَّةٌ وَتَقَاذُفُ [4]

ترجمہ و تجزیہ

اور ایک گھوڑے کی طرح کا خون جس دن میں نے اس کی طاقتور پیٹھ کو اپنی سواری کے لئے استعمال کیا درآنحالیکہ اس میں لرزش اور اچھال تھی۔ "عرضتها لرحلی" کا مطلب سواری کے قابل ہونا اور قوی ہونا ہے۔ علماء کرام کے درج ذیل اقوال بھی اسی معنی پہ شاہد ہیں۔ امام ابن منظور فرماتے ہیں کہ "مَعْنَاهُ قُوَّةً لأَيمانكم"[5] اور امام جوہری فرماتے ہیں کہ "العُرْضَةُ الهمةُ"[6]

---

[1] ابو علی القالی، إسماعيل بن القاسم بن عيذون، الأمالي = شذور الأمالي = النوادر (دار الكتب المصرية 1926ء)، 1/204

[2] بقرہ: 224

[3] شوکانی، فتح القدیر: 1/263

[4] اوس بن حجر، أبو شريح بن مالك التميمي، دیوان اوس بن حجر (بیروت: دار بیروت للطباعة والنشر)، ص 64

[5] ابن منظور، لسان العرب: 7/178

[6] جوہری، الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية: 3/1090

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

"اللغو" سے مراد وہ کلام ہے جس سے کوئی دلیل نہ پکڑی جائے یا وہ کلام جس میں کوئی بھلائی نہ ہو۔ یعنی وہ ساقط کلام مراد ہے جو کسی شمار میں نا ہو۔ پس یمین لغو سے مراد وہ قسم ہے جس کو کسی شمار میں نہیں لایا جاتا اور اسی سے ایک ترکیب بولی جاتی ہے کہ "اللغوفی الدية" اس سے مراد اونٹ کا وہ چھوٹا بچہ ہے جو دیت میں شمار نہیں کیا جاتا ۔[2] اس معنی کی دلیل صاحب تفسیر نے أبو الشعثاء عبد اللہ بن رؤبة بن لبيد بن صخر السعدي التميمي المعروف عجاج کے درجہ ذیل شعر جاہلی سے پکڑی ہے۔

وَرُبَّ أَسْرَابِ حَجِيجٍ كُظَّمِ ... عَنِ اللَّغَا ورفث التّكلّم [3]

ترجمہ و تجزیہ

پرندوں کے شور وغل کرنے والے اکثر جھنڈ بے مقصد اور بے ہودہ گفتگو سے خاموش ہیں۔ اس شعر میں "كظم عن اللغا" کا مطلب ساکن عن الکلام اللغو ہے اور شعر کا مفہوم یہ ہے کہ کئی دفعہ بہت زیادہ بولنے والے پرندوں کے غول بھی فضول و بے ہودہ کلام سے حاموش ہوتے ہیں۔ امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ صاحب تفسیر بغوی فرماتے ہیں کہ اللغو كل ساقط مُطْرَحٍ مِنَ الْكَلَامِ لَا يُعْتَدُّ بِهِ[4] اور صاحب لسان العرب فرماتے ہیں کہ اللَّغْو واللَّغا السَّقَط وَمَا لَا يُعتدّ بِهِ مِنْ كَلَامٍ وَغَيْرِهِ وَلَا يُحصَل مِنْهُ عَلَى فَائِدَةٍ ولا نَفْعٍ۔[5]

﴿فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

مصنف فرماتے ہیں کہ "فاءُوا" بمعنی "رَجعوا" ہے۔ اور اسی سے قرآن کی ایک اور آیت بھی ہے کہ ﴿حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ﴾[7] یہاں بھی "تفیء" بمعنی "ترجع" ہے۔ اور زوال کے بعد سائے کے لئے بھی "فیء" کا لفظ استعمال ہوتا ہے کیونکہ سایہ زوال کے بعد مغرب کی جانب سے مشرق کی طرف لوٹتا ہے۔ اور اسی سے ایک محاورہ بولا

---

[1] بقرہ:225

[2] شوکانی، فتح القدیر:1/263

[3] عجاج، دیوان عجاج 1/456

[4] بغوی، تفسير البغوي:1/295

[5] ابن منظور، لسان العرب:15/250

[6] بقرہ:226

[7] حجرات:09

جاتاہے "انه لسر یع الفیئة" یعنی سریع الرجعة۔[1] امام شوکانیؒ نے "فاء یفئی" بمعنی "رجع یرجع" پر سحیم عبد بنی حسحاس[2] (متوفی 660ء) کے درج ذیل شعر جاہلی سے استشہاد پیش کیا ہے۔

فَفَاءَتْ وَلَمْ تَقْضِ الَّذِي أَقْبَلَتْ لَهُ ... وَمِنْ حَاجَةِ الْإِنْسَانِ مَا لَيْسَ قَاضِيَا [3]

ترجمہ و تجزیہ

وہ لوٹ گئی اور جس کے لیے وہ آئی تھی وہ مقصد و حاجت پوری نہیں ہوئی۔ اور انسان کی کوئی حاجت ایسی بھی ہوتی ہے جو پوری نہیں ہوتی۔ اس شعر میں فاءَت "فاء یفیء" سے فعل ماضی معروف واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔ اور یہاں یہ "رَجَعت" کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ صاحب تفسیر قرطبی فرماتے ہیں کہ فَإِنْ فاءَتْ" کا مطلب رَجَعَتْ ہے۔[4] اور صاحب مختار الصحاح فرماتے ہیں کہ فَاءَ کا معنی رَجَعَ ہے۔[5]

﴿مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

"حَبَّة" کی تفسیر میں صاحب تفسیر نے لکھاہے کہ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کو ابن آدم کاشت کرتا ہے یعنی جس کو زمین میں ڈالتا ہے ۔[7] امام شوکانیؒ نے اس معنی پر استشہاد جریر بن عبد المسیح الضبعی المعروف متلمس[8] (متوفی 580ء) کے اس شعر سے کیاہے۔

---

[1] شوکانی، فتح القدیر: 1/ 268

[2] سحیم عبد بنی حسحاس ایک حبشی غلام شاعر تھا۔ وہ حجاز میں پروان چڑھا۔ زبان میں لکنت تھی اور فحش غزل کہنے میں مشہور تھا۔ وہ مخضرم شاعر تھا۔ 660ء میں بنو حسحاس کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا۔ (طبقات الشعراء، ابن سلام، ص، 44)

[3] خالدیان، أبو بکر محمد بن هاشم الخالدي، وأبو عثمان سعيد بن هاشم الخالدي، حماسة الخالديين = بالأشباه والنظائر من أشعار المتقدمين والجاهليين والمخضرمين (السورية: وزارة الثقافة، 1995ء)، ص61

[44] قرطبی، تفسیر قرطبی: 16/ 316

[5] رازی، مختار الصحاح: 1/ 245

[6] بقرہ: 261

[7] شوکانی، فتح القدیر: 1/ 325

[8] جریر بن عبد المسیح الضبعی المعروف متلمس (متوفی 580ء) کو جریر بن عبد العزی بھی کہا جاتا تھا، قبیلہ ذبحہ بن قیس بن ثعلبہ، بکر بن وائل کے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ طرفہ بن عبد کا ماموں تھا۔ (ابن قتیبۃ، الشعر والشعراء، (دار المعارف: بیروت)

آلَيْتُ حَبَّ الْعِرَاقِ الدَّهْرَ أَطْعَمُهُ ... وَالْحَبُّ يَأْكُلُهُ فِي الْقَرْيَةِ السُّوسُ[1]

ترجمہ و تجزیہ

میں قسم کھاتا ہوں کہ (عمرو بن ہند[2] کے) زمانے میں عراق[3] کا اناج نہیں کھاؤں گا۔ کیونکہ شام میں اناج و دانہ اتنا ہے کہ اس کو گھن کھا رہا ہے۔ شرح شواہد الشعریہ میں لکھا ہے کہ اصل عبارت یوں ہو گی "لاَ اَطعم حب العراق" اور دوسرے مصرعے میں "قرية" سے مراد شام ہے۔ یہ شعر متلمس[4] (جریر بن عبد المسیح جو کہ طرفہ کا ماموں تھا) کا ہے اور اس میں وہ عمرو بن ہند والی حیرہ کو مخاطب کر رہا ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ متلمس اور طرفہ بن عبد نے عمرو بن ہند کی ہجو کی۔ طرفہ کو قتل کر دیا گیا اور متلمس شام بھاگ گیا۔ عمرو بن ہند نے متلمس کی واپسی کے لئے خط لکھا تو متلمس نے جواب میں یہ شعر کہا اور اس نے حلف اٹھایا کہ وہ عراق کا دانہ (اناج) نہیں کھائے گا کہ شام میں اناج بہت کثرت سے موجود ہے۔ اَطعمه سے پہلے لا نافیہ مقدر ہے جس طرح قرآن مجید میں ہے ﴿تاالله تفتأُ تذكر يوسف﴾ ای لاَ تفتأ اور یہ باب اشتغال میں سے ہے "فلفظ حبّ منصوب بإضمار فعل"[5] شعر کے دونوں مصرعوں میں لفظ حب ہر قسم کے اناج کے لئے استعمال ہوا ہے جس کو انسان اپنے استعمال میں لاتا ہے۔ اسی طرح درج ذیل اقوال علماء بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ أيسر التفاسير لكلام العلي الكبير کے مصنف فرماتے ہیں کہ "الحب اسم جنس لكل ما يزرعه الإنسان ويقتاته"۔[6] لسان العرب کے مصنف فرماتے ہیں کہ "خبأ خَبَأَ الشيءَ يَخْبَؤُه خَبْأً سَتَرَه والخَبْءُ الَّذِي فِي الأَرض هُوَ النَّبات"[7]

---

[1] ابن الشجري، ضياء الدين أبو السعادات هبة الله بن علي بن حمزة، مختارات شعراء العرب لابن الشجري (مصر: مطبعة الاعتماد، 1925ء)، 1/32

[2] اسکا سن وفات تقریبا 45 قبل ہجری بمطابق تقریبا 578 عیسوی ہے۔ عمرو بن منذر اللخمی زمانہ جاہلیت میں حیرہ کا بادشاہ تھا۔ وہ اپنی والدہ ہند جو کہ عمرو القیس کی خالہ تھی کی طرف نسبت کی وجہ سے ہند کہلاتا تھا۔ اس نے پندرہ سال تک حکومت کی اور عمرو بن کلثوم کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اور اسی کے دور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ (زرکلی، اعلام: 5/86)

[3] عراق ایشیا کا ایک اہم عرب اور مسلمان ملک ہے۔ تیل کے ذخائر میں دنیا میں دوسرے نمبر پر ہے۔ اس کے جنوب میں کویت اور سعودی عرب، مغرب میں اردن ، شمال مغرب میں شام، شمال میں ترکی اور مشرق میں ایران کردستان علاقہ ہے۔ https://ur.wikipedia.org/wiki اخذ شدہ بتاریخ 19 اگست، 2023

[4] انکا سن وفات تقریبا 50 قبل ہجری بمطابق تقریبا 570 عیسوی ہے۔ جریر بن عبد العزی یا عبد المسیح کا تعلق بنی ضبیعہ سے تھا۔ جاہلی شاعر اور بحرین کے باسی تھے۔ طرفہ بن العبد انکا بھانجا تھا۔ اس نے عمرو بن ہند (والیء عراق) کی ہجو کی وہ اس کے قتل کے درپے تھا مگر بصرہ میں اسکی طبعی موت واقع ہو گئی۔ (زرکلی، اعلام: 2/119)

[5] شراب، شرح الشواهد الشعرية في أمات الكتب النحوية: 2/12

[6] جزائری، أيسر التفاسير لكلام العلي الكبير: 1/253

[7] ابن منظور، لسان العرب: 1/62

﴿فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

مفسر نے "السفیه" کی تعریف کچھ یوں کی ہے سفیہ وہ شخص ہے جسکی حسن تصرف میں کوئی رائے نہ ہو۔ اور وہ چیزوں کا لین دین بطریق احسن نہ کر سکے۔ اہل عرب السفہ کا اطلاق کبھی تو ضعف عقل پر کرتے ہیں اور کبھی کمزور بدن پر کرتے ہیں۔[2] امام شوکانیؒ نے السفہ بمعنی ضعیف العقل کی دلیل طرفہ بن العبد (متوفی 569ء) کے درج ذیل شعر جاہلی سے پکڑی ہے۔

نَخَافُ أَنْ تَسْفَهَ أَحْلَامُنَا ... وَنَجْهَلَ الدَّهْرَ مَعَ الْجَاهِلِ[3]

ترجمہ و تجزیہ

ہمیں ڈر ہے کہ کہیں ہمارے نوجوان بیوقوفی نہ کر بیٹھیں اور ہم کہیں جاہل اہل زمانہ کے ساتھ جاہل نہ ہو جائیں۔ اس شعر میں "أَنْ تَسْفَهَ" واحد مضارع مؤنث غائب کا صغیہ ہے اور یہ "السفہ" سے مشتق ہے اور یہاں یہ کم عقلی کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور اس کا قرینہ اگلے مصرعے میں لفظ جاہل ہے۔ امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ صاحب تفسیر روح البیان کے نزدیک بھی سَفِيهاً بمعنی ناقص العقل ہے[4] صاحب تفسیر أیسر التفاسیر لکلام العلی الکبیر کے نزدیک بھی السفیہ سے مراد ایسا شخص ہے جو "لا يحسن التصرفات المالية"[5] صاحب لسان العرب کے نزدیک بھی السَّفِيهُ کا مطلب "خفيفُ الْعَقْلِ" ہے ۔[6]

﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا﴾[7] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

صاحب تفسیر "اصرًا " کی تفسیر میں درج ذیل معانی ذکر کرتے ہیں "الاصر" سے مراد وہ بھاری بھر کم بوجھ ہے جو اپنے اُٹھانے والے کو اپنے نیچے دبالیتا ہے اور وہ اس بوجھ کی وجہ سے کھڑا نہیں رہ سکتا۔ یہ اس کا لغوی معنی ہے۔ آیت میں اس سے مراد سخت تکلیف اور انتہائی مشکل کام ہے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ "اِصر" سے مراد عمل کی

---

[1] بقرہ:282

[2] شوکانی، فتح القدیر:1/345

[3] منقذ کنانی، أبو المظفر مؤید الدولة مجد الدین أسامة بن مرشد، لباب الآداب (القاہرة: مکتبة السنة 1987ء)، ص358

[4] اسماعیل حقی، روح البیان:1/440

[5] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر:1/272

[6] ابن منظور، لسان العرب:13/499

[7] بقرہ:286

شدت اور وہ سختی ہے جو بنی اسرائیل پر مسلط کی گئی کہ وہ اپنے نفسوں کو خود قتل کر دیں اور نجاست والی جگہ کو کاٹ دیں وغیرہ۔[1] امام شوکانیؒ نے "اِصر" بمعنی مشقت کا استشہاد نابغہ ذبیانی (متوفی 604ء) کے درجہ ذیل شعر جاہلی سے کیا ہے۔

يَا مَانِعَ الضَّيْمِ أَنْ تَغْشَى سَرَاتَهُمُ ... وَالْحَامِلَ الإصر عنهم بعد ما غَرِقُوا[2]

ترجمہ وتجزیہ

اے ظلم کو روکنے والے، اہل شہر سے ان کے غرق ہونے کے بعد انکا بھاری بوجھ کو اٹھانے والے۔ اس شعر کے دوسرے مصرعے میں "الحامل الاصر" کی ترکیب بوجھ اُٹھانے والے کے معنی میں استعمال ہوئی ہے۔ یعنی لفظ الاصر بوجھ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ آیت میں بھی "اِصرًا" کا لفظ الثقل یعنی بوجھ اور مشقت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ علماء کرام کے درج ذیل اقوال بھی اسی معنی پہ شاہد ہیں۔ تفسیر روح المعاني میں ہے کہ إِصْراً کا معنی "عبئا ثقيلا" ہے۔[3] اسی طرح تفسیر بیضاوی میں ہے کہ إصرا کا معنی "عبأ ثقيلا" ہے۔[4] الصحاح تاج اللغہ وصحاح العربیہ میں الإِصْرُ کا معنی الذنبُ والثِقلُ درج ہے۔[5]

﴿كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

صاحب تفسیر "دَأْب" کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "دَأْب" کا ایک مطلب اجتہاد یعنی محنت کرنا ہوتا ہے۔ عربوں کے ہاں ایک مشہور محاورہ ہے کہ "دأب الرجل في عمله" یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی آدمی اپنے کام میں خوب محنت ومشقت کرے۔ اس سے مضارع یدأبُ آتا ہے بروزن يفعلُ اور مصدر دَأبًا بھی آتا ہے اور دؤوبًا بھی آتا ہے۔ رات اور دن کے لئے "دائبان" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ "دَأْب" کا دوسرا معنی ہے عادت اور طریقہ اور آیت میں بھی یہی معنی مراد ہے۔[7] مفسر نے "دَأْب" بمعنی عادت کا استشہاد امرُؤُالقَیس (متوفی 545ء) کے درج ذیل شعر جاہلی سے کیا ہے۔

---

[1] شوکانی، فتح القدیر: 1/ 354

[2] نابغہ ذبیانی، دیوان النابغۃ الذبیاني، ص 231

[3] آلوسی، روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني: 2/ 68

[4] بیضاوی، تفسیر البیضاوي: 1/ 587

[5] جوہري، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ: 2/ 579

[6] الٰ عمران: 11

[7] شوکانی، فتح القدیر: 1/ 368

كَدَأْبِكَ مِنْ أُمِّ الْحُوَيْرِثِ قَبْلَهَا ... وَجَارَتِهَا أُمِّ الرَّبَابِ بمأسل[1]

ترجمہ و تجزیہ

تمہاری عادت کی طرح ہی عادت تھی اس سے پہلے ام حویرث کی اور اس کی لونڈی ام رباب کی مقام ماسل میں۔ امرُؤُ القَیْس (متوفی 545ء) نے اس شعر میں لفظ "دَأْب" کو عادت اور طور طریقے کے معنی میں استعمال کیا ہے۔اس بات سے واضح ہو جاتا ہے کہ عربوں کے ہاں لفظ "دَأْب" عادت اور طریقے کے معنی میں رائج تھا اور قرآن نے بھی اس کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔ علماء کرام کے درج ذیل اقوال بھی اسی معنی پہ شاہد ہیں۔لسان العرب میں ہے کہ الدَّأْبُ کا معنی "العادةُ والشَّأْنُ" ہے۔[2] اسی طرح روح المعانی میں بھی ہے کہ الدَّأْبُ کا معنی "العادةُ والشَّأْنُ" ہے۔[3]

﴿وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ﴾[4] **میں استشہاد بالشعر الجاہلی** امام شوکانیؒ نے "الْمَآب" کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ "الْمَآب" کا مطلب مرجع ہے یعنی لوٹنے کی جگہ۔ "الْمَآبِ" اسم ظرف کا صیغہ ہے۔ "اب یوؤب ایاباً" اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی واپس آجائے۔[5] ایاب بمعنی رجوع کی دلیل امام شوکانیؒ نے امرُؤُ القَیْس (متوفی 545ء) کے درجہ ذیل شعر سے پکڑی ہے۔

وَقَدْ طَوَّفْتُ فِي الْآفَاقِ حَتَّى ... رَضِيتُ مِنَ الْغَنِيمَةِ بِالْإِيَابِ[6]

ترجمہ و تجزیہ

میں نے پوری دنیا کا چکر لگایا حتی کہ میں مال غنیمت حاصل کر کے (وطن) لوٹنے پر راضی ہو گیا۔ اس شعر میں لفظ الایاب، رجوع کے معنی استعمال ہوا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے لفظ المآب جو کہ الایاب سے مشتق ہے وہ بھی مرجع کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ علماء کرام کے درج ذیل اقوال بھی اسی معنی پہ شاہد ہیں۔ تفسیر بیضاوی میں ہے کہ "المآب" کا معنی "المرجع" ہے۔[7] اسی طرح مختار الصحاح میں بھی "الْمَآب" کا معنی "الْمَرْجِعُ" درج ہے۔[8]

---

[1] امرُؤُ القَیْس، دیوان امرئ القیس، ص25

[2] ابن منظور، لسان العرب: 1/369

[3] آلوسی، روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني: 2/91

[4] آلِ عمران: 14

[5] شوکانی، فتح القدیر: 1/371

[6] امرُؤُ القَیْس، دیوان امرئ القیس، ص79

[7] بیضاوی، تفسیر البیضاوي: 2/15

[8] رازی، مختار الصحاح ص25

﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ﴾[1] **میں استشہاد بالشعر الجاہلی**

الابتھال کا مطلب ہے لعنت بھیجنے اور ہلاکت کی دعا میں خوب کوشش کرنا۔ اسی طرح "بھله الله" کا مطلب ہے اللہ نے فلان پر لعنت برسائی اور البھل کا لفظی مطلب ہے لعنت بھیجنا اور ابو عبیدہ اور امام کسائی[2] فرماتے ہیں کہ نبتھل بمعنی "نلتعن" ہے۔ اور اس کا اطلاق کسی کو ہلاک کرنے کی کوشش کرنے کے معنی پر بھی ہوتا ہے۔ یعنی وہ ہلاک کرنے کی بد دعا ہو یا مطلقا ہلاک کی کوشش ہو[3]۔ الابتھال بمعنی الاجتہاد فی الہلاک کی دلیل ابو عقیل لبید بن ربیعہ عامری (متوفی 661ء) کے درج ذیل شعر جاہلی سے پکڑی گئی ہے۔

فِي كُهُولٍ سَادَةٍ مِنْ قَوْمِهِ ... نَظَرَ الدَّهْرُ إِلَيْهِمْ فَابْتَهَلْ[4] أَيْ فَاجْتَهَدَ فِي هَلَاكِهِمْ

ترجمہ و تجزیہ

سردار کے بڑھاپے میں اہل زمانہ نے انکی طرف توجہ کی اور انکی ہلاکت میں خوب محنت سے کام لیا۔ بقول امام شوکانی، اس شعر میں لفظ فابتھل بمعنی اجتہاد فی الہلاکۃ استعمال ہوا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آیت میں لفظ "نَبْتَهِلْ" ہلاکت کی دعا میں محنت و کوشش کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس معنی کا قرینہ اسی آیت کا اگلا حصہ ﴿فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ﴾ ہے۔ امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ صاحب کشاف عن حقائق غوامض التنزیل فرماتے ہیں کہ "البهلة بالفتح والضم" کا معنی "اللعنة" ہے۔[5] صاحب تفسیر الوسیط للقرآن الکریم فرماتے ہیں کہ "ثُمَّ نَبْتَهِلْ" کا معنی "ثم ندع الله" ہے۔[6]

---

[1] ال عمران:61

[2] آپ کا مکمل اسم گرامی علی بن حمزہ بن عبد اللہ بن قیس بن فیروز الاسدی الکوفی المعروف بالکسائی ہے۔ آپ کا شمار قراء سبعہ میں ہوتا ہے۔ آپ اصلا عجمی ہیں۔ آپ 737ء میں پیدا ہوئے اور 805ء میں فوت ہوئے۔ آپ کی مشہور تصنیف کتاب فی القرات ہے۔ (محمد احمد مفلح القضاۃ، احمد خالد شکری، محمد خالد منصور، مقدمات فی علم القراءات)

[3] شوکانی، فتح القدیر:1/398

[4] لبید، دیوان لبید بن ربیعة العامري، ص97

[5] زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل:1/368

[6] مجموعة من العلماء، التفسیر الوسیط للقرآن الکریم:1/583

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانی، امام احفش کا قول نقل فرماتے ہیں کہ "خَيْرَ أُمَّةٍ" سے خیر اہل دین مراد ہیں۔ ان کے نزدیک لفظ "أُمَّةٍ" دین کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔[2] "أُمَّة" بمعنی دین کی دلیل میں درج ذیل نابغہ ذبیانی (متوفی 604ء) کے شعر جاہلی کو بطور دلیل پیش کیا ہے۔

حَلَفْتُ فَلَمْ أَتْرُكْ لِنَفْسِكَ رِيبَةً ... وَهَلْ يَأْثَمَنْ ذُو أُمَّةٍ وَهُوَ طَائِعُ[3]

ترجمہ و تجزیہ

میں نے قسم اٹھائی تا کہ تمھارے دل میں کوئی شک نہ چھوڑوں اور کیا صاحب دین جبکہ وہ مطیع بھی ہو گناہ کرتا ہے۔ اس شعر میں "ذو أُمَّةٍ" بمعنی ذو دین استعمال ہوا ہے۔ اس کا قرینہ یاثمن اور طائع ہے۔ اس طرح آیت میں بھی "خَيْرَ أُمَّة" سے مراد خیر اہل دین ہیں۔ علماء کرام کے درج ذیل اقوال بھی اسی معنی پہ شاہد ہیں۔ الصحاح تاج اللغہ وصحاح العربیہ کے مصنف کے نزدیک اس کا مطلب "خيرَ أَهْلِ دين" ہے۔[4]

اسی طرح تفسیر قرطبی کے مصنف کے نزدیک بھی اس کا مطلب "خَيْرَ أَهْلِ دِين" ہی ہے۔[5]

﴿لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

مفسر فرماتے ہیں یہ جملہ محلہ نصب میں ہے بطانۃ کی صفت ہونے کے اعتبار سے یا اس کا حال واقع ہونے کی وجہ سے لفظ "ال يالُ" "قصَرَ يقصر" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ عرب کہتے ہیں "لَا أَلُوكَ جَهْدًا" یعنی میں محنت میں کوئی کمی نہیں چھوڑوں گا۔[7] امام شوکانیؒ نے اس کی معنی دلیل میں امرُ وُالقَیس (متوفی 545ء) کا درج ذیل شعر پیش کیا ہے۔

وَمَا الْمَرْءُ مَا دَامَتْ حَشَاشَةُ نَفْسِهِ ... بِمُدْرِكِ أَطْرَافِ الْخُطُوبِ وَلَا آلِ[8]

---

[1] ال عمران:110

[2] شوکانی، فتح القدیر:1/425

[3] نابغہ ذبیانی، دیوان النابغۃ الذبیانی، ص35

[4] جوہری، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ:5/1864

[5] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن:4/170

[6] ال عمران:118

[7] شوکانی، فتح القدیر:1/430

[8] امرُ وُالقَیس، دیوان امرئ القیس، ص39

ترجمہ و تجزیہ

جب تک کوئی شخص اپنے آپ سے شرمندہ ہوتا ہے اسے دوسروں کی معاملات کا علم نہیں ہوتا نہ وہ اس طرف مائل ہوتا ہے۔ امرؤالقیس نے اس شعر میں لفظ "وَلَا آلِ" بمعنی "ولا اقصر" استعمال کیا ہے اور آیت میں بھی یہی معنی مراد ہیں کہ وہ تمہیں نقصان پہنچانے میں کوئی کمی نہیں کرتے۔ علماء کرام کے درج ذیل اقوال بھی اسی معنی پہ شاہد ہیں۔ تفسیر بیضاوی کے مصنف کے نزدیک الألو کا مطلب التقصیر ہے۔[1] الصحاح تاج اللغة وصحاح العربیة کے مصنف کے نزدیک "أَلَاالرجل يَأْلو کا مطلب قَصَّرَ ہے۔[2]

"خَبَالًا" کی تفسیر میں امام موصوف فرماتے ہیں کہ "الخبل" کا مطلب افعال و ابدان و عقول میں فساد ہے۔[3]

"الخبل" بمعنی فساد کا استشہاد ابو شُرَیح اَوس بن حَجَر (متوفی 625ء) کے درج ذیل شعر سے کیا گیا ہے۔

أَبَنِي لُبَيْنَى لَسْتُمْ بِيَدٍ ... إِلَّا يَدًا مَخْبُولَةَ الْعَضُدِ[4] أَيْ فَاسِدَةَ الْعَضُدِ

ترجمہ و تجزیہ

میرے لیے چھوٹی اینٹ تیار کر، تیرا کوئی ہاتھ نہیں سوائے ایک کمزور بازو کے ہاتھ کے۔ یہاں پر "مخبولة العضد" کہنیوں کے فساد کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح تفسیر الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل میں بھی "الخبال" کا معنی "الفساد" درج ہے۔[5]

﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

"سُنَنٌ" سے مراد وہ برتاؤ اور طریقہ ہے جو سابقہ امتوں کے ساتھ اللہ پاک نے اختیار فرمایا اور لفظ "سُنَنٌ" "سنة کی جمع ہے اور سیدھے راستے کو سنت کہتے ہیں۔[7] لفظ سنت بمعنی راستہ اور طریقہ کی دلیل ابو عقیل لبید بن ربیعہ عامری (متوفی 661ء) درج ذیل شعر جاہلی سے پکڑی گئی ہے۔

---

[1] بیضاوی، أنوار التنزیل وأسرار التأویل: 2/35

[2] جوہری، الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية: 6/2270

[3] شوکانی، فتح القدیر: 1/431

[4] حمیری، نشوان بن سعید الیمني، الحور العین 2/281 (یہ شعر اوس کا ہے۔)

[5] زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل: 1/406

[6] ال عمران: 137

[7] شوکانی، فتح القدیر: 1/439

مِنْ مَعْشَرٍ سَنَّتْ لَهُمْ آبَاؤُهُمْ ... وَلِكُلِّ قوم سنّة وإمامها[1]

ترجمہ وتجزیہ

مختلف گروہوں کے لئے ان کے اباءواجداد نے راستے متعین کئے ہیں اور ہر قوم کا ایک طریقہ، راستہ ہے اور ایک پیشوا ہوتا ہے۔ اس شعر میں لفظ "سَنَّتْ "اور "سنّة" طریقہ اور راستہ کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں اسی طرح آیت میں بھی لفظ سنن طریقہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح درج ذیل اقوال علماء بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ صاحب تفسیر ایسر التفاسیر ،امام جزائری فرماتے ہیں کہ "هي السيرة والطريقة التي يكون عليها الفرد أو الجماعة"[2] صاحب تفسیر البحر المدید امام فاسی فرماتے ہیں کہ "السّنن الطرق المسلوكة"[3]

﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا ﴾[4] **میں استشہاد بالشعر الجاہلی** باطل کا ایک مطلب ہے زائل ہونے والا، چلا جانے والا۔ امام شوکانیؒ نے باطل بمعنی زائل کا استشہاد ابو عقیل لبید بن ربیعہ عامری(متوفی 661ء) کے درج ذیل شعر جاہلی سے کیا ہے۔[5]

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهَ بَاطِلُ[6]

ترجمہ وتجزیہ

اللہ کے سوا ہر چیز زائل ہونیوالی ہے۔ اس شعر میں باطل اپنے اصل معنی یعنی ناحق کے معنی میں استعمال نہیں ہوا کیونکہ اس سے تو تمام انبیاء اور ادیان کا بطلان لازم آتا ہے۔ یہاں پر باطل بمعنی زائل ہے۔ درج ذیل اقوال علماء بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ علامہ آلوسی رقمطراز ہیں کہ باطل کا معنی "الذاهب الزائل الذي لا يكون له قوة وصلابة" ہے۔[7]

---

[1] لَبید، دیوان لبید بن ربیعۃ العامري، ص26

[2] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر: 1/ 381

[3] فاسی صوفی، البحر المدید في تفسیر القرآن المجید: 1/ 411

[4] ال عمران: 191

[5] شوکانی، فتح القدیر: 1/ 471

[6] لَبید، دیوان لبید بن ربیعۃ العامري، ص85

[7] آلوسی، روح المعاني في تفسیر القرآن العظیم والسبع المثاني: 2/ 370

﴿رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانی فرماتے ہیں کہ "أَخْزَيْتَهُ" بمعنی "اهلكته" استعمال ہوتا ہے۔[2] اس کی دلیل درج ذیل شعر جاہلی سے پکڑی گئی ہے۔

أَخْزَى الْإِلَهُ بَنِي الصَّلِيبِ عُنَيْزَةً ... وَاللَّابِسِينَ مَلَابِسَ الرُّهْبَانِ[3]

ترجمہ وتجزیہ

اللہ نے بنی صلیب کو ہلاک کر دیا درآنحالیکہ وہ راہبوں والا لباس پہنے ہوئے تھے۔ اس شعر میں " اخزی " بمعنی اہلک استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح آیت میں بھی أَخْزَيْتَهُ بمعنی اهلكته ہی استعمال ہوا ہے۔ درج ذیل اقوال علماء بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ صاحب تفسیر الوسیط للقرآن الکریم فرماتے ہیں کہ أَخْزَيْتَهُ کا معنی أهلكته ہے۔[4] تفسیر بغوی کے مؤلف امام بغوی فرماتے ہیں کہ أَخْزَيْتَهُ، کا معنی أَهَنْتَهُ اور أَهْلَكْتَهُ ہے۔[5] امام ابن منظور فرماتے ہیں کہ "قَدْ يَكُونُ الخِزْيُ بِمَعْنَى الْهَلَاكِ وَالْوُقُوعِ فِي بَلِيَّةٍ"[6]

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا﴾[7] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانی "صَابِرُوا" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "مصابرة" کا معنی دشمن کے مقابلے میں صبر سے کام لینا۔ اور جمہور مفسرین کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ میدان جنگ میں مشکلات پر صبر کر کے کافروں پر غالب آجاؤ۔[8] مصابرة بمعنی دوران حرب مصائب پر صبر کی دلیل عنترہ بن شداد بن العبسی المصری (متوفی 608ء) کے درج ذیل شعر سے پکڑی گئی ہے۔

فَلَمْ أَرَ حَيًّا صَابَرُوا مِثْلَ صَبْرِنَا ... وَلَا كَافَحُوا مِثْلَ الَّذِينَ نُكَافِحُ[9] أَيْ صَابَرُوا الْعَدُوَّ فِي الْحَرْبِ

---

[1] ال عمران:192

[2] شوکانی، فتح القدیر:1/471

[3] ایضا:6/143 (یہ شعر مجہول ہے)

[4] مجموعۃ من العلماء، التفسیر الوسیط للقرآن الکریم:2/727

[5] بغوی، تفسیر بغوی:1/556

[6] ابن منظور، لسان العرب:14/227

[7] الٰ عمران:200

[8] شوکانی، فتح القدیر:1/475

[9] عنترۃ، دیوان عنترۃ بن شداد، ص33

ترجمہ و تجزیہ

میں نے کسی زندہ شخص کو نہیں دیکھا، جس نے (میدان جنگ میں مصائب پر) ہمارے صبر کی طرح صبر کیا ہو۔ اور نہ ہی انہوں نے اتنی جدوجہد کی جتنی ہم نے کی۔ عنترہ نے میدان جنگ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا کہ دشمن کے کسی زندہ شخص کو میں نے میدان جنگ میں مصائب پر صبر کرتے نہیں دیکھا۔ اس طرح آیت میں بھی لفظ صابروا میدان جنگ کے مصائب برداشت کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ علماء کرام کے درج ذیل اقوال بھی اسی معنی پہ شاہد ہیں۔ امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب "مصابرة العِدى" ہے[1] صاحب تفسیر الوسیط للقرآن الکریم فرماتے ہیں کہ المصابرة کا معنی مغالبة العدو في الصبر ہے۔[2]

﴿ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانیؒ نے "أَلَّا تَعُولُوا" کا معنی "لا تجوروا" یعنی تم سے ظلم نہ ہو بیان کیا ہے۔ اور تم ایک طرف زیادہ جھکاؤ کی وجہ سے ظلم کے مرتکب نہ ہو۔ اور یہ لفظ "عال الرجل يعول" سے ماخوذ ہے اور "عال الرجل" اس وقت بولا جاتا ہے جب بندہ ایک طرف جھک جائے اور اس سے ظلم سرزد ہو۔ اور اسی سے ہے "عَالَ السَّهْمُ عَنِ الْهَدَفِ" یعنی تیر اپنے نشانے سے ہٹ گیا ایک طرف مڑ گیا۔ اور اس طرح "عال الميزان" اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ ایک طرف زیادہ جھک جائے۔[4] عال بمعنی مال کی دلیل میں شوکانیؒ نے عبد مَناف بْن عَبْدُ الْمُطلب بن ہاشم (متوفی 619ء) کے درج ذیل اشعار سے استشہاد کیا ہے۔

بِمِيزَانِ صِدْقٍ لَا يَغُلُّ شَعِيرَةً ... لَهُ شَاهِدٌ مِنْ نَفْسِهِ غَيْرُ عَائِلِ[5]

ترجمہ و تجزیہ

صدق کے میزان میں ذرا بھی کھوٹ نہیں ہوتی وہ بذات خود ہی گواہ ہوتا ہے اور جھکنے والا نہیں ہوتا۔ اس شعر میں غیر عائل بمعنی غیر مائل یعنی میزان کی صفت واقع ہو رہا ہے۔ اور عائل بمعنی مائل یعنی جھکنے والا کے معنی میں ہے۔ اسی طرح جرول بن اَوس بن مالک اَبو ملیكة العبسی المعروف الحطیئہ (متوفی 674ء) ایک اور شعر ہے کہ

---

[1] راغب اصفہانی، تفسیر الراغب اصفہانی: 3/1067

[2] مجموعة من العلماء، التفسير الوسيط للقرآن الكريم: 2/737

[3] نساء: 3

[4] شوکانی، فتح القدير: 1/484

[5] شُرّاب، شرح الشواهد الشعرية في أمات الكتب النحوية: 2/322

فَنَحْنُ ثَلَاثَةٌ وَثَلَاثُ ذَوْدٍ ... لَقَدْ عَالَ الزَّمَانُ عَلَى عِيَالِ[1]

ترجمہ و تجزیہ

ہم تین ہیں اور تین بچے ہیں ۔ تحقیق زمانے نے میرے خاندان کے ساتھ ظلم کیا۔ اس شعر عال الزمال بمعنی اجار الزمان یعنی زمانے نے میرے گھر والوں پر ظلم کیا۔ عال کا ایک دوسرا معنی بھی ہوتا ہے اور اس وقت یہ "عال یعیل" سے آتا ہے۔ اور اس وقت اس کا معنی ہوتا ہے فقیر ہونا غریب ہونا۔ اس معنی پر استشہاد امرُ وُالقَیس (متوفی 545ء) کے درج ذیل شعر سے کیا گیا ہے۔

وَمَا يَدْرِي الْفَقِيرُ مَتَى غِنَاهُ ... وَمَا يَدْرِي الْغَنِيُّ مَتَى يَعِيلُ[2]

ترجمہ و تجزیہ

فقیر نہیں جانتا کہ کب غنی ہو جائے اور غنی نہیں جانتا کہ کب غریب ہو جائے۔ اس شعر میں لفظ یعیل بمعنی یفتقر ہے۔ یعنی غریب ہو جانا فقیر ہو جانا۔ امام شافعیؒ نے "لا تعولوا" کو "لاتکثرعیالکم" کے معنی میں لیا ہے۔ اس پر اَبو عمر الدوری کے درج ذیل شعر جاہلی سے استشہاد کیا گیا ہے۔

وَإِنَّ الْمَوْتَ يَأْخُذُ كُلَّ حَيٍّ ... بِلَا شَكٍّ وَإِنْ أَمَشَى وَعَالَا[3] أَيْ وَإِنْ كَثُرَتْ مَاشِيَتُهُ وَعِيَالُهُ[4]

ترجمہ و تجزیہ

اور بے شک موت ہر زندہ شخص کو اچک لیتی ہے اگرچہ اسکے مال و منال کثیر ہی کیوں نہ ہوں۔ اس شعر میں "أَمَشَى وَعَالَ" بمعنی "كثرت ماشيته وعياله" استعمال ہوا ہے۔ ان تمام معانی میں سے عال بمعنی "مال وجار" کا معنی آیت میں مراد لینے کے لئے موزوں ترین معنی ہے۔ علماء کرام کے درج ذیل اقوال بھی اسی معنی پہ شاہد ہیں۔ لسان العرب کے مصنف فرماتے ہیں کہ أَلَّا تَعُولُوا أَي لَا تَجُورُوا وَتَمِيلُوا[5] مختار الصحاح کے مصنف فرماتے ہیں کہ " لَا تَمِيلُوا وَلَا تَجُورُوا يُقَالُ (عَالَ) فِي الْحُكْمِ أَيْ جَارَ وَمَالَ"[6]

---

[1] حطیئہ، دیوان الحطیئہ، ص395

[2] منقذ الکنانی، لباب الآداب، ص127

[3] شوکانی، فتح القدیر: 6/130

[4] ایضا: 1/484

[5] ابن منظور، لسان العرب: 4/115

[6] رازی، مختار الصحاح، ص221

﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ لفظ "التَّحَصُّن" کے اصل معنی ہیں منع کرنا، روکنا، اسی سے ارشاد باری تعالیٰ ﴿لِتُحْصِنَكُم مِّن بَأْسِكُمْ﴾[2] لتمعنكم کے معنی میں ہے۔ اور اسی سے "الحِصَان" یعنی گھوڑا بھی ہے کیونکہ یہ اپنے صاحب کو ہلاکت سے بچاتا اور روکتا ہے۔ اور "الحَصَان" حاء کے فتح کے ساتھ ہو تو اس سے مراد پاک دامن عورت ہے کیونکہ وہ اپنے آپ کو (بے حیائی سے) محفوظ رکھتی ہے۔[3] امام شوکانیؒ نے اس معنی کی دلیل میں حضرت حسان بن ثابت بن منذر بن حرام (متوفی 647ء) کا درجہ ذیل شعر ذکر کیا ہے۔

حَصَانٌ رَزَانٌ مَا تَزِنُّ بِرِيبَةٍ ... وَتُصْبِحُ غَرْثَى مِنْ لُحُومِ الْغَوَافِلِ[4]

ترجمہ و تجزیہ

وہ پاک دامن، صاحب وقار عورت کوئی تہمت والی بات نہیں کرتی اور وہ دوسروں کی غیبت سے پاک ہے۔ اس شعر میں لفظ "حصان" پاکدامن اور عفیفہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور آیت میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس معنی کی مزید تائید کے لیے ملاحظہ فرمایئے تفسیر مراغی کی یہ عبارت "قد جاء الإحصان فى القرآن لأربعة معان منها العفة[5] اور اسی طرح امام راغب کا درج ذیل قول "المحصنة أي الممنوعة، إما بعفتها أوبزوجها أو بمانع من شرفها أو حريتها"[6] اور لسان العرب کی درج ذیل عبارت "الحِصْنُ كلُّ مَوْضِعٍ حَصِين لَا يُوصَل إِلى مَا فِي جَوْفِه وامرأَة حَصانٌ، بِفَتْحِ الْحَاءِ عَفِيفَةٌ بَيِّنة الحَصانةِ"[7]

﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا﴾[8] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

لغت میں تیمم کا معنی ہے قصد کرنا عرب "تیممت الشیء" اس وقت بولتے ہیں جب کسی چیز کا قصد کرتے ہیں۔[9] تیمم بمعنی قصد کا استشہاد امرُؤُالقَیس (متوفی 545ء) کے درج ذیل اشعار سے کیا گیا ہے۔

---

[1] نساء:24

[2] انبیاء:80

[3] شوکانی، فتح القدیر:1/516

[4] حسان، دیوان حسان بن ثابت، ص190

[5] مراغی، احمد بن مصطفی، تفسیر مراغی (مصر: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفى البابي الحلبي وأولاد 1946ء)، 5/5

[6] راغب اصفہانی، تفسیر الراغب اصفہانی:3/1173

[7] ابن منظور، لسان العرب:13/120، 119

[8] نساء:43

[9] شوکانی، فتح القدیر:1/544

تَيَمَّمْتُهَا مِنْ أَذْرِعَاتٍ وَأَهْلُهَا ... بِيَثْرِبَ أَدْنَىٰ دَارِهَا نَظَرٌ عَالِي[1]

تَيَمَّمَتِ الْعَيْنُ الَّتِي عِنْدَ ضَارِجٍ ... يَفِيءُ عَلَيْهَا الظِّلُّ عَرْمَضُهَا طامي[2]

ترجمہ و تجزیہ

میں نے اس کا اور اس کے گھر والوں کا قصد کیا جلدی سفر سے۔ یثرب میں ادنی سا گھر ہے لیکن منظر بہت اعلی ہے۔ دوسرا شعر کہتا ہے جو آنکھ مقام ضارج کے پاس ہے اس نے قصد کیا، اس پر سایہ آگیا ہے اور اس کا اندھا پن پانی سے بھر گیا ہے۔۔ ان اشعار میں تیمم بمعنی قصد استعمال ہوا ہے۔ اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے تیمم کا لغت اور عربوں کے نزدیک معلوم مفہوم قصد ہی ہے۔ علماء کرام کے درج ذیل اقوال بھی اسی معنی پہ شاہد ہیں۔ علامہ ابن منظور فرماتے ہیں کہ "الأَمُّ، بِالْفَتْحِ القَصْد. أَمَّه يَؤُمُّه أَمّاً إِذا قَصَدَه وتَيَمَّمْتُهُ اى قَصَدْته"[3] صاحب صحاح امام جوہری کے نزدیک يممته کا مطلب قصدته ہے۔[4]

﴿فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں بَيَّتَ بمعنی بدّل اور غيّر ہے یعنی ان میں سے ایک گروہ نے آپ علیہ السلام سے کئے ہوئے وعدہ کو بدل ڈالا، اور التبيت کا لغوی معنی تبدیل کرنا ہے۔[6] مفسر نے التبيت بمعنی تبدیل کا استشہاد عبیدہ بن ہمام[7] کے درجہ ذیل شعر جاہلی سے کیا ہے۔

أَتَوْنِي فَلَمْ أَرْضَ مَا بَيَّتُوا ... وَكَانُوا أَتَوْنِي بِأَمْرٍ نُكُرْ[8]

ترجمہ و تجزیہ

وہ میرے پاس ناپسندید معاملہ لے کر آئے تھے۔ وہ پھر آئے پس میں نے پسند نہیں کیا اس چیز کو بھی جو وہ

---

[1] مجذوب، عبد اللہ بن الطیب بن عبد اللہ، المرشد إلی فهم أشعار العرب (الکویت: دار الآثار الإسلامية 1989ء) 3/135

[2] امرُؤُالقَيْس، دیوان امرئ القیس، ص155

[3] ابن منظور، لسان العرب: 12/23

[4] جوہری، الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية: 5/2064

[5] نساء: 81

[6] شوکانی، فتح القدیر:

[7] عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ (563ء تا 624ء) غزوہ بدر کے سب سے پہلے زخمی اور آخری شہید ہونے والے مہاجر صحابی ہیں۔ (اسد الغابة فی معرفة الصحابة ابن الاثیر ابی الحسن بن محمد الجرزی، ج، دوم، ص493)

[8] مبرد، أبو العباس محمد بن يزيد، الکامل في اللغة والأدب (القاهرة: دار الفكر العربي 1997ء)، 3/24

تبدیل کر کے لائے تھے۔ اس شعر میں لفظ بیت بمعنی بدل ہی استعمال ہوا ہے۔ صاحب تفسیر ایسر التفاسیر کے نزدیک بھی اس کا مطلب یہی ہے۔ "اذاخرجوا من مجلسك بدل طائفة منهم غير الذي تقول"[1] الجامع لأحکام القرآن کے مصنف کے نزدیک بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔ "مَعْنَى (بَيَّتَ) زَوَّرَ وَمَوَّهَ. وَقِيلَ غَيَّرَ وَبَدَّلَ وَحَرَّفَ، أَيْ بَدَّلُوا قَوْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا عَهِدَهُ إِلَيْهِمْ وَأَمَرَهُمْ بِهِ. وَالتَّبْيِيتُ التبديل"[2]

﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُقِيتًا﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

"مُقِيتًا" بمعنی "مقتدرا" استعمال ہوا ہے یہ امام کسائی کا قول ہے۔ امام فراء فرماتے ہیں المقیت سے مراد وہ ہستی ہے جو ہر انسان کو قوت یعنی خوراک عطا کرتی ہے۔ اسی سے ماخوذ ہو کر بولا جاتا ہے۔ "قُتُّهُ، أَقُوتُهُ، قُوتًا وإِقَاتَةً" اور بولا جاتا ہے أَقَتُّهُ، أُقِيتُهُ اور بولا جاتا ہے کہ أَنَا قَائِتٌ اور أَنَامُقِيتٌ"۔[4] مذکورہ معنی کا استدلال سموآل بن عادیاء[5] (متوفی 560ء) کے اس شعر جاہلی سے اس طرح کیا گیا ہے۔

أَلِيَ الْفَضْلُ أَمْ عَلَيَّ إِذَا حُو ... سِبْتُ إِنِّي عَلَى الْحِسَابِ مُقِيتُ[6]

ترجمہ و تجزیہ

فضیلت میرے لئے ہے یا (میرے غیر کی) میرے اوپر۔ جب میرا محاسبہ کیا جاتا ہے تو میں بھی محاسبہ کی قوت و قدرت رکھتا ہوں۔ اس شعر میں مقیت بمعنی مقتدر ہی استعمال ہوا ہے اور آیت میں بھی یہی معنی مراد ہے۔ "المقیت المقتدر"[7] يعني مقتدراً[8]

---

[1] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر: 1/ 514

[2] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن: 5/ 289

[3] نساء: 85

[4] شوکانی، فتح القدیر: 1/ 569

[5] سماوئل (السماءوال) بن غرید بن عدیہ بن رفاعہ بن الحارث العزدی قبل از اسلام کا یہودی عرب شاعر تھا، جسے وفاداری کے لیے ایک ضرب المثل قرار دیا گیا تھا۔ خیبر کا رہنے والا تھا ان کا انتقال 560ء میں ہوا۔ (الیعقوبی، تاریخ الیعقوبی، دار صدر، بیروت، جلد 1، صفحہ 266)

[6] سموآل بن عادیاء، دیوان السموآل أزدي، ص 6

[7] راغب اصفہانی، تفسیر الراغب اصفہانی: 3/ 1363

[8] ماوردی، تفسیر الماوردی: 1/ 512

﴿وَاللَّهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوا﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام فراء، نضر بن شمیل اور امام کسائی اسکو نے "أَرْكَسَهُمْ اور رَكَسَهُمْ" دونوں طرح حکایت کیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انکو کفر کی طرف لوٹا دیا۔ "الركس اور النكس" کا مطلب ہے کسی چیز کو سر کے بل الٹا کر دینا یا کسی چیز کے اول حصے کو آخر کی طرف پھیر دینا، اسی لفظ سے منکوس بھی ہے اور مرکوس بھی ہے جو الٹا کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔[2] الركس بمعنی الٹا کر دینا کی دلیل میں عَبْدُ اللهِ بْنُ رَوَاحَةَ (متوفی 629ء) کے اس شعر جاہلی کو پیش کیا گیا ہے۔

أُرْكِسُوا فِي فتنة مُظْلِمَةٍ ... كَسَوَادِ اللَّيْلِ يَتْلُوهَا فِتَنْ[3]

ترجمہ و تجزیہ

تاریک گھاٹی میں ان کو پلٹا دیا گیا۔ تاریک رات کی تاریکی کی طرح جسے فتنے لے کر آتے ہیں۔ اس شعر میں لفظ "ارکسوا" بمعنی ردّدوا استعمال ہوا ہے۔ اس طرح آیت میں بھی لفظ أَرْكَسَهُمْ بمعنی ردهم استعمال ہوا ہے۔ امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ امام ابن منظور کا قول ہے کہ "الرَّكْسُ قلبُ الشَّيْءِ عَلَى رأْسه أَو ردُّ أَوله عَلَى آخِرِهِ[4] امام رازی فرماتے ہیں "الرَّكْسُ، رَدُّ الشَّيْءِ مَقْلُوبًا"[5]

﴿مُذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَلِكَ﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

"المذبذب" کا معنی "المتردد بين أمرين" ہے۔ اور ذبذبہ کا معنی اضطراب ہوتا ہے اسی سے کہا جاتا ہے کہ "ذبذبه فتذبذب"۔[7] امام شوکانیؒ نے تذبذب بمعنی متردد و مضطرب کی دلیل نابغہ ذبیانی (متوفی 604ء) کے درجہ ذیل شعر سے پکڑی ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَعْطَاكَ سُورَةً ... تَرَى كُلَّ مَلِكٍ دُونَهَا يَتَذَبْذَبُ[8]

---

[1] نساء: 88

[2] شوکانی، فتح القدیر: 1/ 571

[3] ایضا: 6/ 143

[4] ابن منظور، لسان العرب: 6/ 100

[5] رازی، مختار الصحاح: ص 128

[6] نساء: 143

[7] شوکانی، فتح القدیر: 1/ 610

[8] نابغہ ذبیانی، دیوان النابغة الذبیانی، ص 73

ترجمہ و تجزیہ

آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی بلندی عطا کی ہے کہ ہر بادشاہ جو اس بلندی سے نیچے ہے مضطرب ہو گا۔ اس شعر میں لفظ "يتذبذب " بمعنی مضطرب استعمال ہوا ہے اور اس طرح آیت میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے ۔اس معنی کی مزید تائید کے لیے ملاحظہ فرمایئے لسان العرب کی درج ذیل عبارت "مُذَبْذِبٌ ومُتَذَبْذِبٌ مُتَرَدِّدٌ بَيْنَ أَمْرَيْن أَو بَيْنَ رجُلَين[1] اور راغب اصفہانی کا یہ قول "مضطربين مائلين تارة إلى المؤمنين وتارة إلى الكافرين-"[2]

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

یعنی وہ شخص جو بھوک کی وجہ سے مجبور ہو جائے لفظ الخمص ضمور بطن کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اسی سے رَجُلٌ خَمِيصٌ اور وَامْرَأَةٌ خَمِيصَةٌ وَخُمْصَانَةٌ کی ترکیب آتی ہے اور یہ عربوں کے ہاں اکثر بھوک کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔[4] اس معنی کا استشہاد علقمہ بن علاثہ (متوفی 642ء) کے درج ذیل شعر سے کیا گیا ہے۔

تبيتون في المشتى ملاء بُطُونُكُمْ ... وَجَارَاتُكُمْ غَرْثَى يَبِتْنَ خَمَائِصَا[5]

ترجمہ و تجزیہ

یعنی تم خود پیٹ بھر کر شام کا کھانا کھاتے ہو اور تمھاری لونڈیاں بھوکی رات گزارتی ہیں۔ اس شعر میں لفظ "خمائصا" بھوک کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ پس اسی طرح آیت میں بھی لفظ مَخْمَصَةٍ بھوک کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ امام بیضاوی نے بھی مخمصۃ کا معنی مجاعۃ (یعنی بھوک) کیا ہے۔ اور اسی طرح البحر المدید میں بھی اس کا معنی مجاعۃ مذکور ہے مَخْمَصَةٍ مجاعة[6] مَخْمَصَةٍ أي مجاعة[7]

---

[1] ابن منظور، لسان العرب: 1/384

[2] راغب اصفہانی، أبو القاسم الحسین بن محمد، المفردات في غريب القرآن (لبنان: دار المعرفۃ)، ص 177

[3] مائدہ: 3

[4] شوکانی، فتح القدیر: 2/14

[5] ثعالبی، أبو منصور عبد الملک بن محمد بن إسماعیل، لباب الآداب (بیروت: دار الکتب العلمیۃ 1997ء)، ص 129

[6] بیضاوی، أنوار التنزیل وأسرار التأویل: 2/115

[7] فاسی صوفی، البحر المدید في تفسیر القرآن المجید: 2/8

﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

لفظ وسیلة "تَوَسَّلْتُ إِلَيْهِ" سے فعيلة کے وزن پر ہے اور قربت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔[2] اس کی دلیل عنترہ بن شداد بن العبسی المصری (متوفی 608ء) کا یہ شعر ہے۔

إِنَّ الرِّجَالَ لَهُمْ إِلَيْكِ وَسِيلَةٌ ... إِنْ يَأْخُذُوكِ تَكَحَّلِي وَتَخَضَّبِي [3]

ترجمہ و تجزیہ

بے شک مرد حضرات جب تجھے پاتے ہیں تو تجھ سے قربت کرتے ہیں لہذا سرمہ لگا اور مہندی سجا۔ اس میں لفظ وَسِيلَةٌ قربت کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور اسیطرح آیت میں بھی قربت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ امام آلوسی نے اس کا معنی قرب حاصل کرنا کیا ہے "ابتغاء الوسيلة التقرب إليه"[4] امام زمخشری فرماتے ہیں وسیلہ سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے قرب حاصل کیا جائے۔ "الوسيلة كل ما يتوسل به أى يتقرّب من قرابة"[5]

﴿أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

الْجَحِيمِ سے مراد شدید بھڑکائی ہوئی آگ ہے اسی سے بولا جاتا ہے کہ "جَحَمَ فُلَانٌ النَّارَ"۔ فلاں آدمی نے آگ بھڑکائی۔ شیر کی آنکھ کو بھی جُحْمَةٌ بولا جاتا ہے اس کے شدید بھڑکنے کی وجہ سے۔[7] حارث بن عباد بکری[8] (متوفی 570ء) جنگ بھڑکانے والے کے لیے کہتا ہے کہ

والحرب لا يبقى لجا ... حمها التّخيّل والمراح [9]

---

[1] مائدہ:35

[2] شوکانی، فتح القدیر:2/44

[3] عنترة، دیوان عنترة بن شداد، ص14

[4] آلوسی، روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني:3/314

[5] زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل:1/628

[6] مائدہ:86

[7] شوکانی، فتح القدیر:2/79

[8] حارث بن عباد البکری (متوفی570ء) زمانہ جاہلیت کے حکیم، شاعر اور عالم تھے، وہ نجد کے ایک عیسائی تھے۔ بنو ذبیحہ کے سردار تھے (الأعلام- الزركلي، ج،2، ص،156.)

[9] مرزوقی، أبو علی أحمد بن محمد بن الحسن الأصفهاني، شرح ديوان الحماسة (بیروت: دار الكتب العلمية 2003ء)، ص356 ایضا بکری، دیوان حارث بن عباد، (المجمع الثقافی: ابوظبی)

ترجمہ و تجزیہ

کہ جنگ اپنے بھڑکانے والے کے لئے خوشگوار خیال باقی نہیں رہتی۔ اس شعر میں لفظ جاحم بمعنی موقد یعنی بھڑکانے والا کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جحم کا مادہ بھڑکانے یا بھڑکنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ تفسیر قرطبی میں بھی جحیم کا مطلب شدید بھڑکائی ہوئی آگ بیان کیا گیا ہے۔ "وَالْجَحِيمُ النَّارُ الشَّدِيدَةُ الِاتِّقَادُ"[1] مختار الصحاح میں ہے کہ جحیم آگ کا نام ہے ہر وہ عظیم آگ جو ایک پڑاؤ میں ہو وہ جحیم ہے "الْجَحِيمُ اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ النَّارِ، وَكُلُّ نَارٍ عَظِيمَةٍ فِي مَهْوَاةٍ فَهِيَ جَحِيمٌ"[2]

﴿يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

عقدتم کو تشدید و تخفیف دونوں قراتوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اور اس کو عاقدتم بھی پڑھا گیا ہے۔ عقد کی دو قسمیں ہیں ایک حسی ہے جیسے رسی کو گانٹھ مارنا اور دوسری حکمی ہے جیسے عقد بیع یعنی بیع کے فیصلے کی مضبوط گرہ لگانا یا پکی قسم کھانا یا وعدہ کرنا۔ عقد کا حقیقی معنی ہے گرہ لگانا لیکن بطور مجاز پختہ عزم کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ عقد بیع اور عقد یمین۔ ابو ملیکہ جرول بن اوس بن مالک العبسی المعروف حطیہ (متوفی 647ء) نے اپنے شعر مین پختہ عہد اور وعدہ کرنے کو مجازا عقد سے تعبیر کیا ہے۔

قَوْمٌ إِذَا عَقَدُوا عَقْدًا لِجَارِهِمُ ...[4] ای قوم اذا عهدوا عهدا لجارهم۔

ترجمہ و تجزیہ

اس شعر میں عقد کا لفظ مجازا عہد کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ پس معلوم ہوا آیت مین لفظ عقد عہد کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ابن منظور نے بھی عقد کا مطلب معاہدہ اور میثاق لکھا ہے "العَقْد نَقِيضُ الحَلِّ والمعاقَدَة المعاهَدة وَالْمِيثَاقُ"[5] امام جزائری فرماتے ہیں اس کا مطلب ہے تمھارا اپنے دل سے کسی چیز کے کرنے یا نہ کرنے کا عزم کرنا ہے "عقدتم الأيمان عزمتم عليها بقلوبكم بأن تفعلوا أو لا تفعلوا"[6]

---

[1] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن:6/260

[2] رازی، مختار الصحاح، ص53

[3] مائدہ:89

[4] حطیئہ، دیوان الحطیئہ، ص128

[5] ابن منظور، لسان العرب:3/297

[6] جزائری، آیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر:2/7

﴿مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ﴾ [1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

"سَائِبَة" سے مراد ایسا اونٹ یا جانور ہے جس کو چھوڑ دیا جاتا تھا اس بات کی نذر کے طور پر کہ اگر فلاں شخص مرض سے ٹھیک ہو گیا یا فلاں شخص اپنی منزل پہ صحیح سلامت پہنچ گیا تو اس کو چرنے اور پانی پینے سے نہیں روکا جا سکتا تھا اور نہ ہی اس پر سواری جائز تھی۔ اور ایک قول یہ بھی ہے اس کو اللہ کے لئے چھوڑ دیا جاتا تھا اور اسکو باندھنا اور نکیل ڈالنا ممنوع خیال کیا جاتا تھا۔[2] اس کی دلیل درج ذیل شعر جاہلی میں موجود ہے۔

عَقَرْتُمْ نَاقَةً كَانَتْ لِرَبِّي ... مُسَيَّبَةً فَقُومُوا لِلْعِقَابِ[3]

ترجمہ و تجزیہ

تم نے ایسی اونٹی کی کونچیں کاٹ ڈالیں جو میرے رب کے لئے مُسَيَّبَة یعنی چھوڑی ہوئی تھی پس سزا کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اس شعر میں "لِرَبِّي مُسَيَّبَةً" سے واضح ہو رہا ہے کہ عرب سائبة سے مراد وہ اونٹنی یا جانور لیتے تھے جو رب (بتوں) کے لئے چھوڑا گیا ہو۔ تو آیت میں بھی یہی معنی مراد لیا جا سکتا ہے۔ لسان العرب میں ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جب کوئی بندہ سفر سے واپس آتا یا بیماری سے نجات پاتا یا کوئی جانور اس کو مصیبت یا جنگ سے بچاتا تو اعلان کرتا کہ میری اونٹنی سائبہ ہے پس اس کی پیٹھ سے فائدہ نہیں لیا جائے گا اور نہ اسکو پانی سے روکا جائے گا اور نہ اس پر سواری کی جائے گی "كَانَ الرجلُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِذا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ بعيدٍ، أَو بَرِئَ مِنْ عِلَّةٍ، أَو نَجَّتْه دابَّةٌ مِنْ مَشَقَّةٍ أَو حَرْبٍ قَالَ ناقَتي سائبةٌ أَي تُسَيَّبُ فَلَا يُنْتَفَعُ بِظَهْرِهَا، وَلَا تُحَلَّأُ عَنْ ماءٍ، وَلَا تُمْنَعُ مِنْ كَلإٍ، وَلَا تُرْكَب"[4] تفسیر بیضاوی میں بھی مذکور ہے کہ کوئی بندہ کہتا کہ اگر مجھے شفاء مل گئی تو میری ناقہ سائبہ ہو گی اور وہ اسکو منفعت اٹھانے کی ممانعت اور حرمت میں بحیرہ کی طرح بنا دیتا تھا "وكان الرجل منهم يقول إن شفيت فناقتي سائبة ويجعلها كالبحيرة في تحريم الانتفاع بها"[5]

---

[1] مائدہ:103

[2] شوکانی، فتح القدیر:2/93

[3] شوکانی، فتح القدیر:6/104

[4] ابن منظور، لسان العرب:1/478

[5] بیضاوی، تفسیر البیضاوي:2/372

﴿فَإِنْ عُثِرَ عَلَى أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

"العثور" کا لغوی معنی ہے کسی شئے پر واقع ہونا اور کسی چیز پر گرنا۔ اسی لئے اسکو اطلع کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے کہ شعور انسانی جب کسی چیز پر واقع ہوتا ہے تو تب اطلاع کے معنی کا حصول ہوتا ہے۔[2] اس کی دلیل اعشی قیس (متوفی 629ء) کا درج ذیل شعر جاہلی ہے۔

بذات لوث عفرناة إذا عثرت ... فالتّعس أدنى لَهَا مِنْ أَنْ أَقُولَ لَعَا[3]

ترجمہ و تجزیہ

جب بھاری بھر کم چیز (جانور) جب کسی چیز پر گر جائے تو اس میں ہلاکت کا خدشہ ہی زیادہ ہے۔ اس شعر میں لفظ "عثرت" "بمعنی" سقطت" استعمال ہوا ہے۔ لسان العرب میں عثر کا معنی گرنا بتایا گیا ہے "عَثَرَ الرجلُ يَعْثُرُ عُثُوراً إذا هَجَمَ عَلَى أَمر لَمْ يَهْجِمْ عَلَيْهِ غَيْرُهُ"[4] اس طرح المفردات فی غریب القران کا مصنف بھی اس کا معنی گرنا بیان کرتا ہے۔ عثر، عثر الرجل يعثر عثارا وعثورا إذا سقط[5]

﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ﴾ میں استشہاد بالشعر الجاہلی [6]

"الْقَهرُ" کا مطلب غلبہ ہوتا ہے اور قاہر کا مطلب غالب۔ اور "أُقْهِرَالرَّجُلُ" اس آدمی کو کہتے ہیں جو بلکل مغلوب اور ذلیل ہو جائے۔[7] امام شوکانی نے اس کا استشہاد میمون بن قیس بن جندل بن شراحیل بن عوف بن سعد بن ضُبیعہ المعروف اعشی قیس (متوفی 629ء) کے درجہ کے درج ذیل شعر جاہلی سے کیا ہے۔

تَمَنَّى حُصَيْنٌ أَنْ يسود جذاعه ... فَأَمْسَى حُصَيْنٌ قَدْ أَذَلَّ وَأَقْهَرَا[8]

---

[1] مائدہ:107

[2] شوکانی، فتح القدیر:2/100

[3] أعشی قیس، دیوان الاعشی، ص116

[4] ابن منظور، لسان العرب:4/540

[5] راغب اصفہانی، المفردات في غریب القرآن، ص322

[6] انعام:18

[7] شوکانی، فتح القدیر:2/120

[8] مخبّل سعدی، دیوان مخبّل سعدي، ص294

ترجمہ وتجزیہ

قبیلہ حصین نے قبیلہ خزاعۃ پر غلبہ حاصل کرنے کی تمنی کی تو وہ ذلیل ومغلوب ہو کر رہ گیا۔ اس شعر میں "أَقْهَرَ" کا لفظ مغلوب ہونے کی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قہر کا مادہ غلبہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ **المفردات** میں **القہر** کا مطلب غلبہ وتذلیل کیا گیا ہے ""القهر الغلبة والتذليل معا ويستعمل في كل واحد منهما"[1] **ایسر التفاسیر** میں **القاہر** کا مطلب غالب، مذل اور معز لکھا ہوا ہے۔"القاهر الغالب المذل المعز"[2]

﴿لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

"يَتَضَرَّعُون" کا صیغہ الضراعۃ مصدر سے مشتق ہے اور اس کا مطلب ہے ذلت، عاجزی۔ اسی سے بولا جاتا ہے "ضَرَعَ فهو ضارع "جب کوئی انکساری کرے یا ذلت اٹھائے۔[4] اس معنی کا استدلال ابو عقیل لبید بن ربیعہ العامری (متوفی 661ء) کے درجہ ذیل جاہلی مصرعہ سے کیا گیا ہے۔

لِيَبْكِ يَزِيدَ ضَارِعٌ لِخُصُومَةٍ[5]

ترجمہ وتجزیہ

یزید نے ذلت وانکساری کے ساتھ دشمن کو پکارا۔ اس شعر میں ضارع کا لفظ ذلت اور انکساری کے معنی میں استعمال ہوا ہے اس طرح آیت میں بھی يتضرعون سے ذلت وانکساری ہی مراد ہے۔ **مفردات** میں ضرع بمعنی ضعف استعمال ہوا ہے۔"ضرع الرجل ضراعة ضعف وذل"[6] **روح المعانی** میں اس کا مطلب "يتذللوا" بیان کیا گیا ہے۔[7]

---

[1] راغب اصفہانی، المفردات في غريب القرآن، ص414

[2] جزائری، أيسر التفاسير لكلام العلي الكبير: 2/44

[3] انعام: 42

[4] شوکانی، فتح القدیر: 2/132

[5] لَبِید، دیوان لبيد بن ربيعة العامري، ص362

[6] راغب اصفہانی، المفردات في غريب القرآن، ص295

[7] آلوسی، روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني: 4/143

﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

یہاں "دَابِر" بمعنی "الاخر" استعمال ہوا ہے۔ جب کوئی بندہ اپنی قوم میں سے سب سے آخر میں پہنچے تو اس کے لئے "دبَرَ الْقَوْمَ يَدْبُرُهُمْ دَبْرًا" بولا جاتا ہے کہ اس کے آنے سے قوم کے آنے کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ یعنی سارے کے سارے پہنچ گئے یہاں تک کہ آخری شخص بھی پہنچ گیا۔[2] اس سلسلے میں شاعر امیہ بن ابی صَلت (متوفی 624ء) کہتا ہے۔

فَأُهْلِكُوا بِعَذَابٍ حَصَّ دَابِرَهُمْ ... فَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ صَرْفًا وَلَا انْتَصَرُوا[3]

ترجمہ و تجزیہ

ان کو ایسے عذاب سے ہلاک کیا گیا، جس نے ان کے آخری شخص تک کو گرا دیا۔ نہ تو وہ اس کو پھیرنے کی طاقت رکھتے تھے اور نہ ہی مدد مانگ سکتے تھے۔ اس شعر میں دابرھم بمعنی اخرھم استعمال ہوا ہے۔ اس طرح آیت بھی میں دابر بمعنی اخر مراد لیا جا سکتا ہے کہ قوم کا آخری فرد تک ہلاک کر دیا گیا۔ لسان العرب میں بھی دابر کا معنی اخر درج ہے "دابِرُ الشَّيْءِ آخِرُهُ"[4] مفردات القران کے مصنف فرماتے ہیں الدبر کا معنی پیچھے آنیوالا ہے۔ "الدابر يقال للمتأخر وللتابع"[5]

﴿قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

"ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ" استعارہ ہے اور اس سے مراد بحر و بر کی سختیاں ہیں۔ عرب مصائب والام والے دن کو یوم مظلم کہتے ہیں اور انتہائی تکلیف دہ دن کو یوم ذوکواکب کہتے ہیں۔[7] اس کی نظیر میں عمرو بن شاس[8] (متوفی 680ء) کا درج ذیل شعر پیش کیا گیا ہے۔

---

[1] انعام:45

[2] شوکانی، فتح القدیر:2/133

[3] ظاہری، أبو بکر محمد بن داود بن علي بن خلف الاصبہانی، الزھرۃ، ص146

[4] ابن منظور، لسان العرب:4/268

[5] راغب اصفہانی، المفردات في غریب القرآن، ص164

[6] انعام:63

[7] شوکانی، فتح القدیر:2/143

[8] عمرو بن شاس بن عبید بن ثلابہ الاسدی (597ء تا 680ء) ایک صحابی اور مخضرم شاعر تھے۔ ابن سلام کے مطابق زمانہ جاہلیت کے دسویں طبقے کے شاعر تھے۔ (ابن سلام الجمحي، طبقات فحول الشعراء، دار المدنی: جدۃ، ج. 1، ص. 196)

بَنِي أَسَدٍ هَلْ تَعْلَمُونَ بَلَاءَنَا ... إِذَا كَانَ يَوْمٌ ذُو كَوَاكِبَ أَشْنَعَا [1]

ترجمہ و تجزیہ

اے بنی اسد کیا تم ہماری مصیبت سے واقف ہو جب یوم ذوکواکب نے ہمیں پریشان کیا۔ اس شعر میں یوم ذوکواکب کا استعارہ مصائب والام سے لیا گیا ہے۔ اسی طرح ایسر التفاسیر میں بھی ہے کہ یہ بحر وبر کی سختیوں سے کنایہ ہے "ظلمات البر والبحر كناية عن شدائدهما"[2] قرطبی میں بھی ظلمات سے مراد سختیاں لی گئی ہے "ظُلُماتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِأَيْ شَدَائِدِهِمَا"[3]

﴿قُلِ اللَّهُ يُنَجِّيكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

الکرب کا معنی نفس کو لاحق ہونیوالا غم ہے اور اسی سے کہا جاتا ہے "رجل مكروب" یعنی مغموم آدمی۔[5] امام شوکانی نے اس معنی کا استشہاد عنترہ بن شداد بن العبسی المصری (608ء) کے اس شعر سے کیا ہے۔

وَمَكْرُوبٌ كَشَفْتُ الْكَرْبَ عَنْهُ ... بِطَعْنَةِ فَيْصَلٍ لَمَّا دَعَانِي [6]

ترجمہ و تجزیہ

مغموم، دکھی آدمی کا غم میں نے دور کر دیا تلوار کی نوک سے جب اس نے مجھے پکارا۔ اس شعر میں مکروب اور کرب غم اور دکھ اور الم کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ پس آیت میں بھی یہ معنی مراد لینا جائز ہے۔ روح المعانی میں بھی کرب سے مراد ایسا غم لیا گیا ہے جو نفس کو لاحق ہوتا ہے "كَرْبٍ أي غم يأخذ بالنفس"[7] ایسر التفاسیر میں ہے کہ الکرب سے مراد شدید غم اور جسم وروح کی تکلیف ہے۔ "الشدّة الموجبة للحزن وألم الجسم والنفس"[8]

---

[1] عمرو بن شأس، دیوان عمرو بن شأس، ص36

[2] جزائری، أيسر التفاسير لكلام العلي الكبير: 72/2

[3] القرطبي، الجامع لأحكام القرآن: 8/7

[4] انعام: 64

[5] شوکانی، فتح القدیر: 143/2

[6] عنترة، دیوان عنترة بن شداد، ص219

[7] آلوسی، روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني: 170/4

[8] جزائری، أيسر التفاسير لكلام العلي الكبير: 72/2

﴿وَذَكِّرْ بِهِ أَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

"الابسال" کا مطلب ہوتا ہے بندے کا اپنی جان موت کے لیے سپرد کر دینا۔ اسی سے "ابسلت ولدی" ہے جب دم کے طور پر رہن رکھا جاتا ہے تو یہ جملہ بولا جاتا ہے کیونکہ اس کا انجام ہلاکت ہے۔[2] اس معنی کی تائید نابغہ الجعدی (متوفی 670ء) کے درج ذیل شعر سے بھی ہوتی ہے۔

وَنَحْنُ رَهَنَّا بِالْأَفَاقَةِ عَامِرًا ... بِمَا كَانَ فِي الدَّرْدَاءِ رَهْنًا فَأُبْسِلَا[3]

ترجمہ و تجزیہ

ہم نے عامر کو مقام افاقہ میں رہن کے طور پر رکھا جو درداء کی وجہ سے لازم تھا پس وہ ہلاک ہو گیا۔ اس شعر میں ابسل بمعنی ہلاکت استعمال ہوا ہے۔ صاحب کشاف نے تبسل نفس کا معنی موت و عذاب کے لیے کسی کو حوالہ کرنا کیا ہے "أَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ مخافة أن تسلم إلى الهلكة والعذاب"[4] صفوۃ التفاسیر میں بھی اس کا معنی کسی بندے کو موت کے لئے کسی کے حوالہ کرنا بیان کیا ہے "أن تُسْلم نفسٌ للهلاك"[5]

﴿وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

"الصُّور" سے مراد وہ سینگ نما بانسری ہے جس میں پہلی دفعہ فناء کے لئے پھونک ماری جائے گی اور دوسری دفعہ دوبارہ اٹھانے کے لئے۔ بقول جوہری الصُّور سے مراد سینگ ہی ہے۔[7] راجز ہذلی کا یہ شعر بھی اس معنی میں ہے۔

لَقَدْ نَطَحْنَاهُمْ غَدَاةَ الْجَمْعَيْنِ ... نَطْحًا شَدِيدًا لَا كَنَطْحِ الصُّورَيْنِ[8]

ترجمہ و تجزیہ

ہم نے یقینی طور پر ان کو دونوں لشکروں کے ملنے کی صبح شدید چوٹ لگائی جو محض سینگوں کے آپس میں

---

[1] انعام:70

[2] شوکانی، فتح القدیر:2/147

[3] نابغة الجعدي، دیوان نابغة الجعدي، ص121

[4] زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل:2/36

[5] الصابوني، محمد علي، صفوۃ التفاسیر (القاہرۃ: دار الصابوني1997ء)، ص369

[6] انعام:73

[7] شوکانی، فتح القدیر:2

[8] امیل بدیع یعقوب، المعجم المفصل في شواہد العربیۃ، 12/218

ٹکرانے کی طرح نہیں تھی۔ اس شعر میں "نطح الصورين" کی ترکیب سینگوں کے آپس میں ٹکراؤ کا معنی دینے کے لئے استعمال کی گئی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ عربی لغت میں الصُّور سینگ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لسان العرب میں "الصُّورُ القَرْنُ"[1] لکھاہے اور مختار الصحاح میں بھی "وأَما الصُّورُ الْقَرْنُ"[2] الصور کا معنی سینگ بیان کیا ہے۔

﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

"جن" بمعنی "ستر" ہے اسی سے الْجَنَّةُ وَالْمِجَنُّ وَالْجِنُّ وغیرہ کے الفاظ ہیں۔ یہ سارے ہم معنی الفاظ ہیں یہ سب "الستر" کے معنی دیتے ہیں۔[4] درید بن الصمة[5] (متوفی 630ء) کے درج ذیل شعر میں بھی جنان اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

وَلَوْلَا جَنَانُ اللَّيْلِ أَدْرَكَ رَكْضَنَا ... بِذِي الرِّمْثِ وَالْأَرْطِي عِيَاضُ بْنُ ناشب[6]

ترجمہ وتجزیہ

اگر رات کی تاریکی نہ ہوتی تو عیاض بن ناشب وادی رمث اور ارطی میں ہمارے نشان کو پالیتا۔ اس شعر میں "جنان الليل" بمعنی "ظلمات الليل یا" استار الليل" کے استعمال ہوا ہے۔ پس ثابت ہوا الجن کا لفظ الستر یعنی ڈھانپ لینے کے معنی مین استعمال ہوتا ہے اور آیت میں یہی مفہوم مراد ہو سکتا ہے۔ صاحب لسان العرب فرماتے ہیں ہر وہ چیز جو تجھ سے پوشیدہ ہے پس اس پر جن کا اطلاق ہوتا ہے "وكلُّ شَيْءٍ سُتر عَنْكَ فَقَدْ جُنَّ عَنْكَ"[7] مفردات القران میں لکھاہے کہ کسی چیز کا انسانی حواس سے پوشیدہ ہونا لفظ جن کا اصلی معنی ہے "أصل الجن ستر الشيء عن الحاسة"[8]

---

[1] ابن منظور، لسان العرب: 4/476

[2] رازی، مختار الصحاح، ص180

[3] انعام: 76

[4] شوکانی، فتح القدیر: 2/152

[5] دورید بن الصمہ (متوفی 630ء)، ہوازن کے قبیلہ بنو جشم سے تعلق رکھنے والے ایک عرب شاعر، ایک بہادر آدمی اور زمانہ جاہلیت کے طویل العمر لوگوں میں سے ایک کے طور پر جانا جاتا تھا۔ اس نے اسلام قبول نہیں کیا، چنانچہ اسے زمانہ جاہلیت کے مذہب کی پیروی کرتے ہوئے حنین کے دن قتل کر دیا گیا۔ فؤاد سزکین، تاریخ التراث العربي (الشعر إلى حوالي سنة 430ھ)، جامعة الإسلامية: ریاض، ج. 2، ص. 273

[6] درید بن الصمة، دیوان درید بن الصمة، ص175

[7] ابن منظور، لسان العرب: 13/92

[8] راغب اصفہانی، المفردات في غريب القرآن، ص98

﴿وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

"الاجتباء" کا مطلب ہے چن لینا۔ خالص کر لینا اور جَبَيْتُ الْمَاءَ فِي الْحَوْضِ سے مشتق ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب حوض میں پانی جمع کیا جاتا ہے اور الجابیۃ حوض کو کہتے ہیں۔[2] اس معنی کی تائید کا استشہاد میمون بن قیس بن جندل بن شراحیل بن عوف بن سعد المعروف اعشی قیس (متوفی 629ء) کا درج ذیل شعر بھی کرتا ہے۔

نَفَى الذَّمَّ عَنْ آلِ المحَلَّقِ جَفنَةٌ ... كَجابيَةِ الشَّيْخِ العِرَاقيّ تَفْهَقُ[3]

ترجمہ و تجزیہ

کھانے کے ایسے بڑے برتن نے ال محلق سے مذمت کی نفی کی جو شیخ عراق کے حوض کی طرح تھا جو اوپر سے بہہ پڑا۔ اس شعر میں جابیتہ بمعنی الحوض استعمال ہوا ہے پس ثابت ہوا اجتباء کا لفظ چن لینے اور اختیار کر لینے اور جمع کر لینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ایسر التفاسیر میں اس کا معنی اختیار کرنا بیان کیا گیا ہے۔ "اجتبیناهم اخترناهم للنبوة والرسالة"[4] وَاجْتَبَيْنَاهُمْ قرطبی میں بھی یہ اسی معنی میں مذکور ہے۔ "اخْتَرْنَاهُمْ"[5]

﴿بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

یہاں بدیع بمعنی المبدع استعمال ہوا ہے۔ اس طرح اکثر اوقات سمیع بمعنی مسمع بھی استعمال ہوتا ہے۔[7] شاعر عمرو بن معدیکرب (متوفی 642ء) کا یہ قول اس کی نظیر میں بطور شعر موجود ہے۔

أَمِنْ رَيْحَانَةَ الدّاعي السّميع ... يورّقني وَأَصْحَابِي هُجُوعُ؟[8]

ترجمہ و تجزیہ

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں لفظ السمیع بمعنی المسمع استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح آیت میں بھی لفظ بدیع

---

[1] انعام:87

[2] شوکانی، فتح القدیر:2/156

[3] اَعشی قیس، دیوان الاعشی، ص133

[4] جزائری، اَیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر:2/85

[5] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن:7/34

[6] انعام:101

[7] شوکانی، فتح القدیر:2/168

[8] عمرو بن معدي کرب، دیوان عمرو بن معدي کرب، ص6

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں لفظ السمیع بمعنی المسمع استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح آیت میں بھی لفظ بدیع بمعنی مبدع استعمال ہو سکتا ہے۔ ایسر التفاسیر "بديع السموات مبدعها أي موجدها على غير مثال سابق"[1] اور البحر المدید "بديع بمعنى مُبدِع"[2] کے مصنفین بھی بدیع بمعنی مبدع استعمال ہونے پر متفق ہیں۔

﴿وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

خلائف، خلیفہ کی جمع ہے یعنی اللہ نے تم کو سابقہ امتوں اور زمانوں کے بعد بنایا۔[4] اس معنی کی تائید الشماخ بن ضرار الذبياني (متوفی 643ء) کے درج ذیل شعر جاہلی میں موجود ہے۔

تصيبهم وَتُخْطِئُنِي الْمَنَايَا ... وَأَخْلُفُ فِي رُبُوعٍ عَنْ رُبُوعِ[5]

ترجمہ و تجزیہ

ان کو مصیبتیں پہنچیں مجھے چھوڑ کر اور یہ مصیبتیں ایک گروہ کے بعد دوسرے گروہ کو منتقل ہوئیں ۔"اخلف" بعد کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ایسر التفاسیر میں "يخلف بعضكم بعضاً"[6] اور البحر المدید میں بھی یخلف بعد کے معنی میں استعمال ہوا ہے "يخلف بعضكم بعضًا"[7]۔

﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ﴾[8] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

وسوسہ صوت خفی کو بھی کہتے ہیں اور حدیث نفس کو بھی وسوسہ کہتے ہیں، عربی کہاوت ہے کہ "وَسْوَسَتْ إِلَيْهِ نَفْسُهُ وَسْوَسَةً وَوِسْوَاسًا" شکاریوں اور کتوں کی سرگوشی کو بھی وسوسۃ کہتے ہیں۔ زیورات کی آواز کو بھی وسوسہ کہتے ہیں۔[9] جیسا کہ اس شعر میں کہا گیا ہے۔

---

[1] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر:1/104

[2] فاسی صوفی، البحر المدید في تفسیر القرآن المجید:1/157

[3] انعام:165

[4] شوکانی، فتح القدیر:2/212

[5] شماخ بن ضرار، دیوان شماخ بن ضرار الذبياني، (مصر: دار المعارف)، ص224

[6] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر:2/149

[7] فاسی صوفی، البحر المدید في تفسیر القرآن المجید:2/194

[8] اعراف:20

[9] شوکانی، فتح القدیر:2/221

تَسْمَعُ لِلْحَلْيِ وَسَوَاسًا إِذَا انْصَرَفَتْ[1]

ترجمہ و تجزیہ

تو پائل کی ہلکی چھنکار سنتا ہے جب وہ واپس پلٹتی ہے "صوت الحلی" کو وسواسا کہا گیا ہے جو کہ پست ہوتی ہے۔ آیت میں بھی سرگوشی اور پست آواز مراد ہے یا پھر حدیث نفس مراد ہے۔ یہ شعر شماخ بن ضرار الذبیانی[2](متوفی 643ء) کا ہے۔ مختار الصحاح کے مطابق وسوسے سے مراد حدیث نفس اور زیورات کی آواز دونوں ہیں۔(الْوَسْوَسَةُ) حَدِيثُ النَّفْسِ،[3] اس طرح الصحاح نے بھی کتے اور شکار کے ہانپنے کی آواز کو وسوسہ اور زیورات کی آواز کو وسوسہ کہا ہے۔ "يقال لهَمْسِ الصائدِ والكلابِ وأصوات الحلی وسواس"[4] آیت میں اس سے مراد حدیث نفس ہی ہے۔

﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ﴾[5]

میں استشہاد بالشعر الجاہلی

بعض مفسرین نے الاثم سے مراد شراب لی ہے لیکن اکثر مفسرین نے اس سے مراد مطلقا نافرمانی لی ہے۔[6] جیسا کہ مخبل سعدی کے اس شعر میں ہے کہ

إِنِّي وَجَدْتُ الْأَمْرَ أَرْشَدُهُ ... تَقْوَى الْإِلَهِ وَشَرُّهُ الْإِثْمُ[7]

ترجمہ و تجزیہ

میں نے حقیقت امر کو پالیا سب سے سیدھی راہ اللہ کا تقوی اور دوسری اس کی نافرمانی ہے۔ شعر کے دوسرے مصرعے میں لفظ "الا ثم" کا مدلول بھا مطلقا اللہ کی نافرمانی ہے اور اس کا قرینہ اس کا معطوف علیہ تقوی ہے پس

---

[1] شماخ بن ضرار، دیوان شماخ بن ضرار الذبیانی، ص162

[2] شماخ بن ضرار الذبیانی کی وفات (22ہجری–643ء) میں ہوئی ۔ آپ ایک بزرگ شاعر ہیں، جس نے زمانہ جاہلیت اور اسلام کا مشاہدہ کیا کہا جاتا ہے کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ بدیہی تھا۔ اسلام قبول کیا اور عراق کی فتوحات میں لڑا، اور اس نے لوگوں کو القدسیہ کی جنگ میں لڑنے کی ترغیب دی۔ اس نے سعید بن العاص کے ساتھ آذربائیجان پر حملہ کیا۔(صباح علی السلیمان، معجم شعراء العرب حتی عصور الإحتجاج عمّان: دار غیداء للطباعة والنشر. ص. 128)

[3] رازی، مختار الصحاح: ص339

[4] جوہری، الصحاح تاج اللغة وصحاح العربیة: 3/988

[5] اعراف: 33

[6] شوکانی، فتح القدیر: 2/229

[7] مخبل، دیوان مخبل، ص316

آیت میں بھی الاثم سے مراد مطلقا اللہ کی نافرمانی اور گناہ کا کام مراد لیا جا سکتا ہے۔ قرطبی نے بھی الاثم سے مراد تمام قسم کی نافرمانیاں لی ہیں۔"حقيقة الإثم أنه جميع المعاصي"[1] اسی طرح ایسر التفاسیر کے مفسر بھی اثم سے مراد ہر قسم کے گناہ بشمول شراب مراد لیتے ہیں "الإثم كل ضار قبيح من الخمر وغيرها من سائر الذنوب"[2]

﴿وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف حلال و حرام سے ایسی چیزیں منسوب نہ کرو جسکی اجازت اس نے نہیں دی۔ امام شوکانی لکھتے ہیں کہ عورتیں ننگی ہو کر طواف خانہ کعبہ کرتی ہیں اور صرف فرج پر کپڑا ڈال لیتی تھیں۔[4] اس شعر کی عکاسی ضباعہ بنت عامر[5] (متوفی 631ء) کا درجہ ذیل شعر جاہلی کرتا ہے۔

الْيَوْمَ يَبْدُو بَعْضُهُ أَوْ كُلُّهُ ... وَمَا بَدَا مِنْهُ فَلَا أُحِلُّهُ[6]

ترجمہ و تجزیہ

آج اس کا بعض یا پورا جسم ہی ظاہر ہو گا اور جو ظاہر ہو گا اس میں سے میں اس کو حلال نہ سمجھوں گا۔ پورا شعر ہی اس بات کی عکاسی کر رہا ہے کہ طواف کعبہ کپڑے اتار کر بدن کو ظاہر کر کے کیا جاتا تھا۔ اسی بات کی طرف ایسر التفاسیر میں بھی اشارہ کیا گیا ہے وہ لوگ کعبہ کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے اور کپڑے پہن کر طواف کو اللہ کی نافرمانی سمجھتے تھے۔"طافوا بالبيت عراة بدعوى أنهم لا يطوفون بثياب عصوا الله تعالى فيها"[7]

﴿ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ﴾[8] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

عرش کا معنی بیان کرتے ہوئے امام شوکانیؒ لکھتے ہیں اس سے مراد ملک، سلطنت اور عزت بھی لی جاتی ہے۔[9]

---

[1] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن:7/201

[2] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الكبير:2/166

[3] اعراف:33

[4] شوکانی، فتح القدیر:2/229

[5] ایک صحابی شاعرہ ہے۔ وہ ضباعہ بنت عامر بن قرات بن سلمہ الخیر (متوفی 10ھ/631ء) ہیں جو بنو قشیر سے ہیں۔ وہ ہشام بن المغیرہ کی بیوی تھیں۔ انہوں نے ابتدائی طور پر مکہ میں اسلام قبول کیا تھا (الزرکلی، موسوعة الأعلام)

[6] أبو عمرو الشيباني، شرح المعلقات التسع (بیروت: مؤسسة اعلمي للمطبوعات 2001ء)، ص167

[7] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الكبير:2/166

[8] اعراف:54

[9] شوکانی، فتح القدیر:2/241

اس بات کی وضاحت زہیر بن ابی سلمیٰ بن ربعیہ بن مزنی (متوفی 609ء) کے اس شعر کی مدد سے بھی کی جاسکتی ہے۔

تَدَارَكْتُمَا عَبْسًا وقد ثلّ عرشها ... وذبيان إذ زلّت بأقدامها النَّعْلُ[1]

تم دونوں نے قبیلہ عبس کو دیکھا اس حال میں انکی بادشاہت منہدم ہوگئی اور قبیلہ ذبیان کو جب اس کے پاؤں سے جوتے پھسل گئے تھے۔ اس طرح ربیعہ بن ذوابہ کا یہ شعر بھی ہے کہ

إِنْ يَقْتُلُوكَ فَقَدْ ثَلَلْتُ عُرُوشهُمْ ... بعتيبة بن الحرث بْنِ شِهَابِ[2]

ترجمہ و تجزیہ

اگر وہ تم سے جنگ سے کریں تو میں نے ان کی سرداری کو منہدم کر دیا ہے عتیبہ بن الحارث بن شہاب کی صورت میں۔ پہلے شعر میں ثلّ عرشها کا مطلب ہے انکی بادشاہت و سرداری منہدم ہوگئی۔ اور دوسرے شعر میں عروشہم سے مراد سرداران قبیلہ ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ لغت عرب میں لفظ عرش بادشاہ، سردار اور بادشاہت، سرداری کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ لیکن آیت میں یہ معنی مراد لینا ممکن نہیں ہے۔ تفسیر بحر المدید کے مطابق عرش سے مراد ایک عظیم جسم ہے جو تمام اکوان کو محیط ہے اس کو عرش کا نام اس کی بلندی اور بادشاہ کے تخت کے ساتھ تشبیہ کی وجہ سے دیا گیا ہے۔ "والعرش جسم عظيم محيط بالأكوان.سمي به لارتفاعه، وللتشبيه بسرير الملك[3] بلکل یہی بات تفسیر بیضاوی میں بھی مذکور ہے۔ "والعرش الجسم المحيط بسائر الأجسام سمي به لارتفاعه، أو للتشبيه بسرير الملك"[4]

﴿الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَأَنْ لَمْ يَغْنَوْا فِيهَا﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

يَغْنَوْا کا معنی بیان کرتے ہوئے مفسر فرماتے ہیں کہ جب انسان کسی مکان میں ٹھہرے تو غنيت بالمكان کا جملہ بولا جاتا ہے۔ اور جب کسی کا قیام کسی جگہ لمبا ہو جائے تو بولا جاتا ہے "غنى القوم فى دارهم"۔ اس طرح المغنى کا مطلب المنزل اترنے والا ہے اس کی جمع المغانی آتی ہے۔[6] اس کی دلیل حاتم طائی (متوفی 578ء) کے درجہ ذیل شعر میں موجود ہے۔

---

[1] زہیر، دیوان زہیر بن أبي سلمى، ص67

[2] ابن اثیر، ضیاء الدین نصر اللہ بن محمد، المثل السائر في أدب الكاتب والشاعر (القاهرة: دار نهضة)، 1/293

[3] فاسی صوفی، البحر المديد في تفسير القرآن المجيد: 2/223

[4] بیضاوی، تفسير البيضاوي: 3/26

[5] اعراف: 92

[6] شوکانی، فتح القدير: 2/257

غَنِينَا زمانا بالتّصعلك والغنى ... كما الدّهر في أيامه العسر واليسر[1]

ترجمہ و تجزیہ

ہم نے زمانے کو فقر و غنا سے بھر دیا جس طرح زمانہ اپنے ایام میں تنگی اور آسانی کو لئے ہوئے ہے۔ اس شعر میں غنیا کا لفظ ٹھہرنے اور اترنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ تفسیر بحر المدید میں اس آیت کا معنی یہ بیان کیا گیا کہ گویا وہ وہاں ایک ساعت بھی نہیں ٹھہرے۔ "كأنهم لم يقيموا فيها ساعة[2] صاحب تفسیر بغوی نے اس کا معنی قیام کرنا اور اترنا بیان کیا ہے۔ "لَمْ يُقِيمُوا وَلَمْ يَنْزِلُوا فِيهَا"[3]

﴿وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

السنین سے مراد قحط ہے۔ اور یہ اہل عرب کے ہاں معروف ہے جس سال قحط ہو تو اسکو عرب کہتے ہیں۔ "أَصَابَتْهُمْ سَنَةٌ"۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے ((اللَّهُمَّ اجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ))[5] "اسنت القوم" کا مطلب ہے قحط میں مبتلا کرنا۔[6] اس کا استشہاد شاعر مطرود بن کعب خزاعی[7] کے اس قول سے کیا گیا ہے۔

وَرِجَالُ مَكَّةَ مُسْنِتُونَ عِجَافُ[8]

ترجمہ و تجزیہ

مکہ کے لوگ قحط زدہ نحیف جسم والے ہیں۔ مُسْنِتُونَ عِجَاف سے مراد قحط زدہ، لاغر جسم والے لوگ ہیں۔ پس ثابت ہوتا ہے کہ آیت میں بھی السِّنِينَ سے مراد قحط ہی ہے۔ المفردات فی غریب القرآن میں لکھا ہے کہ السنۃ کا اطلاق اس سال کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جس میں قحط ہو۔ "عبارة عن الجدب وأكثر ما تستعمل السنة فى الحول الذى

---

[1] اعلم، أبو الحجاج، یوسف بن سلیمان بن عیسی، أشعار الشعراء الستة الجاهليين، ص144

[2] فاسی صوفی، البحر المديد في تفسير القرآن المجيد:2/240

[3] بغوی، تفسیر البغوي:2/216

[4] اعراف:130

[5] بخاری، محمد بن إسماعیل، الجامع المسند الصحیح المختصر من أمور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وأیامہ (دار طوق النجاۃ 1422ھ) کتاب الادب، باب تسمیہ الولد، ح6200

[6] شوکانی، فتح القدیر:2/270

[7] ایک شاندار جاہلی شاعر تھے۔ عبد المطلب بن ہاشم کے پاس اپنے ایک جرم کے لیے پناہ لی، تو اس نے اس کی حفاظت کی اور اس کے ساتھ حسن سلوک کیا، اکثر اس کی اور اس کے خاندان کی تعریف کرتے تھے۔(https://poetsgate.com اخذ شدہ بتاریخ 28 ستمبر 2024، 11:44)

[8] ابن عبد ربہ، العقد الفرید 3/281

فیه الجدب"[1]لسان العرب نے بھی السنین سے مراد القحوط لیا ہے۔"بِالسِّنِينَ؛ أَي بالقُحُوط"[2]

﴿فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

الشماتہ کا مطلب دشمن کا اپنے مخالف کو مصائب میں مبتلا دیکھ کر خوش ہونا ہے۔[4] حدیث شریف میں آیا ہے کہ((أن النبي صلى الله عليه و سلم كان يستعيذ من سوء القضاء وشماتة الأعداء ودرك الشقاء وجهد البلاء))[5] یہی بات اکثم بن صیفی تمیمی[6] کا یہ شعر بھی کرتا ہے۔

فَقُلْ لِلشَّامِتِينَ بِنَا أَفِيقُوا ... سَيَلْقَى الشَّامِتُونَ كَمَا لَقِينَا[7]

ترجمہ و تجزیہ

ہمارے مصائب پہ خوش ہونے والوں کو کہ دو کہ ٹھہر و تمھارے دشمن بھی جلد خوش ہوں جیسا کے ہم نے پایا ہے۔ اس شعر میں الشَّامِتُونَ سے مراد وہ مخالفین ہیں جو قوم کو مصیبت زدہ دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔ لسان العرب اور مفردات القرآن دونوں نے بالترتیب شماتہ کا مطلب دشمن کا اپنے دشمن کی مصیبت پر خوش ہونا بیان کیا ہے "الشَّماتة فَرَحُ الْعَدُوِّ"[8] "الشماتة الفرح ببلية من تعاديه ويعاديك"[9]

﴿وَقَطَّعْنَاهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ أَسْبَاطًا أُمَمًا﴾[10] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

اسباط جمع ہے سبط کی اور سبط پوتے کو کہتے ہیں اور یہاں اسباط سے مراد قبائل ہیں۔[11] جیسا کہ اس شعر میں

---

[1] راغب اصفہانی، المفردات في غريب القرآن، ص245

[2] ابن منظور، لسان العرب:13/501

[3] اعراف:150

[4] شوکانی، فتح القدیر:2/283

[5] نسائی، ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب، سنن النسائی الکبری(بیروت :دار الکتب العلمیۃ 1991ء) کتاب الاستعاذۃ، باب الاستعاذۃ من درک الشقاء، ح7928(حدیث صحیح)

[6] اکثم بن صیفی بن رباح الشریفی الاسدی الامراوی التیمی جاہلی شاعر، کاتب، خطیب اور حکیم تھا۔ عربوں کا ایک بہادر اور ماہر مشیر تھا۔ خسرو پاس جب فارسیوں نے عربوں کی حیثیت کو حقیر سمجھا تو اس نے خسرو کو اپنی فصاحت و بلاغت سے حیران کر دیا۔ (الاصفہانی: الاغانی، ج15، ص73)

[7] المیدانی، ابو الفضل احمد بن محمد بن ابراھیم النیسابوري، مجمع الأمثال (بیروت: دار المعرفۃ)، 1/367

[8] ابن منظور، لسان العرب:2/51

[9] راغب اصفہانی، المفردات في غريب القرآن، ص266

[10] اعراف:160

[11] شوکانی، فتح القدیر:2/291

بھی اس کی تائید موجود ہے۔

فإن كلابا هذا عشرُ أبطنٍ ... وأنت بريء من قبائلها العشرِ [1] أَرَادَ بِالْبَطْنِ الْقَبِيلَةَ

ترجمہ و تجزیہ

بنو کلاب سارے کے سارے دس قبائل ہیں۔ اور آپ ان دس قبائل سے باہر ہیں۔ اس مصرعہ میں ابطن سے مراد قبائل ہیں۔ اسی طرح آیت میں بھی اسباط سے مراد قبائل ہیں۔ لسان العرب اور مختار الصحاح بھی بالترتیب الاسباط بمعنی قبائل پر متفق ہیں۔ الأَسْباطُ مِنْ بَنِي إسرائيل كَالْقَبَائِلِ مِنَ الْعَرَبِ[2] الْأَسْبَاطُ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَالْقَبَائِلِ مِنَ الْعَرَبِ[3]

﴿يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

"الحفی" کا مطلب ہے کسی چیز کے بارے میں جاننے والا۔ العالم بالشیء۔ اور الحفی کا معنی سوال کے بارے میں تفتیش کرنے والا بھی ہے۔[5] اس سلسلے میں میمون بن قیس بن جندل بن شراحیل بن عوف بن سعد بن ضُبیعہ المعروف اعشی قیس (متوفی 629ء) کا یہ قول بھی موجود ہے۔

فَإِنْ تَسْأَلِي عَنِّي فَيَا رُبَّ سَائِلٍ ... حَفِيٍّ عَنِ الْأَعْشَى بِهِ حَيْثُ أَصْعَدَا[6]

ترجمہ و تجزیہ

اگر تو میرے بارے میں پوچھتی ہے تو (یہ کوئی اچھنبے کی بات نہیں ہے) کتنے ہی سائل ایسے ہیں جو اعشی کے بارے میں تفتیش کرنیوالے ہیں جہاں بھی وہ جاتا ہے۔ اس شعر میں لفظ حفی تفتیش کرنے اور جاننے کی کوشش کرنیوالے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح آیت میں بھی یہی معنی مراد ہیں۔ یعنی قیامت کے بارے میں سوال کرنے میں مبالغہ کرنیوالا۔ أیسر التفاسیر لکلام العلي الكبير میں ہے کہ "حفي عنها أي ملحف مبالغ في السؤال عنها"[7]

---

[1] مبرد، الکامل في اللغة والأدب: 2/186

[2] ابن منظور، لسان العرب: 7/310

[3] رازی، مختار الصحاح، ص141

[4] اعراف: 187

[5] شوکانی، فتح القدیر: 2/311

[6] اعشی قیس، دیوان الاعشی، ص42

[7] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الكبير: 2/270

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

العرف سے مراد المعروف ہے۔ العرف سے مراد ہر وہ اچھی خصلت ہے جس سے عقول خوش ہوں اور نفوس مطمئن ہوں۔[2] اس کی دلیل جرول بن اَوس بن مالک اَبو ملیکۃ العبسی المعروف الحطیئۃ (متوفی 674ء) کا درجہ ذیل شعر جاہلی ہے۔

مَنْ يَفْعَلِ الْخَيْرَ لَا يَعْدَمْ جَوَازَيْهِ ... لَا يَذْهَبُ الْعُرْفُ بَيْنَ اللَّهِ وَالنَّاسِ[3]

ترجمہ و تجزیہ

جو نیک کام کرتا ہے تو اس کی جزاؤں کو معدوم نہیں کیا جا سکتا اور اللہ اور لوگوں کے درمیان اچھائی کے کاموں کو معدوم نہیں کیا جا سکتا۔ اس شعر میں العرف اچھی خصلت اور اچھائی کے کاموں کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ پس آیت میں بھی اس سے اچھی خصلت اور نیکی کے کام مراد لیا جا سکتا ہے۔ المعجم المحیط میں "العُرْفُ" کا معنی "الجود والمعروف، خلاف النُّكر" یعنی سخاوت اور نیکی اور برائی کا مدمقابل بیان کیا گیا ہے۔[4] صاحب ایسر التفاسیر نے "العرف" کا معنی المعروف في الشرع بالأمر به أو الندب إليه[5] یعنی شرعاً جو چیز اچھی اور مستحسن ہو بیان کیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ عرف سے اچھائی ہے۔

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

انفال جمع ہے نفل کی تینوں کلموں (ف، ع، ل) کی حرکت کے ساتھ اور اس سے مراد مال غنیمت ہے۔[7] مفسر نے اس کی تائید میں عنترہ بن شداد بن العبسی المصری (608ء) کا درج ذیل شعر جاہلی لایا ہے۔

انَّا إِذَا احْمَرَّ الْوَغَى نَرْوِي الْقَنَا ... وَنَعُفُّ عِنْدَ مَقَاسِمِ الْأَنْفَالِ[8]

---

[1] اعراف:199

[2] شوکانی، فتح القدیر:2/318

[3] حطیئہ، دیوان الحطیئۃ، ص284

[4] أدیب اللجمی، شحادۃ الخوري-البشیر بن سلامۃ-عبد اللطیف عب-نبیلۃ الرزاز، المعجم المحیط، (الشاملۃ الذھبیۃ)، ص1014

[5] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر:2/277

[6] انفال:1

[7] شوکانی، فتح القدیر:2/323

[8] عنترۃ، دیوان عنترۃ بن شداد، ص152

ترجمہ و تجزیہ

بے شک ہم مال و دولت کی کھیتی کو سیراب کرتے ہیں جب جنگ سرخ ہو جائے (بھڑک اٹھے) اور مال غنیمت تقسیم ہوتے وقت ہم گالم گلوچ سے پرہیز کرتے ہیں۔"مَقَاسِم الْأَنْفَال" سے مراد جنگ کے بعد مال غنیمت کی باہمی تقسیم ہے۔ پس معلوم ہوا انفال سے مراد مال غنیمت ہے۔ یعنی عرب لفظ نفل کا اطلاق میدان جنگ میں حاصل شدہ مال غنیمت پر کرتے ہیں۔ صاحب ایسر التفاسیر نے بھی لکھا ہے کہ وقد أطلق العرب لفظ النفل على الغنائم في الحرب[1] اور قرطبی کا بھی یہی موقف ہے۔ والغنيمة نافلة[2]

﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِندَ ٱلْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

مکاء کا مطلب سیٹی بجانا ہے یہ مَكَا يَمْكُو مُكَاءً سے مصدر ہے۔[4] اس کی نظیر درج ذیل شعر میں موجود ہے۔

وحليل غانية تركت مجدّلا ... تَمْكُو فَرِيصَتُهُ كَشِدْقِ الْأَعْلَمِ[5]

ترجمہ و تجزیہ

گانے والی کی ساتھی نے مجدل کو چھوڑا تو اسکے سینے سے ایسے آواز نکلتی تھی جیسے عالم کے گلے سے۔

اس شعر میں تمکو بمعنی تُصَوِّتُ استعمال ہوا ہے۔ اور تصدیہ کا معنی ہے تالیا بجانا۔ اس کی دلیل عنترہ بن شداد بن العبسی المصری (608ء) کا یہ شعر ہے کہ

وَظَلُّوا جَمِيعًا لَهُمْ ضَجَّةٌ ... مُكَاءٌ لَدَى الْبَيْتِ بِالتَّصْدِيَةِ[6] أَيْ بِالتَّصْفِيقِ

ترجمہ و تجزیہ

اور وہ سب شور مچاتے رہے گھر کے پاس سیٹیاں بجا بجا کر یا تالیاں بجا بجا کر۔ امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ اس شعر میں التصدیہ بمعنی التصفیق استعمال ہوا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ آیت میں مکاء و تصدیہ بمعنی سیٹیاں بجانا اور تالیاں

---

[1] جزائری، أيسر التفاسير لكلام العلي الكبير: 2/284

[2] قرطبی، تفسير القرطبي: 7/361

[3] انفال: 35

[4] شوکانی، فتح القدیر: 2/349

[5] عنترة، دیوان عنترة بن شداد، ص176

[6] شوکانی، فتح القدیر: 2/349

بجانا استعمال ہوا ہے۔ تفسیر قرطبی نے "التَّصْدِيَةُ" کا معنی "صِيَاحٌ"[1] یعنی چیخنا چلانا لکھا ہے۔ اور البحر المدید في تفسیر القرآن المجید میں مذکور ہے کہ مُكاءً کا مطلب "تصفيراً بالفم، كما يفعله الرعاة، وَتَصْدِيَةً أي تصفيقاً باليد[2] یعنی منہ سے سیٹیاں بجانا اور ہاتھوں سے تالیاں بجانا ہے۔

﴿نَكَصَ عَلَى عَقِبَيْهِ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

نکص بمعنی رجع استعمال ہوتا ہے۔[4] جیسا کہ درجہ ذیل شعر میں بھی ہے۔

لَيْسَ النُّكُوصُ عَلَى الْأَعْقَابِ مُكْرُمَةً ... إِنَّ الْمَكَارِمَ إِقْدَامٌ عَلَى الأسل[5]

ترجمہ و تجزیہ

الٹے پاؤں پیچھے پلٹنا کوئی قابل عزت کام نہیں ہے۔ عزت و شرف نیزوں کی طرف پیش قدمی کرنے میں ہے۔ یہاں لفظ نکوص جو کہ نکص کا مصدر ہے۔ بمعنی رجوع استعمال ہوا ہے۔ آیت میں بھی یہ لفظ الٹے پاؤں پھرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مختار الصحاح اور الصحاح دونوں بھی نکوص بمعنی رجوع پر متفق ہیں۔[6] نَكَصَ عَلَى عَقِبَيْهِ أَيْ رَجَعَ[7] ينكص وينكص، أي رجع[8]

﴿ فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ﴾[9] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

الثقاف کا لغوی معنی ہے ایسی چیز جس کے ساتھ قنات کو یا اس جیسی چیز کو باندھا جاتا ہے۔ یعنی جب تم دشمن پر ایسے قابو پالو جس طرح قنات کو رسی کے ساتھ باندھ دیا جاتا ہے اور وہ ہل جل نہیں سکتی۔[10] اس معنی کا استشہاد نابغة ذبیاني (متوفی 604ء) کے درجہ ذیل شعر جاہلی سے کیا گیا ہے۔

---

[1] قرطبی، تفسیر القرطبي: 7/400

[2] فاسی صوفی، البحر المدید في تفسیر القرآن المجید: 2/328

[3] انفال: 48

[4] شوکانی، فتح القدیر: 2/360

[5] ایضاً 6/133

[6] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر: 2/314

[7] رازی، مختار الصحاح، ص319

[8] جوہری، الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية: 3/1060

[9] انفال: 57

[10] شوکانی، فتح القدیر: 2/365

تدعو قعينا وقد عضّ الحديد بها ... عضّ الثِّقَافِ عَلَى ضَمِّ الْأَنَابِيبِ[1]

ترجمہ و تجزیہ

اس شعر میں الثِّقَاف کا مرکب مضبوطی سے باندھی ہوئی رسی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ پس آیت میں بھی یہ معنی مراد لینا جائز ہوگا۔ لسان العرب میں ہے کہ ثَقِفْتُ الشيءَ حَذَقْتُه، وثَقِفْتُه إِذَا ظَفِرْتَ بِهِ.[2] یعنی چیز پر مکمل قابو پالینا۔ تفسیر کشاف میں اس کا مطلب فتح اور قابو پانا لکھا ہے۔ فإما تصادفنهم وتظفرنّ بهم[3] اس شعر میں الثِّقَاف کا مرکب مضبوطی سے باندھنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ پس آیت میں بھی یہ معنی مراد لینا جائز ہوگا۔ لسان العرب میں ہے کہ ثَقِفْتُ الشيءَ حَذَقْتُه، وثَقِفْتُه إِذَا ظَفِرْتَ بِهِ.[4] یعنی چیز پر مکمل قابو پالینا۔ تفسیر کشاف میں اس کا مطلب فتح اور قابو پانا لکھا ہے۔ فإما تصادفنهم وتظفرنّ بهم[5]

﴿فَشَرِّدْ بِهِمْ مَنْ خَلْفَهُمْ﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

مفسر فرماتے ہیں کہ شَرِّدْ بِهِمْ سے مراد یہ ہے کہ ان کو قتل کر کے ان کو اپنے پیچھے والوں سے جدا کر دو۔ شر دت بنی فلان یعنی میں نے ان کو اپنی جگہ سے اکھاڑ دیا اور اس جگہ سے ان کو دھتکار دیا یہاں تک کہ انہوں نے اس جگہ کو چھوڑ دیا۔[7] اس معنی کی نظیر درجہ ذیل شعر ہے۔

أَطُوفُ في الأباطح كلّ يوم ... مخافة أن يشرّد بي حَكِيمُ[8]

ترجمہ و تجزیہ

میں ہر روز وادی کا چکر لگاتا ہوں اس ڈر سے کہ کہیں دانا آدمی مجھ سے جدا نہ ہو جائے۔ اس شعر میں یشردنی بمعنی یفارقنی استعمال ہوا ہے۔ پس معلوم ہوا لغت عرب میں شرد یشرد، فارق یفارق کے معنی میں استعمال

---

[1] نابغہ ذبیانی، دیوان النابغۃ الذبياني، ص 53

[2] ابن منظور، لسان العرب: 9/19

[3] زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل: 2/30

[4] ابن منظور، لسان العرب: 9/19

[5] زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل: 2/30

[6] انفال: 57

[7] شوکانی، فتح القدیر: 2/365

[8] امیل بدیع یعقوب، المعجم المفصل فی شواہد العربیۃ 7/253

ہوتا ہے۔ مختار الصاح نے اس کا معنی جدائی ڈالنا اور اجتماع کو بکھیرنا لکھا ہے۔[1] أَيْ فَرِّقْ وَبَدِّدْ جَمْعَهُمْ[2] الصحاح نے بھی بالکل یہی معنی بیان کیا ہے۔أي فَرِّقْ وبَدِّدْ جمعَهم[3]

﴿فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

علی سواء کا مطلب ہے برابری کی بنیاد پر اور اسی طرح سواء کا لفظ عدل اور وسط کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔[5] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔﴿فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ﴾[6] اور عمرو بن ربیعہ کا یہ شعر جاہلی ہے۔

فَاضْرِبْ وُجُوهَ الْغُدَّرِ الْأَعْدَاءِ ... حتّى يجيبوك إلى السّواء [7]

ترجمہ وتجزیہ

غدار دشمن کے منہ پہ مارو یہاں تک کہ وہ تمہیں برابر جواب دیں۔ اس شعر میں علی سواء برابری کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ پس معلوم ہوا لغت عرب میں سواء کا لفظ برابری کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لسان العرب اور مختار الصحاح میں بالترتیب اس کا معنی برابری (عدل) بیان کیا گیا ہے۔السَّوِيَّةُ والسَّوَاءُ العَدْل والنَّصَفة[8] (السَّوَاءُ) الْعَدْلُ[9]

﴿وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا﴾[10] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

الجنوح کام مطلب میلان اور جھکاؤ ہے۔ عرب میں مشہور کہاوت ہے کہ جنح الرجل یعنی آدمی دوسرے آدمی کی طرف مائل ہوا۔ اور پسلیوں کو بھی جوانح کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ بھی اندر کی طرف مڑی ہوتی ہیں۔ اور جنحت الابل عرب اس وقت کہتے ہیں جب اونٹ دوڑتے یا چلتے ہوئے اپنی گردن کو جھکا لیتا ہے۔[11] اس معنی کی

---

[1] جزائری، أيسر التفاسير لكلام العلي الكبير:2/320

[2] رازی، مختار الصحاح، ص163

[3] جوہری، الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية:2/494

[4] انفال:58

[5] شوکانی، فتح القدیر:2/365

[6] صافات:55

[7] ابن ابی حدید، شرح نہج البلاغة، عبد الحمید بن هبة الله بن محمد (بیروت: دار الکتب العلمیة1998ء):3/327

[8] ابن منظور، لسان العرب:14/412

[9] رازی، مختار الصحاح، ص158

[10] انفال:61

[11] شوکانی، فتح القدیر:2/367

دلیل عمرو بن ربیعہ کا درجہ ذیل شعر جاہلی ہے۔

جَوَانِحُ قَدْ أَيْقَنَّ أَنَّ قَبِيلَهُ ... إِذَا مَا الْتَقَى الْجَمْعَانِ أَوَّلَ غَالِبِ[1]

ترجمہ وتجزیہ

صلح کا ہاتھ بڑھانے والوں کو یقین ہو گیا کہ جب دو لشکر آمنے سامنے ہوں گے تو اس کا قبیلہ پہلے غالب آجائے گا۔ اس شعر میں جوانح سے مراد صلح کا ہاتھ بڑھانے والے لوگ ہیں۔ معلوم ہوا الجنوح میلان اور جھکاؤ اور صلح کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ شعر میں "جَوَانِحُ" بطور استعارہ پر بول کر پرندہ مراد لیا گیا ہے۔ لسان العرب میں ہے کہ اس کا مطلب إن مَالُوا إليك فَمِلْ إليها[2] یعنی اگر وہ آپ کی طرف مائل ہوں تو آپ انکی طرف جھکاؤ اختیار کریں۔ محیط فی اللغۃ کے مصنف لکھتے ہیں کہ" وإذا مالَتْ النَاقَةُ على أحَدِ شِقَّيْها يُقالِ جَنَحَتْ[3] یعنی جب انٹنی اپنے ایک پہلو کی طرف جھکے تو اسوقت جنحت کا لفظ بولتے ہیں۔ یہی مذہب امام راغب کا بھی ہے۔ أي مالوا من قولهم جنحت السفينة أي مالت إلى أحد جانبيها[4]

﴿ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ ﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

یہاں ارحام سے مراد قرابت داری کے رشتے ہیں۔ اس میں ہر قسم کی قرابت داری شامل ہے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہاں الارحام سے مراد سارے رشتے نہیں بلکہ صرف عصبات شامل ہیں۔ عرب جب وصلتک رحم بولتے ہیں تو وہ اس سے قرابت الام مراد نہیں لیتے۔[6] جیسا کہ قتیلہ بنت نضر بن حارث[7] کے اس شعر سے واضح ہو جاتا ہے۔

ظَلَّتْ سُيُوفُ بَنِي أَبِيهِ تَنُوشُهُ ... لِلَّهِ أَرْحَامٌ هُنَاكَ تَشَقَّقُ[8]

---

[1] نابغہ ذبیانی، دیوان النابغۃ الذبیانی، ص43

[2] ابن منظور، لسان العرب:2/428

[3] صاحب بن عباد، إسماعیل بن عباد بن العباس، المحیط فی اللغۃ (بیروت عالم الکتب1994ء)،1/181

[4] راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، ص100

[5] انفال:75

[6] شوکانی، فتح القدیر:2/376

[7] قُتَیلہ، بنت حارث بن کلدہ بن علقمہ بن عبد مناف بن عبد الدار ابن قصی عبدریہ قرشیہ پورانا تھا۔ اس نے اسلام قبول کیا اور عمر بن خطاب کے دور خلافت میں ان کا انتقال ہوا۔ وہ نضر بن حارث کی بہن ہیں، کہا جاتا ہے کہ اس کی بیٹی جنگ بدر میں اس کے پکڑے جانے کے بعد ماری گئی تھی اور وہ مشرکین کی طرف تھی۔ (سیرت ابن ہشام)

[8] جاحظ، أبو عثمان عمرو بن بحر بن محبوب، البیان والتبیین (القاھرۃ: مکتبۃ الخانجی 1988ء)،4/44

ترجمہ و تجزیہ

اس کے بھائیوں کی تلوار تیز ہوتی رہی اللہ کے بنائے ہوئے رشتے وہاں ٹوٹ گئے۔ اس شعر میں بنو ابیہ یعنی باپ کی اولاد مطلب بھائیوں کے درمیان تلوار چل گئی۔ اگلے مصرعے میں اسی رشتے کے لئے ارحام کا لفظ استعمال کرتا ہے یعنی بھائیوں کے لئے ارحام کا لفظ بطور مجاز استعمال ہوا ہے وگرنہ حقیقی معنی میں تو ماں کی طرف سے شامل رشتوں کو ارحام کہا جاتا ہے۔ پس آیت کو حقیقی معنی پر محمول کریں تو تمام رشتہ دار مراد ہوں گے اور قرین قیاس بھی یہی ہے اور اگر مجازی معنی مراد لیں تو صرف عصبات یعنی باپ کی طرف سے رشتے شامل ہونگے۔ قرطبی اور اضواء البیان بالترتیب کے مطابق بھی آیت میں عصبات مراد ہیں۔ والمراد بھاھناالْعَصَبَاتُ دُونَ الْمَوْلُودِ بِالرَّحِمِ[1] الْمُرَادُ بِذَوِي الْأَرْحَامِ الْعُصْبَةُ خَاصَّةً[2]

﴿فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

السیاحۃ کا مطلب ہے سیر کرنا "سَاحَ فُلَانٌ فِي الْأَرْضِ" کا مطلب ہوتا ہے فلان نے زمین پر سیر وسیاحت کی ۔ اس کا مصدر سیاحت، سیوحا اور سیحانا بھی آتا ہے اسی طرح عرب کہاوتیں ہیں کہ سیح الماءوسیح الخیل یعنی زمین پر چلنا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا۔[4] شاعر قتیلہ بنت نضر بن حارث کہتا ہے۔

لَوْ خِفْتُ هَذَا مِنْكَ مَا نِلْتَنِي ... حَتَّى تَرَى أَمَامِي تَسِيحُ الثَّانِيَةُ[5]

ترجمہ و تجزیہ

اگر مجھے تم سے یہ ڈر ہوتا تو تم مجھے حاصل نہ کرتے یہاں تک تو دیکھتا کہ میرے آگے آگے دوسرا دوڑ رہا ہے۔ اس شعر میں تسیح کا لفظ تسیر یعنی زمین پہ چلنے اور دوڑنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے پس معلوم ہوا آیت میں بھی سیحو بمعنی سیروا ہی استعمال ہوا ہے۔ قرطبی بھی اسی معنی کے مؤید ہیں کہ سِيحُوا یعنی سِيرُوافِي الْأَرْضِ یعنی زمین میں سیر کرو[6] اور تفسیر الوسیط میں ہے کہ السیاحۃ کا اصل معنی پانی کا بہنا ہے پھر یہ زمین پہ سفر کرنے

---

[1] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن:8/58

[2] شنقیطی، محمد الأمین، أضواء البیان في إیضاح القرآن بالقرآن (بیروت: دار الفکر 1995ء)، 2/106

[3] توبہ:2

[4] شوکانی، فتح القدیر:2/380

[5] شوکانی، فتح القدیر:6/108

[6] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن:8/64

کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ والسیاحة في الأصل جريان الماء وانبساطه على موجب طبيعته، ثم استعملت في الضرب في الأرض والاتساع في السير والتجوال[1]

﴿ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً ﴾[2] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

إِلًّا کا مطلب عہد ہے یہ لفظ "الْعَهْدُ وَالْقَرَابَة" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔[3] اس معنی کا استشہاد مصنف حضرت حسان بن ثابت بن منذر بن حرام (متوفی 647ء) کے درجہ ذیل شعر سے کیا ہے۔

لَعَمْرُكَ أَنَّ إِلَّكَ مِنْ قُرَيْشٍ ... كَإِلِّ السَّقْبِ من رأل النَّعَامِ[4]

ترجمہ و تجزیہ

تیری عمر کی قسم قریش کے ساتھ تمھارا معاہدہ ایسے ہی ہے جیسے اونٹنی کے بچے کا شتر مرغ کیساتھ ہوتا ہے۔ اس شعر میں "إِلَّ" کا لفظ دونوں دفعہ معاہدے اور قرابت داری کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور آیت کا سیاق وسباق بھی اسی بات کی طرف دلالت کرتا ہے کہ یہ عہد کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ صاحب مفاتیح الغیب نے بھی اس کا معنی عہد اور قربت بیان کیا ہے۔ أَنَّهُ الْعَهْدُ الثَّانِي الْقَرَابَةُ[5] یہی خیال صاحب روح المعانی کا بھی ہے کہ الال سے مراد رحم اور قربت ہے۔ «الإل» بكسر الهمزة وقد يفتح على ما روي عن ابن عباس الرحم والقرابة[6]

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾[7] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

عَيْلَة کا مطلب ہے فقر، جب آدمی فقیر ہو جائے، غریب ہو جائے تو عرب کہتے ہیں عال الرجل یعیل۔[8] اس کی مثال شاعر احیحہ بن جلاح (متوفی 497ء) کا یہ قول ہے۔

---

[1] مجموعة من العلماء، التفسير الوسيط للقرآن الكريم: 6/197

[2] توبہ: 8

[3] شوکانی، فتح القدیر: 2/387

حسان، دیوان حسان بن ثابت، ص242

[5] رازی، مفاتیح الغیب: 15/532

[6] آلوسی، روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني: 5/250

[7] توبہ: 28

[8] شوکانی، فتح القدیر: 2/399

وَمَا يَدْرِي الْفَقِيرُ مَتَى غِنَاهُ ... وَمَا يَدْرِي الْغَنِيُّ مَتَى يَعِيلُ[1]

ترجمہ و تجزیہ

فقیر کو نہیں معلوم کہ کب غنی ہو جائے اور غنی کو نہیں معلوم کی کب فقیر ہو جائے۔ اس شعر میں یعیل بمعنی یفتقر استعمال ہوا ہے۔ پس معلوم ہوا عیلۃ کا لفظ فقر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ تفسیر التحریر والتنویر نے بھی اس کا معنی غربت اور محتاجی لکھا ہے وَالْعَيْلَةُ الِاحْتِيَاجُ وَالْفَقْرُ[2]

﴿وَلَأَوْضَعُوا خِلَالَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

الایضاع کا معنی سرعۃ السیر یعنی چلنے میں جلدی کرنا ہے۔[4] اس معنی کا استشہاد درید بن الصمہ (متوفی 630ء) کے درجہ ذیل شعر جاہلی سے کیا گیا ہے۔

يَا لَيْتَنِي فِيهَا جَذَعْ ... أَخُبُّ فِيهَا وَأَضَعْ[5]

ترجمہ و تجزیہ

کاش کے میں جوان ہوتا، میں اس (جنگ) میں خبب چال چلتا اور خوب جلدی چلتا۔ اس شعر میں اوضع بمعنی سرعۃ السیر یعنی جلدی چلنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ایسر التفاسیر اور لسان العرب میں بھی بالترتیب یہی معنی بیان کیا گیا ہے۔ أي لأسرعوا بينكم[6] اور الإيضاعُ السَّيْرُ بَيْنَ الْقَوْمِ[7]

﴿لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ﴾[8] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

ریبۃ کا معنی شک اور نفاق ہے یعنی ان کے دلوں میں شک اور نفاق ہے۔[9] اس کی دلیل نابغۃ ذبیانی

---

[1] أبو الخطاب القرشي، أبو زيد محمد، جمهرة أشعار العرب (مصر: نهضة للطباعة والنشر والتوزيع)، ص27 (یہ شعر احیحہ بن جلاح کا ہے۔)

[2] ابن عاشور، محمد الطاهر، التحرير والتنوير (تونس: الدار التونسية 1984ء)، 161/10

[3] توبہ: 47

[4] شوکانی، فتح القدیر: 418/2

[5] درید، بن الصمۃ في دیوان درید بن الصمۃ، ص128

[6] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الكبير: 375/2

[7] ابن منظور، لسان العرب: 398/8

[8] توبہ: 110

[9] شوکانی، فتح القدیر: 460/2

(متوفی 604ء) کا درجہ ذیل شعر جاہلی ہے۔

حَلَفْتُ فَلَمْ أَتْرُكْ لِنَفْسِكَ رِيبَةً ... وَلَيْسَ وَرَاءَ اللَّهِ لِلْمَرْءِ مَذْهَبُ[1]

ترجمہ و تجزیہ

میں نے قسم اٹھائی تا کہ آپ کے دل میں کوئی شک کی گنجائش نہ چھوڑوں اللہ کے سوا آدمی کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ اس شعر میں شاعر نے لفظ ریبۃ کو شک کے معنی میں استعمال کیا ہے اور لغت عرب میں یہی اسکے معروف معنی ہیں اور یہی آیت میں بھی مراد ہے۔ تفسیر التحریر والتنویر اور ایسر التفاسیر بھی بالترتیب اس بات میں تفسیر فتح القدیر کی تائید کرتی ہیں۔ الرِّيبَةُ الشَّكُّ[2] أي شكاً[3]

﴿التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

السائحون سے مراد الصائمون ہے یہی جمہور مفسرین کی رائے ہے۔ اس طرح قول باری تعالیٰ ہے ﴿عَابِدَات سَائِحَاتٍ﴾[5] السائح کا لفظی مطلب تو زمین میں سیاحت کرنے والا کے ہیں کہ صائم کو سائح اس لیے کہتے ہیں کہ صائم بھی مسافر کی طرح تمام لذات بدنی کو ترک کر دیتا ہے۔[6] جیسا کہ عبد مَناف بْن عَبْدُ الْمُطلب بن ہاشم (متوفی 619ء) کے اس شعر جاہلی میں بھی ہے۔

وبالسّائحين لايذوقون قطرة ... لربّهم والذاكرات العوامل[7]

ترجمہ و تجزیہ

قسم ہے روزہ داروں کی جو افطار کا ذائقہ نہیں چھکتے اپنے رب کے رضا کے لئے اور قسم ہے عملی ذکر کرنیوالیوں کی۔ اس شعر میں حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ نے السائحین سے مجازا روزہ دار مراد لیا ہے اور اس کا قرینہ فطرۃ کا لفظ ہے جو افطار پر دلالت کرتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ لفظ السائح کلام عرب میں مجازا روزہ دار کے لئے

---

[1] نابغہ ذبیانی، دیوان النابغۃ الذبیانی، ص 35

[2] ابن عاشور، التحریر والتنویر: 11/36

[3] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر: 2/424

[4] توبہ: 112

[5] تحریم: 5

[6] شوکانی، فتح القدیر: 2/465

[7] امیل بدیع یعقوب، المعجم المفصل في شواھد العربیۃ، 6/550

استعمال ہوتا ہے اسی لئے آیت میں بھی یہ لفظ لایا گیا ہے۔ تفسیر بیضاوی اور ایسر التفاسیر نے بھی بالترتیب اس کا معنی صائم بیان کیا ہے۔ أي الصائمون[1] السَّائِحُونَ الصائمون[2]

﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

صاحب تفسیر بیان فرماتے ہیں کہ اوہ الرجل تاویھا وتاوہ تاوھا اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص آہ بھرے، مثلاً کوئی کہے کہ آہ میرے گناہ جن کے سبب مجھے سزا دی جائے گی۔ مفسرین نے آواہ کے مختلف معنی بیان کئے ہیں کثرت سے ذکر کرنے والا، کثرت سے دعا کرنے والا، دوسرے کا غم کھانے والا شفیق (یہ معنی سب سے زیادہ مناسب ہے شان نبی کے حساب سے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ حضرت لوطؑ کی قوم پر فرشتے عذاب کے لئے آئے تو آپؑ نے اس پر بھی افسوس کیا اور عذاب ٹلنے کی خواہش فرمائی۔) مشفق و کریم آدمی جب کسی کا دکھ اور غم اور پریشانی دیکھتا ہے تو افسوس سے آہ بھرتا ہے کہ ایسا کیوں ہے۔[4] اس سلسلے میں شاعر المثقب العبدی[5] (متوفی 587ء) کا یہ قول موجود ہے کہ

إِذَا مَا قُمْتُ أَرْحَلُهَا بِلَيْلٍ ... تأوّه آهة الرّجل الحزين[6]

ترجمہ و تجزیہ

جب میں رات کو اس (اونٹنی پر) سوار ہونے کے لئے کھڑا ہوا تو اس نے غمگین آدمی کی طرح ٹھنڈی آہ بھری۔ اس شعر میں تاوہ، آہ بھرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور ساتھ ہی اسم فاعل کا صغیہ اہۃ کہ وزن پہ آیا ہے آیت میں جو اواہ ہے یہ مبالغہ کا صیغہ ہے بروزن فعال۔ اس بات کی تائید تفسیر روح المعانی میں بھی موجود ہے اواہ کا معنی کثرت سے آہیں بھرنے والا ہے۔ أي لكثير التأوه۔[7] التحریر والتنویر کے مطابق اواہ کے معنی شفقت کی طرف لوٹنے کے ہیں۔ لَأَوَّاهٌ فُسِّرَ بِمُعَانٍ تَرْجِعُ إِلَى الشَّفَقَةِ[8]

---

[1] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر: 2/428

[2] بیضاوی، أنوار التنزیل وأسرار التأویل: 3/99

[3] توبہ: 114

[4] شوکانی، فتح القدیر: 2/468

[5] مثقِّب عَبدِی (533ء تا 587ء) اصل نام العائذ بن محصن بن ثعلبہ ہے، جو بنو عبد القیس سے کی شاخ ربیعہ سے ہیں۔ اسلام سے پہلے کا شاعر اور بادشاہ عمرو بن ہند کا ہم عصر تھا، اور اس نے النعمان بن المنذر کی تعریفیں کی ہیں۔ اس کی شاعری میں حکمت اور نرمی ہے۔ (دینوری، الشعر والشعراء)

[6] مُثَقِّب، العائذ بن محصن بن ثعلبۃ، دیوان مُثَقَّب العَبْدِي (القاہرۃ: معہد المخطوطات العربیۃ 1997ء)، ص 194

[7] آلوسی، روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني: 6/34

[8] ابن عاشور، التحریر والتنویر: 11/46

﴿ كَأَنْ لَمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

گویا گزشتہ کل یہ سرسبز وشاداب کھیتی موجود نہیں تھی۔ عرب غنی بالمکان اس وقت بولتے ہیں جب مکان کو قیام گاہ بنائیں۔ لغت میں المغانی سے مراد المنازل ہیں اور قتادہ کا قول ہے کہ كَأَنْ لَمْ تَغْنَ بمعنی كَأَنْ لَمْ تنعم ہے۔[2] اس معنی کا استشہاد ابو عقیل لبید بن ربیعہ عامری (متوفی 661ء) کے درجہ ذیل شعر جاہلی سے کیا گیا ہے۔

وَغَنِيْتُ سَبْتًا قَبْلَ مُجْرَى دَاحِسٍ ... لَوْ كَانَ لِلنَّفْسِ اللَّجُوجِ خُلُودُ[3]

ترجمہ و تجزیہ

میں ایک ہفتہ ٹھہرا داحس کی طرف جانے سے پہلے کاش اس جھگڑالو نفس کے لئے (پسندیدہ چیزوں میں) ہمیشگی ہوتی۔ اس شعر میں غنیت بمعنی قیام کرنا استعمال ہوا ہے۔ تفسیر قرطبی میں ہے کہ یہ غنی بمعنی اقام سے نکلا ہے اور لغت میں مغانی گھروں کو کہتے ہیں۔[4] مِنْ غَنِيَ إِذَا أَقَامَ فِيهِ وَعَمَّرَهُ. وَالْمَغَانِي فِي اللُّغَةِ الْمَنَازِلُ الَّتِي يَعْمُرُهَا النَّاسُ.[5]

﴿ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

غُمَّةً کا معنی ہے التغطیہ یعنی پردہ۔ عربوں میں ایک مشہور کہاوت "غُمَّ الْهِلَالُ" جب چاند چھپ جائے تو وہ یہ کہاوت بولتے ہیں تو آیت کی عبارت یوں ہوگی لِيَكُنْ أَمْرُكُمْ مُنْكَشِفًا ظَاهِرًا۔[7] اس کی دلیل کے طور پر طرفہ بن العبد (متوفی 569ء) کا درجہ ذیل شعر جاہلی لایا گیا ہے۔

لَعَمْرُكَ مَا أَمْرِي عَلَيَّ بِغُمَّةٍ ... نَهَارِي وَلَا لَيْلِي عَلَيَّ بِسَرْمَدِ[8]

ترجمہ و تجزیہ

تمہاری عمر کی قسم میرا معاملہ مجھ پر پوشیدہ نہیں میرا دن اور رات مجھ پر ہمیشہ کے لئے نہیں ہیں۔ اس شعر

---

[1] یونس:24

[2] شوکانی، فتح القدیر:2/498

[3] لَبید، دیوان لبید بن ربیعۃ العامري، ص32

[4] رازی، مفاتیح الغیب:17/238

[5] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن:8/328

[6] یونس:71

[7] شوکانی، فتح القدیر:2/525

[8] طرَفة، ابن العبد بن سفیان بن سعد البكري، دیوان طرفۃ بن العبد (دار الکتب العلمیۃ 2002ء)، ص29

میں غمۃ کا لفظ پوشیدہ اور مبہم کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ قرآن نے جو لفظ غمۃ پردہ اور ستر کے معنی میں استعمال کیا ہے وہ لسان عربی مبین میں مستعمل تھا اور لوگ اس کے معنی سے اچھی طرح واقف تھے۔ قرآن مجید میں غیر معروف الفاظ کا استعمال بہت کم ہے تاکہ لوگ اس کو بآسانی سمجھ سکیں۔ صاحب لسان العرب نے اس کا مطلب مبہم اور پیچیدہ لکھا ہے۔ أمْرٌ غُمَّةٌ أَيْ مُبْهَمٌ مُلْتَبِسٌ[1] صاحب مختار الصحاح نے اس کا معنی ڈھانپا ہوا لیا ہے۔ (غَمَّهُ) أَيْ غَطَّاهُ[2]

﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى وَأَخِيهِ أَنْ تَبَوَّآ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوتًا﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

"أَنْ تَبَوَّآ "کا معنی"اتَّخِذَا لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوتًا" ہے۔ عرب معاشرے میں بولا جاتا ہے کہ بَوَّأْتُ زَيْدًا مَكَانًا اور وَبَوَّأْتُ لِزَيْدٍ مَكَانًا اور الْمُبَوَّأُ اسی سے اسم ظرف مکاں کا صیغہ ہے اور اس کا مطلب ہے لازمی ٹھکانہ یا منزل۔ ایک عربی کہاوت ہے بَوَّأَهُ اللَّهُ مَنْزِلًا یعنی اللہ نے اسکے لئے ٹھکانہ بنایا اور اسی میں اس کو رہائش پذیر کیا۔[4] حدیث شریف میں آیا ہے((قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ))۔[5] یعنی جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا وہ اپنا مسکن وٹھکانہ جہنم بنالے۔ کلام عرب میں سے اس کی دلیل راجز کا یہ شعر جاہلی ہے۔

نَحْنُ بَنُو عَدْنَانَ لَيْسَ شَكٌّ ... تَبَوَّأَ الْمَجْدُ بِنَا وَالْمُلْكُ[6]

ترجمہ وتجزیہ

ہم بنو عدنان ہیں اس میں کوئی شک نہیں بزرگی اور سیادت نے ہمارے ہاں ٹھکانہ بنایا ہوا ہے۔ تبوا المجد والملک بنالازما یعنی بزرگی اور سیادت نے ہمیں پکڑا ہوا ہے۔ یہاں بھی تبوا بمعنی اتخذ مکانا استعمال ہوا ہے۔ اس طرح

---

[1] ابن منظور، لسان العرب:12/442

[2] رازی، مختار الصحاح، ص230

[3] یونس:87

[4] شوکانی، فتح القدیر:2/530

[5] ابن ماجۃ، سنن ابن ماجہ، أبو عبد اللہ محمد بن یزید (حلب: دار إحیاء الکتب العربیۃ)، کتاب في الإیمان وفضائل الصحابۃ والعلم، بَابُ التَّغْلِيظِ فِي تَعَمُّدِ الْكَذِبِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ح30

[6] شوکانی، فتح القدیر:6/153

صاحب تفسیر جامع لاحکام القران اور مفاتیح الغیب نے بالترتیب اس کا مطلب اتخذ مکانا ہی بیان کیا ہے۔ أَنْ تَبَوَّءا" أَيِ اتَّخِذَا[1] تَبَوَّأَ الْمَكَانَ، أَيِ اتَّخَذَهُ مُبَوَّأً[2]

﴿قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

زوج کا مطلب جوڑا ہوتا ہے اور جوڑے کے ہر فرد کو زوج کہا جاتا ہے۔ مرد اور عورت دونوں کو زوج کہا جاتا ہے اور زوج کا اطلاق ضرب یعنی قسم اور صنف دونوں پر بھی ہوتا ہے۔[4] جیسا کہ میمون بن قیس بن جندل بن شراحیل بن عوف بن سعد بن ضُبیعہ المعروف اعشیٰ قیس (متوفی 629ء) کے اس شعر جاہلی سے واضح ہوتا ہے۔

وَكُلُّ زَوْجٍ مِنَ الدِّيبَاجِ يَلْبَسُهُ ... أَبُو قُدَامَةَ مَحْبُوٌّ بِذَاكَ مَعَا[5]

ترجمہ و تجزیہ

ریشم کی ہر قسم کو ابو قدامہ زیب تن کرتا ہے جو سب کا پسندیدہ ہے۔ اس شعر مین زوج بمعنی صنف و قسم استعمال ہوا ہے اس سے معلوم ہوا کہ زوج، ضرب، اور صنف ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہوتے رہتے ہیں۔ قرطبی نے بھی اس بات کی تائید کی ہے زوجان بمعنی صنفین اور ضربین استعمال ہوتا ہے۔ وَقَدْ يَكُونُ الزَّوْجَانِ بِمَعْنَى الضَّرْبَيْنِ، وَالصِّنْفَيْنِ،قَالَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ﴾[6] أَيْ مِنْ كُلِّ لَوْنٍ وَصِنْفٍ[7] تفسیر بیضاوی نے زوجین اثنین کا معنی مذکر و مؤنث ہر ایک صنف کیا ہے۔ معنى احمل اثنين من كل صنف ذكر وصنف أنثى[8]

﴿وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ﴾[9] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

جودی سے مراد قرب موصل میں واقع ایک پہاڑ ہے اور دوسرا قول یہ بھی ہے کہ جودی سے مراد مطلق پہاڑ ہے۔[10] اس کا استشہاد امیہ بن ابی صَلت (متوفی 624ء) کے درجہ ذیل شعر جاہلی سے ہے۔

---

[1] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن:8/371

[2] رازی، مفاتیح الغیب:17/291

[3] ھود:40

[4] شوکانی، فتح القدیر:2/565

[5] اعشیٰ قیس، دیوان الاعشیٰ، ص118

[6] الحج:5

[7] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن:9/35

[8] بیضاوی، أنوار التنزیل وأسرار التأویل:3/135

[9] ھود:44

[10] شوکانی، فتح القدیر:2/568

سُبْحَانَهُ ثُمَّ سُبْحَانًا يَعُودُ لَهُ ... وَقَبْلَنَا سَبَّحَ الْجُودِيُّ وَالْجَمَدُ[1]

ترجمہ و تجزیہ

وہ پاک ہے اور پاکیزگی ہی اس کی طرف لوٹتی ہے۔ اور ہم سے پہلے پہاڑ اور جماد پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ یعنی یہاں جودی سے مراد مخصوص پہاڑ نہیں بلکہ جنس پہاڑ مراد ہے۔ تفسیر قرطبی اور رازی نے بالترتیب جودی کا مطلب پہاڑ بیان کیا ہے۔ إِنَّ الْجُودِيَّ اسْمٌ لِكُلِّ جَبَلٍ[2] كَانَ ذَلِكَ الْجَبَلُ جَبَلًا مُنْخَفِضًا[3] پس معلوم ہوا کہ الجودی کا اطلاق مطلقا پہاڑ پر بھی ہوتا ہے۔ پس آیت میں یہ معنی لینا بھی جائز ہو گا۔

﴿وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

عنید اس سرکش کو کہتے ہیں جو حق کو قبول نہیں کرتا اور نہ ہی اس کی اطاعت کرتا ہے۔ مصنف مزید رقمطراز ہیں کہ عنید دشمن اور مخالف کو بھی کہتے ہیں۔ اور قول یہ بھی ہے عاند اس عرق کو کہتے ہیں جو کہ خون کے ساتھ بہتا ہے۔[5] جیسا کہ راجز ہذلی کے اس شعر جاہلی میں بھی ہے۔

إِنِّي كَبِيرٌ لَا أُطِيقُ الْعُنَّدَا[6]

ترجمہ و تجزیہ

میں بوڑھا ہوں دشمنی کی طاقت نہیں رکھتا۔ شعر میں عند دشمنی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح آیت میں عنید سے مراد سرکش دشمن ہی ہے۔

﴿أَلَا بُعْدًا لِعَادٍ قَوْمِ هُودٍ﴾[7] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

بُعْدًا کا لفظ بطور استعارہ ہلاکت کی بد دعا کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جب کوئی بندہ ہلاک ہو جائے تو اس کے لئے بعد بعد بعدا کی ترکیب استعمال کی جاتی ہے۔[8] امام شوکانی نے اس کی دلیل میں خرنق بنت ہفان (متوفی 574ء)

---

[1] ابن الشجري، ضياء الدين أبو السعادات هبة الله بن علي بن حمزة، أمالي ابن الشجري (القاهرة مكتبة الخانجي 1991ء)، 578/2

[2] قرطبی، الجامع لأحكام القرآن: 42/9

[3] رازی، مفاتیح الغیب: 354/17

[4] هود: 59

[5] شوکانی، فتح القدیر: 574/2

[6] دینوری، أبو محمد عبد الله بن مسلم بن قتیبة، أدب الكاتب (مصر: المكتبة التجارية 1963ء)، ص 380

[7] هود: 60

[8] شوکانی، فتح القدیر: 574/2

اور نابغۃ ذبیانی (متوفی 604ء) کے درج ذیل اشعار جاہلی ذکر کئے ہیں۔

لَا يَبْعَدَنَّ قَوْمِي الَّذِينَ هُمْ ... سُمُّ الْعُدَاةِ وَآفَةُ الْجُزُرِ[1] (خرنق بنت ہفان[2] (متوفی 574ء))

فلا تبعدنْ، إنّ المنية موعدٌ... و كلُّ امرئٍ، يوماً، به الحالُ زائلُ[3] (نابغۃ ذبیانی (متوفی 604ء)

ترجمہ و تجزیہ

میری قوم ہلاک نہ ہو وہ تو دشمن کے لئے زہر اور جزیروں کے لئے آفت ہیں۔ تو ہلاک نہ ہو، بے شک موت کا وقت مقرر ہے اور ہر شخص نے ایک نہ ایک دن فنا ہو جانا ہے۔ دونوں اشعار میں لا یبعدن اور لا تبعدن کے صیغے فعل نہی بانون تاکید ثقیلہ ہیں اور دعائیہ کلمات کے طور پر استعمال ہوئے ہیں اصل عبارت یوں ہے "اللھم لا تبعدن و لا يبعدن" یعنی اللہ تمھیں یا انھیں ہلاک نہ کرے۔ اس معنی کی تائید کے طور پر صاحب تفسیر بحر المدید کا قول موجود ہے کہ انہوں نے آیت کو قوم عاد کے لئے ہلاکت کی بددعا قرار دیا ہے۔ اس طرح تفسیر ایسر التفاسیر نے بھی اس کا معنی قوم عاد کے لئے ہلاکت ہی لکھا ہے۔ أي هلاكاً لعاد دعا عليهم بالهلاك[4] پس معلوم ہوا کہ بعدا مصدر اور اس کے اشتقاقات بطور استعارہ بددعا کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

﴿فَلَمَّا رَأَى أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

جب انسان کسی چیز کو اپنی توقع سے ہٹ کر پاتا ہے تو اس کے لئے عرب نکرتہ اور انکرتہ اور استنکرتہ بولتے ہیں۔ نکرہم یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انکو اپنی توقع کے خلاف پا کر حیرانگی کا اظہار کیا۔[6] امام شوکانی نے اس کی دلیل میں میمون بن قیس بن جندل بن شراحیل بن عوف بن سعد بن ضُبیعہ المعروف اعشیٰ قیس (متوفی 629ء) کے درجہ ذیل شعر جاہلی کو ذکر کیا ہے۔

وَأَنْكَرَتْنِي وَمَا كَانَ الَّذِي نَكِرَتْ ... مِنَ الْحَوَادِثِ إِلَّا الشَّيْبَ وَالصَّلَعَا[7]

---

[1] مرزبانی، أبو عبید اللہ بن محمد بن عمران بن موسی، أشعار نساء (دار عالم الكتب 1995ء)، ص 107

[2] خرنق بنت بدر بن ھفان بن مالک (متوفیہ 574ء) زمانہ جاہلیت کی ایک مشہور شاعرہ، اور وہ طرفہ بن العبد کی ماں کی طرف سے بہن تھیں۔ جنگ بدر کے بعد بنو اسد کے آقا بشر بن عمرو بن مرشد نے ان سے شادی کی تھی اور اسے بنو اسد نے قلاب کے دن قتل کر دیا تھا۔ اس کی زیادہ تر شاعری نوحہ پہ مشتمل ہے۔ (https://adab.wiki، اخذ شدہ بتاریخ 28 ستمبر 2024)

[3] نابغہ ذبیانی، دیوان النابغۃ الذبیانی، ص 120

[4] فاسی صوفی، البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید: 2/538

[5] ھود: 70

[6] شوکانی، فتح القدیر: 2/578

[7] أعشی قیس، دیوان الاعشی، ص 114

ترجمہ و تجزیہ

میں حوادث سے حیران نہ ہوا سوائے بڑھاپے اور زندگی کے خالی صحرا سے۔ اس شعر میں فانکر تنی حیرانگی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ انکر کا لفظ عربوں کے ہاں اس معنی میں معروف تھا۔ المفردات فی غریب القران میں بھی اس کا معنی یہی کیا گیا ہے کہ دل پر کسی ایسی چیز کا وارد ہونا جس کا تصور نہ کیا گیا ہو۔[1] أنكرت كذا ونكرت وأصله أن يرد على القلب مالا يتصوره[2]

﴿فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

الروع بمعنی الخیفہ استعمال ہوتا ہے۔ جب کسی بندے پر انجانا خوف طاری ہو تو اس کے لئے ارعاع کذا کا جملہ بولا جاتا ہے۔[4] اس کی دلیل میں نابغہ ذبیانی (متوفی 604ء) کا معروف شعر پیش کیا گیا ہے۔

فَارْتَاعَ مِنْ صَوْتِ كَلَّابٍ فَبَاتَ لَهُ ... طَوْعَ الشَّوَامِتِ مِنْ خوف ومن صرد[5]

ترجمہ و تجزیہ

وہ کتے کی آواز سے خوفزدہ ہو گیا پس اس نے رات خوف اور سردی کے مارے مصیبت میں گھری ہوئی گزاری۔ اس شعر میں ارتاع، الروع مصدر سے باب افتعال کی ماضی معروف کا صیغہ ہے اور یہاں یہ خاف کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح تفسیر تنویر المقباس اور ایسر التفاسیر میں بھی بالترتیب اس کا معنی خوف لکھا ہوا ہے۔
الروع الفزع والخوف[6] الروع الْخَوْف[7]

﴿وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ﴾[8] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

"يُهْرَعُونَ" کا مطلب یسرعون الیہ ہے یعنی وہ لوگ حضرت لوط علیہ السلام کی طرف دوڑتے ہوئے آئے۔

---

[1] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن: 9/66

[2] راغب اصفہانی، المفردات في غریب القرآن، ص555

[3] ھود: 74

[4] شوکانی، فتح القدیر: 2/580

[5] نابغہ ذبیانی، دیوان النابغة الذبیاني، ص118

[6] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر: 2/563

[7] ابن عباس، تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس، ص188

[8] ھود: 78

امام کسائی اور فراء وغیرھما نے فرمایا کہ الاھراع کا مطلب شور وغل اور آوازیں کستے ہوئے دوڑنا ہے۔ عرب لوگ "اھرع الرجل اھراعا" اس وقت بولتے ہیں جب کوئی غصہ وغیرہ کی وجہ سے جلدی دوڑتے ہوئے آوازیں نکالے۔[1]
مفسر نے اس کا معنی کا استشہاد مھلھل بن ربیعۃ[2] (متوفی 531ء) کے درجہ ذیل شعر سے کیا ہے۔

فجاؤُوا يُهْرَعُونَ، وهُمْ أُسارَى، ... يَقُودُهُمُ عَلَى رَغمِ الأُنُوفِ[3]

ترجمہ و تجزیہ

ان کو حالت قید میں دوڑاتے ہوئے اور آوازیں کستے ہوئے لایا گیا۔ اس شعر میں یھرعون بمعنی یسرعون یعنی سرعت کے ساتھ آنا استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح آیت میں بھی یہی معنی مراد ہے۔ جیسا کہ تفسیر ایسر التفاسیر نے بھی یہی معنی بیان کیا ہے کہ وہ جلدی دوڑتے ہوئے آئے۔ يمشون مسرعين[4] اور اسی طرح لسان العرب نے اس کا معنی آوازیں نکالنے میں جلدی کرنا بیان کیا ہے۔ الإِهْراعُ إِسْراعٌ فِي رِعْدَةٍ[5]

﴿وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

یہاں لرجمناک بمعنی لقتلناک ہے یعنی پتھر مار کر قتل کرنا۔ اور اہل مدین جب کسی شخص کو قتل کرتے تو اسکو پتھر مار مار کر قتل کرتے تھے اور اس کا ایک معنی سب وشتم بھی کیا گیا ہے[7] اس معنی پر نابغہ جعدی (متوفی 670ء) کا درج ذیل شعر بھی شاہد ہے۔

تراجمنا بصدر القَوْل حَتَّى ... نصير كأننا فرسا رهان [8]

ترجمہ و تجزیہ

ہم نے باہم ایک دوسرے کو کڑوی باتوں کے ساتھ شب وشتم کیا یہاں تک ہماری حالت گروی رکھے ہوئے

---

[1] شوکانی، فتح القدیر: 2/582

[2] مہلہل (متوفی 535ء) عدی بن ربیعہ ہیں، نجد سے تعلق رکھنے والے ایک عرب شاعر، شاعر عمرو القیس کے ماموں تھے۔ اسے مہلہل، کا نام دیا گیا کیونکہ اس نے بالوں کو پتلا کیا، یعنی اس کی بناوٹ پتلی تھی۔ وہ تفریح اور شراب نوشی عادی تھا۔ (الموسوعۃ الثقافیۃ، مؤسسۃ فرانکلین للطباعۃ والنشر، القاھرۃ)

[3] مہلہل، عدي بن ربيعة بن الحارث بن مرة، دیوان مہلہل بن ربیعۃ (الدار العالمیۃ)، ص 51

[4] جزائری، أيسر التفاسير لكلام العلي الكبير: 2/565

[5] ابن منظور، لسان العرب: 8/369

[6] ھود: 91

[7] شوکانی، فتح القدیر: 2/590

[8] بغدادی، عبد القادر بن عمر، خزانۃ الأدب ولب لباب لسان العرب (القاھرۃ: مکتبۃ الخانجی 1997ء)، 10/279

گھوڑوں کی طرح ہو گئی۔ یہاں تراجمنا، رجم مصدر سے باب تفاعل کی ماضی معروف کا صغیہ جمع متکلم ہے۔ اور یہاں یہ باہم سب وشتم کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور اس کا قرینہ بمر القول ہے۔ لیکن آیت میں حقیقی معنی ہی مراد ہے یعنی قتل کیونکہ سب وشتم تو وہ ویسے بھی کرتے تھے۔ اگرچہ تفسیر قرطبی اور مفردات القران بھی بالترتیب گالم گلوچ والے معنی کی طرف ہی گئے ہیں لَرَجَمْنَاكَ" لَشَتَمْنَاكَ[1] یستعار الرجم التوهم وللشتم والطرد[2] لیکن آیت میں سنگسار کرنا ہی مراد ہے۔

﴿قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت نے اس پر غلبہ پالیا۔ اور اس کا ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت ان کے دل کے پردے سے اندر داخل ہو گئی۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ شغاف سے مراد وسط قلب ہے اس صورت میں معنی ہو گا ان کی محبت اُن عورتوں کے وسط قلب میں داخل ہو گئی اور دل پر غالب آگئی۔[4] اس معنی پر درج ذیل شعر بھی شاہد ہے۔

يَتْبَعُهَا وَهِيَ لَهُ شَغَافٌ[5]

ترجمہ وتجزیہ

وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہے اور حالت یہ ہے کہ اس کی محبت اس کے دل کے وسط پر چھائی ہوئی ہے۔ اس شعر میں شغاف سے محبت قلبی مراد ہے۔ اسی طرح آیت کا سیاق وسباق بھی شغاف بمعنی محبت قلبی کا تقاضا کرتا ہے۔ اور ابو جعفر بن محمد ابن محیصن اور حسن نے اسکو عین مھملۃ کے ساتھ شعفھا پڑھا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ کہ اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت نے اس کے دل کو جلا دیا اور اسکو امرضہ کے معنی میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔ اس معنی پر امرُؤُالقَیس (متوفی 545ء) کا درج ذیل شعر شاہد ہے۔

أَتَقْتُلُنِي مَنْ قَدْ شَغَفْتُ فُؤَادَهَا ... كَمَا شَغَفَ المهنوءة الرجل الطّالي[6]

---

[1] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن:9/91

[2] راغب اصفہانی، المفردات في غریب القرآن، ص190

[3] یوسف:30

[4] شوکانی، فتح القدیر:3/25

[5] ایضا6/153 (مجہول شعر ہے۔)

[6] امرُؤُالقَیس، دیوان امری القیس، ص137

ترجمہ و تجزیہ

کیا مجھے وہ قتل کرے گی جس کے دل میری محبت گھر کر گئی ہے جس طرح آدمی کے دل میں آزاد پھرنے والے ہرن کے بچے کی محبت گھر کر جاتی ہے۔ اس شعر میں شَغَفَ کا معنی محبت کا دل میں گھر کرنا کیا گیا ہے۔ تفسیر مجاہد اور تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس بھی اس کا معنی حب قلبی ہی بیان ہوا ہے۔ دَخَلَ حُبُّ يُوسُفَ فِي شِغَافِهَا[1] قد شقّ شغَاف قَلبهَا حب يُوسُف[2]

﴿عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

الاغاثۃ، غوث اور الغیث کا مطلب بارش ہے۔ عرب کہتے ہیں قدغاث الغيث اور اس طرح غاث الله البلاد يغيثها غَوْثًا یعنی امطرها- يُغَاثُ النَّاسُ کا معنی ہے لوگوں پر بارش برسائی جائے گی۔ اور اسی طرح یعصرون کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ ينجون کے معنی میں ہے اور یہ العصرة بمعنی المنجاة سے ماخوذ ہے۔ یعنی بارش کے بعد لوگ قحط سے نجات پائیں گے۔ ابو عبیدہ کے قول کے مطابق العصرة تمام حروف کی حرکت کے ساتھ کا مطلب ہے ملجا اور منجا۔[4] اس معنی پر ابو زید الطائی (متوفی 610ء) کا درج ذیل شعر شاہد ہے۔

صَادِيًا يَسْتَغِيثُ غَيْرَ مُغَاثٍ ... وَلَقَدْ كَانَ عُصْرَةَ الْمَنْجُودِ[5]

ترجمہ و تجزیہ

بغیر بارش کا پیاسا شخص بارش طلب کرتا ہے اور بارش کا پانی غمزدہ کے لئے نجات دہندہ ہے۔ اس شعر مغاث اور یستغیث دونوں غیث اور غوث سے مشتق ہیں اور بارش کا معنی دیتے ہیں اس طرح عصرۃ کا لفظ نجات دہندہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ پس، معلوم ہوا کہ یعصرون بمعنی ینجون بھی درست ہے۔ صاحب تفسیر کشاف لکھتے ہیں کہ الغوث اور غیث کا مادہ بارش کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ من الغوث أو من الغيث. يقال غيثت البلاد، إذا مطرت[6] اور عصر کا مادہ نجات کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ يعصرون، على البناء للمفعول، من عصره إذا أنجاه[7] ایسے ہی

---

[1] مجاہد، تفسیر مجاہد، ص395

[2] ابن عباس، تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس، ص196

[3] یوسف:49

[4] شوکانی، فتح القدیر:3/39

[5] طائی، أبوزبید، دیوان أبی زبید، ص44

[6] زمحشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل:2/477

[7] ایضا:2/477

مفاتیح الغیب نے بھی یغات کو بارش کے معنی میں لیا ہے۔ يُغَاثُ النَّاسُ مَعْنَاهُ يُمْطَرُونَ[1]

﴿لَوْلَا أَنْ تُفَنِّدُونِ﴾[2] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

الفند کا مطلب عقل کا بڑھاپے کی وجہ سے چلے جانا ہے۔ جب انسان خرافات بولنا شروع کر دے اور اس کی عقل متغیر ہو جائے تو اس کو کہتے ہیں أفند الرجل۔ صاحب تفسیر نے تفندون بمعنی تسفھون مراد لیا ہے یعنی الفند سے مراد السفہ لیا ہے اور اس کا ایک معنی الجھل بیان کیا ہے۔[3] اس معنی کی تائید نابغة ذبياني (متوفی 604ء) کا درجہ ذیل شعر کرتا ہے۔

إلاّ سليمانَ، إذ قالَ الإلهُ لهُ... قُمْ فِي الْبَرِيَّةِ فَاحْدُدْهَا عَنِ الْفَنَدِ[4]

ترجمہ و تجزیہ

جب سلیمان علیہ السلام کو ان کے معبود نے حکم فرمایا کہ اٹھیے اور زمین کو جہالت سے پاک کیجئے۔ کو امام شوکانیؒ فرماتے ہیں فَاحْدُدْهَا عَنِ الْفَنَدِ سے مراد ہے امْنَعْهَا عن السّفه۔[5] پس معلوم ہوا کہ الفند بمعنی السفہ اور جہالت بھی استعمال ہوتا ہے۔ لیکن ایک بات ضرور ہے الفند سے مراد عدم تحمل و برداشت والی حالت مراد ہے۔ تفسیر مجاہد میں اس کا مطلب یہ ہے کہ تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ اس کی عقل چلی گئی۔ لَوْلَا أَنْ تَقُولُوا ذَهَبَ عَقْلُهُ[6] تفسیر ابن عباس نے اس کا مطلب السفہ ہی لکھا ہے۔ تسفهونني[7]

﴿وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ﴾[8] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

رواسی سے مراد ثابت پہاڑ ہیں اور اس کا واحد راسیہ آتا ہے کیونکہ زمین اس سے ثبات پکڑتی ہے اور الما رساء کا مطلب الثبوت ہے۔[9] اس کی دلیل عنترہ بن شداد بن العبسی المصری (608ء) کا درجہ ذیل شعر جاہلی ہے۔

---

[1] رازی، مفاتیح الغیب: 18/466

[2] یوسف: 94

[3] شوکانی، فتح القدیر: 3/64

[4] نابغہ ذبیانی، دیوان النابغة الذبياني، ص20

[5] شوکانی، فتح القدیر: 3/64

[6] مجاھد، تفسیر مجاھد، ص400

[7] ابن عباس، تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس، ص203

[8] رعد: 3

[9] شوکانی، فتح القدیر: 3/78

فَصَبَرْتُ عَارِفَةً لِذَلِكَ حُرَّةً ... تَرْسُو إِذَا نَفْسُ الْجَبَانِ تَطَلَّعُ[1]

ترجمہ و تجزیہ

اس نے صبر کیا، اپنی جگہ پہ مضبوطی سے کھڑی رہی یہ جانتے ہوئے کہ وہ آزاد ہے جب بزدل آدمی اس کی طرف متوجہ ہوا۔ اس شعر میں ترسو بمعنی تثبت استعمال ہوا ہے۔ صاحب تفسیر بغوی نے بھی راسیہ کا معنی ثابتہ لکھا ہے۔ اور اس کا واحد راسیہ آتا ہے۔ جِبَالًا ثَابِتَةً، وَاحِدَتُهَا رَاسِيَةٌ[2] تفسیر تنویر المقیاس نے بھی اسکو ثوابت کے معنی میں لیا ہے۔ الجْبَال الثوابت أوتاداً لَهَا[3]

﴿وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا تُصِيبُهُمْ بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةٌ﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

قارعۃ کا مطلب ہے ایسی شدید مصیبت جو ان کو غمگین و پریشان کر دیتی ہے۔ جب کسی کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو عرب کہتے ہیں "قرعه الامر" اور اس کی جمع قوارع آتی ہے اور قرع کا لغوی معنی ہے "الضرب"[5] اس معنی کی وضاحت الأقيشر السعدي کے درج ذیل شعر سے باآسانی ہو جاتی ہے۔

أَفْنَى تِلَادِي وَمَا جَمَّعْتُ مِنْ نَشَبٍ ... قَرْعُ القواقيز أَفْوَاهَ الْأَبَارِيقِ[6]

ترجمہ و تجزیہ

میرے بچوں نے ضائع کر دیا اور میں نے کچھ مال جمع نہیں کیا۔ قواقیز کی ضربوں نے گھڑے کا منہ توڑ دیا۔ اس شعر میں قرع بمعنی الضرب استعمال ہوا ہے۔ آیت میں بھی یہ لفظ مصیبت، قتل اور قید کی صورت میں کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ صاحب لسان العرب لکھتے ہیں کہ قارعہ سے مراد شدائد زمانہ ہیں اور یہ قرع سے نکلا ہے جس کا اصلی معنی مارنا ہے۔ القارِعةُ مِنْ شدائدِ الدهْرِ وَهِيَ الداهِيةُ وَكُلُّهُ مِنَ القَرْعِ الَّذِي هُوَ الضرْبُ[7] تفسیر نسفی نے اس کا

---

[1] عنترۃ، دیوان عنترۃ بن شداد، ص115

[2] بغوی، معالم التنزیل في تفسیر القرآن:3/6

[3] ابن عباس، تنویر المقیاس من تفسیر، ص205

[4] رعد:31

[5] شوکانی، فتح القدیر:3/101

[6] اسدی، أبو معرض المغیرۃ بن عبد اللہ بن معرض، دیوان الأقيشر السعدي، ص37

[7] ابن منظور، لسان العرب:8/265

معنی مصیبت لکھا ہے جو ان کو جنجھوڑتی ہے۔ داهية تقرعهم بما يحل الله بهم في كل وقت من صنوف البلايا والمصائب[1] -

﴿اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ﴾[2] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

اجتثت کا معنی ہے جڑ سے اکھیڑ دیا گیا یعنی اجتث بمعنی اقتلع استعمال ہوا ہے۔[3] اس معنی کا استشہاد لقیط بن یعمر الإیادي (متوفی 380ء) کے درج ذیل شعر جاہلی سے کیا گیا ہے۔ یہ انخلاء ہے جو آپ کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکتا ہے... جس نے بھی دیکھا اور سنا ہے وہی رائے ہے۔

هُوَ الجلاء الذي يجتثّ أصلكم ... فمن رأى مثل ذا رأياً ومن سمعا [4]

ترجمہ و تجزیہ

یہ جلاوطنی ہے جو آپ کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکتی ہے جس نے بھی دیکھا اور سنا اس کی یہی رائے ہے۔

يجتث اصلكم بمعنی يقتلع اصلكم استعمال ہوا ہے۔ پس معلوم اجتث يجتث اجتثاثا بمعنی اقتلع يقتلع اقتلاعا استعمال ہوا ہے۔ لسان العرب میں بھی اس کا معنی کاٹنا بلکہ جڑ سے کاٹنا لکھا ہے۔ الجَثُّ القَطْعُ؛ وَقِيلَ قَطْعُ الشَّيْءِ مِنْ أَصله-[5] مفردات القران میں لکھا ہے کہ اجتثات کا معنی جسم کو مکمل طور پر کاٹنا (لینا) ہے۔ حَقِيقَةُ الِاجْتِثَاثِ أَخْذُ الْجُثَّةِ كُلِّهَا[6]

﴿وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ﴾[7] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

الاصفاد کا مطلب اغلال اور قید ہے۔ عربوں کے ہاں کہاوت ہے کہ صفدتہ صفدا یعنی میں اسکو قید کر دیا اور اس کا اسم الصفد ہے۔[8] اس کا استشہاد عمرو بن کلثوم بن مالک بن عتاب التغلبی (متوفی 584ء) کے درج ذیل شعر جاہلی سے کیا گیا ہے۔

---

1 نسفی، تفسير النسفي، 2/155

2 ابراهیم: 26

3 شوکانی، فتح القدیر: 3/128

4 ایادی، لَقِيط بن يَعْمُر بن خارجة، دیوان لقیط بن یعمر ایادی، ص 5

5 ابن منظور، لسان العرب: 2/126

6 رازی، مفاتیح الغیب: 19/93

7 ابراهیم: 49

8 شوکانی، فتح القدیر: 3/142

فَآبُوا بِالنِّهَابِ وَبِالسَّبَايَا... وَأُبْنَا بِالمُلُوْكِ مُصَفَّدِيْنَا[1]

ترجمہ و تجزیہ

انہوں نے لوٹ مار اور قیدی لینے سے انکار کر دیا۔ ہمارے بیٹے بادشاہوں کے پاس ہمارے لئے قید ہیں۔مُصَفَّد، اصفد یصفد سے اسم مفعول کا صغیہ ہے۔اس کا مطلب ہے قید کئے گئے۔ پس معلوم ہوا یہ مادہ صفد، قید کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔صاحب ایسر التفاسیر نے بھی لکھا ہے کہ صفد کا مطلب ہے رسی وغیرہ سے مضبوطی سے باندھنا یعنی قید کرنا۔الأصفاد جمع صفد وهو الوثاق من حبل وغيره[2] تفسیر نسفی بھی اسی کی تائید کرتی ہے کہ اس کا معنی قید اور باندھنا ہے۔ الأصفاد القيود أو الاغلال[3]

﴿إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

سکرت بمعنی غشیت اور غطیت استعمال ہوا ہے۔[5] جیسا کہ جندل بن المثنی کے اس شعر میں ہے۔

وَطَلَعَتْ شَمْسٌ عَلَيْهَا مِغْفَرُ ... وَجَعَلَتْ عَيْنُ الْحَرُورِ تَسْكَرُ[6]

ترجمہ و تجزیہ

اور ایک سورج بخشش کے ساتھ طلوع ہوا اور اس نے آگ کی آنکھوں کو ڈھانپ دیا۔ اس شعر میں عین الحرور تسکز بمعنی عين الحرور تغشى وتغطى استعمال ہوا ہے۔لیکن اس کا ایک معنی حُبِسَتْ بھی کیا گیا ہے اور اس کا استشہاد ابو شُرَیح اَوس بن حَجَر (متوفی 625ء) کے اس شعر سے کیا گیا ہے۔

تُزادُ لياليَّ في طولِهَا... فَلَيْسَتْ بِطَلْقٍ وَلَا سَاكِرَهْ[7]

میری راتیں لمبی ہوگئی ہیں۔نہ وہ گزرتی ہیں نہ وہ رکتی ہیں۔اس شعر میں "فَلَيْسَتْ بِطَلْقٍ وَلَا سَاكِرَهْ ای حابس" کے معنی پائے جاتے ہیں ابو عبیدہ نے اس کے غشیت والے معنی لئے ہیں اور ابو عمرو نے بھی اسکو سکر الشراب سے ماخوذ مانا ہے جیسا کہ نشہ کرنے والے کی عقل کو نشہ ڈھانپ لیتا ہے اسی طرح ان کی آنکھوں کو ڈھانپ دیا گیا ہے۔صاحب

---

[1] عمرو بن کلثوم، دیوان عمرو بن کلثوم، ص83

[2] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الكبير: 3/67

[3] نسفی، تفسیر النسفی: 2/181

[4] حجر: 15

[5] شوکانی، فتح القدیر: 3/148

[6] امیل بدیع یعقوب، المعجم المفصل في شواهد العربية، 10/130

[7] اوس بن حجر، دیوان اوس بن حجر، ص34

لسان العرب اور مفاتیح الغیب کے مؤلف بھی بالترتیب اسی مؤقف کے حمایت کرتے نظر آتے ہیں۔ سُكِّرَ بَصَرُه غُشِيَ عَلَيْهِ[1] أَيْ غُشِيَتْ[2]

﴿قَدَّرْنَا إِنَّهَا لَمِنَ الْغَابِرِينَ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

الغابر کا مطلب ہے الباقی اور الغابیرین ای الباقین[4] **اس سلسلے میں شاعر الحارث بن حلّزۃ**[5] **(متوفی 580ء) کا یہ قول پیش کیا گیا ہے۔**

لَا تَكْسَعِ الشَّوْلَ بِأَغْبَارِهَا ... إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَنِ النَّاتِجُ[6]

ترجمہ و تجزیہ

تو اونٹنی کے تھنوں کو ٹھنڈا پانی نہ مار تھنوں میں باقی بچے ہوئے دودھ پر کیونکہ تجھے نہیں معلوم کہ تو نتیجہ (اونٹنی بچہ) کو پالے گا۔ اس میں اغبار کا لفظ استعمال ہوا ہے اس سے مراد "بقية اللبن فی ضروعهما" ہے یعنی تھنوں میں باقی بچا ہوا دودھ۔ پس معلوم ہوا غبر کا مادہ باقی رہنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ المفردات فی غریب القرآن کے مصنف اور صاحب تفسیر بیضاوی بالترتیب اسی معنی کی تائید کرتے ہیں۔ الغبرة البقية في الضرع من اللبن[7] الباقين مع الكفرة لتهلك معهم[8]

﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِلْمُتَوَسِّمِينَ﴾[9] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

متوسمین کا مطلب ہے غور و فکر سے کسی معاملے کو دیکھنے والے۔[10] اس معنی کا استدلال زهیر بن اَبي سلمی (متوفی 609ء) کے درج ذیل شعر سے کیا گیا ہے۔

---

[1] ابن منظور، لسان العرب: 4/374

[2] رازی، مفاتیح الغیب: 10/86

[3] حجر: 60

[4] شوکانی، فتح القدیر: 3/163

[5] صحرائے عراق کا جاہلی شاعر الحارث بن حلزہ بن یشکر بن بکر، بکر بن وائل قبیلے کے عظیم لوگوں میں سے تھا۔ عراق میں یہ اپنی قوم کا نمائندہ تھا اسے اپنی قوم پر اس قدر فخر تھا کہ وہ اس بات میں ایک ضرب المثل بن گیا۔ (https://ar.wikipedia.org/wiki اخذ شدہ بتاریخ 28 ستمبر 2024)

[6] حارث بن حلّزۃ، دیوان حارث بن حلّزۃ (دار الکتاب العربي)، ص65

[7] راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، ص357

[8] بیضاوی، تفسیر البیضاوی: 3/376

[9] حجر: 75

[10] شوکانی، فتح القدیر: 3/166

وفيهن ملهى، للطيفِ، ومنظرٌ... أنيقٌ لعينِ الناظرِ، المتوسمِ [1]

ترجمہ وتجزیہ

اور خوبصورت دلکش منظر ہے غور وفکر سے دیکھنے والی آنکھ کے لیے۔ اور اسی طرح ایک دوسرا شعر ہے۔

أو كلّما وَرَدَتْ عُكَاظَ قَبِيلَةٌ ... بَعَثُوا إِلَيَّ عَرِيفَهُمْ يَتَوَسَّمُ [2]

جب بھی کوئی قبیلہ عکاظ میں وارد ہوا تو انہوں نے اپنے قائد کو میرے پاس بھیجا تا کہ وہ معاملات کا بغور جائزہ لے۔ یہاں بھی یتوسم، یتفکر یعنی بغور جائزہ لینے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح تفسیر مفاتیح الغیب میں بھی اس کا معنی متفکرین ہی بیان ہوا ہے۔ الْمُتَفَكِّرِينَ [3]

﴿وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

الانعام سے مراد اونٹ، گائے اور بکریاں ہیں۔ لیکن لفظ نعم اور الانعام کا اکثر اطلاق اونٹوں پر ہوتا ہے۔ اس کا اطلاق جانوروں کے مجموعہ پر تو ہوتا ہے لیکن اکیلے غنم یعنی بھیڑ بکریوں پر نہیں ہوتا۔[5] اس کا استدلال حضرت حسان بن ثابت بن منذر بن حرام (متوفی 647ء) کے درج ذیل شعر سے کیا گیا ہے۔

وَكَانَتْ لَا يَزَالُ بِهَا أَنِيسٌ ... خِلَالَ مُرُوجِهَا نَعَمٌ وَشَاءُ [6]

ترجمہ وتجزیہ

کھلے میدانوں میں اونٹ اور بکریاں ہمیشہ اس کے ساتھ رہیں۔ شعر میں شاء کا عطف نعم پر کیا گیا ہے اس لئے اس شعر میں نعم سے مراد خاص طور پر اونٹ ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ لفظ اصل میں اونٹ کا معنی دیتا ہے لیکن بطور مجاز اس کا اطلاق تمام جانوروں پر کر دیا جاتا ہے۔ تفسیر بیضاوی میں بھی اس سے مراد اونٹ، گائے اور بکریاں ہی ہیں۔ الإبل والبقر والغنم[7] تفسیر رازی کے مطابق بھی اس کا اطلاق اونٹ، گائے اور بکریوں پر ہوتا ہے۔ لیکن اکثر یہ لفظ اونٹ پر ہی صادق آتا ہے۔ الْأَنْعَامُ ثَلَاثَةٌ الْإِبِلُ. وَالْبَقَرُ. وَالْغَنَمُ. وَأَكْثَرُ مَا يَقَعُ هَذَا اللفظ على الابل [8]

---

[1] زہیر، دیوان زہیر بن أبي سلمی، ص66

[2] اخفش اصغر، الاختیارین، ص189

[3] بیضاوی، تفسیر البیضاوی: 3/379

[4] نحل: 5

[5] شوکانی، فتح القدیر: 3/178

[6] حسان، دیوان حسان بن ثابت، ص18

[7] بیضاوی، تفسیر البیضاوی: 3/386

[8] رازی، مفاتیح الغیب: 19/175

﴿وَأَلْقَى فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

رواسی سے مراد ہے جبالا ثابتۃ یعنی مضبوط پہاڑ اور رسا یرسو،ثبت یثبت اوراقام یقیم کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔[2] اس کی دلیل عنترہ بن شداد بن العبسی المصری(608ء)کادرجہ ذیل شعر ہے۔

فَصَبَرَتْ عَارِفَةً لِذَلِكَ حُرَّةً ... تَرْسُو إِذَا نَفْسُ الْجَبَانِ تَطَلَّعُ[3]

ترجمہ و تجزیہ

اس نے میدان جنگ میں صبر کیا یہ جانتے ہوئے کہ آزاد لوگ ثابت قدم ہو جائیں گے جب بزدل سامنے آئیں گے۔اس شعر میں ترسو بمعنی تثبت استعمال ہوا ہے پس معلوم رواسی میں اثبات کے معنی موجود ہیں۔تفسیر روح المعانی بھی اسی معنی کی مؤید ہے کہ أي جبالا ثوابت[4] تفسیر ایسر التفاسیر میں اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔ أي جبال راسية في الأرض بها ترسوالأرض أي تثبت حتى لا تميل[5]

﴿أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَى تَخَوُّفٍ﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

تَخَوُّف کا معروف معنی توخوف اور عذاب کی توقع ہے لیکن اس کا ایک معنی تنقص بھی کیا گیا۔مفسر نے اس سے اموال وانفس اور پھلوں کی کمی مرادلی ہے۔اس حد تک کمی کہ ان کو ہلاکت تک لے جائے۔صاحب تفسیر الوسیط امام واحدی نے بھی اس سے تنقص النفس مراد لیا ہے چاہے وہ قتل کے ساتھ ہو یا موت کے ساتھ۔جیسا کہ ابو عقیل لبید بن ربیعہ عامری(متوفی 661ء)کا یہ شعر بھی اس معنی پر دلالت کرتا ہے۔[7]

عُذافِرَةٌ تَقَمَّصُ بالرُّدافَى ... تَخَوَّفَها نُزُولي وارْتِحالي [8]

---

[1] نحل:15

[2] شوکانی،فتح القدیر:3/184

[3] عنترۃ،دیوان عنترۃ بن شداد،ص115

[4] آلوسی،روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني:7/357

[5] جزائری،أيسر التفاسير لكلام العلي الكبير:4/199

[6] نحل:47

[7] شوکانی،فتح القدیر:3/198

[8] لَبید،دیوان لبید بن ربيعة العامري،ص67

ترجمہ وتجزیہ

میرا آنا اور جانا اس (کے جسم کے گوشت اور چربی) کو کم کر دیتا ہے یعنی میری بار بار جدائی اسکو کمزور کر دیتی ہے۔ تخوف بمعنی تنقص استعمال ہوا ہے۔ اس طرح بالترتیب لسان العرب اور مختار الصحاح کے مطابق بھی اس کا معنی کمی اور نقصان ہے۔ يَتحوّفُ الْمَالَ ويَتحَوّفُه أَي يَتنَقَّصُه[1] تَخَوَّفَهُ أَيْ تَنَقَّصَهُ[2]

﴿ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْأَرُونَ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

جأر يجأر جُؤَارً اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی بندہ تضرع اور انکساری میں آواز بلند کرے۔[4] اس معنی کا استشہاد نابغہ جعدی (متوفی 670ء) کے درجہ ذیل شعر سے ہے۔

فَطَافَتْ ثَلَاثًا بَيْنَ يَوْمٍ وليلة ... وكان النّكير أن تضيف وَتَجْأَرًا[5]

ترجمہ وتجزیہ

اس (گائے نے اپنے گمشدہ بچے کی تلاش) میں دن اور رات میں تین چکر لگائے اور بچے کے نہ ملنے نے اسکو چکر لگوائے اور پریشانی کی حالت میں ڈکارتی رہی۔ اس شعر میں تَجْأَرَ گائے کے آواز نکالنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے جو اس نے تضرع اور پریشانی میں نکالی۔ تفسیر بیضاوی نے "الجؤار" کا معنی دعا اور مدد طلب کرنے کے دوران آواز بلند کرنا کیا ہے۔الجؤار رفع الصوت في الدعاء والإستغاثة[6]

﴿وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَنِينَ وَحَفَدَةً﴾[7] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

الحفدۃ یہ حافد کی جمع ہے۔ جب کوئی آدمی جلدی اور چستی دکھائے تو بولتے ہیں حَفَدَ يَحْفِدُ حَفْدًا وَحُفُودًا اس کا مصدر دونوں طرح آتا ہے۔ ہر وہ آدمی جو خدمت میں جلدی سے کام لے اس کو حافد کہتے ہیں۔ ابو عبیدہ کے

---

[1] ابن منظور، لسان العرب:9/101

[2] رازی، مختار الصحاح، ص98

[3] نحل:53

[4] شوکانی، فتح القدیر:3/203

[5] دینوری، أبو محمد عبد الله بن مسلم بن قتیبۃ، المعاني الكبير في أبيات المعاني (حیدر آباد الدکن: مطبعة دائرة المعارف العثمانية 1949ء)، 2/700

[6] بیضاوی، تفسیر البیضاوی:3/404

[7] نحل:72

مطابق الحفد کا معنی العمل اور خدمت ہے اور خلیل بن احمد فرماتے ہیں عربوں کے ہاں الحفدۃ کا لفظ خدام کے لئے بولا جاتا ہے۔[1] اس معنی کا استشہاد عبادہ بن صامت (متوفی 586ء) کے درج ذیل شعر جاہلی سے ہے۔

فَلَوْ أَنَّ نَفْسِي طَاوَعَتْنِي لَأَصْبَحَتْ ... لَهَا حَفَدٌ مِمَّا يُعَدُّ كَثِيرُ[2]

ترجمہ و تجزیہ

اگر میرا نفس میری بات مان لیتا تو میرے پاس کثیر تعداد میں پوتے پوتیاں ہوتے۔ اس شعر میں حفد پوتے پوتیوں کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جمع حافد وهو المتحرك المتبرع بالخدمة أقارب كانوا أو أجانب، قال المفسرون هم الأسباط ونحوهم، وذلك أن خدمتهم أصدق[3] صاحب تفسیر بیضاوی بھی اس کی تائید کرتے ہیں کہ اس سے پوتے یا نواسے مراد ہیں اصل میں حافد وہ ہوتا ہے جو خدمت میں چستی دکھائے۔وأولاد أولاد أو بنات فإن الحافد هو المسرع في الخدمة[4]

﴿وَمِنْ أَصْوَافِهَا وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا أَثَاثًا ﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

اثاث کا مطلب گھر کا سامان ہے اور اس کا اصل معنی ہے کثرت اور اجتماع اور اسی سے شِعْرٌ أَثِيثٌ کی ترکیب ہے جس کا معنی گھنے اور کثیر بال ہیں۔[6] اس کی تائید امْرُؤُالقَيْس (متوفی 545ء) کا درج ذیل شعر جاہلی کرتا ہے۔

وَفَرْعٌ يُزِينُ الْمَتْنَ أَسْوَدُ فَاحِمٍ ... أَثِيثٌ كَقِنْوِ النَّخْلَةِ الْمُتَعَثْكِلِ[7]

ترجمہ و تجزیہ

اسکے گھنے بال اس کی پیٹھ کو مزین کرتے ہیں کہ وہ بال ایسے گھنے ہیں جیسا کہ کھجور کا گچھہ۔ اس شعر میں "أَثِيث" فرع کی صفت ہے یعنی گھنے بال۔ فرع اثیث یعنی گھنی جت۔ تفسیر رازی کے مطابق بھی اثاث کی اصل اس قول سے ماخوذ ہے کہ کھیتی اور بال گھنے ہوگئے ہیں۔ وَأَصْلُهُ مِنْ قَوْلِهِمْ أث النبات والشعر إذا كثر[8] البحر

---

[1] شوکانی، فتح القدیر:3/214

[2] رازی، نثر الدر في المحاضرات، منصور بن الحسین (بیروت: دار الکتب العلمیۃ2004ء)،3/30

[3] راغب اصفہانی، المفردات في غریب القرآن، ص123

[4] بیضاوی، تفسیر البیضاوی:3/411

[5] نحل:80

[6] شوکانی، فتح القدیر:3/221

[7] انباری، شرح القصائد السبع الطوال الجاہلیات، ص62

[8] رازی، مفاتیح الغیب:20/253

المدید في تفسیر القرآن المجید میں اس کے معنی کچھ اس طرح بیان ہوئے ہیں۔ أَثاثاً متاعًا لبيوتكم كالبسُط والأكسية[1]

﴿وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ﴾[2] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

نہ ان کو عتاب طلب کرنے کی توفیق ہو گی۔ کیونکہ عتاب رضا کی طرف کوٹنے کے لئے طلب کیا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ وہ رب کو راضی کرنے کے مکلف نہ ہوں گے۔ العتاب، عتب سے ماخوذ ہے اور اس کا مطلب ہے پانے والا جب کوئی کسی چیز کو پالے تو عتب علیہ بولا جاتا ہے اور اس سے اسم العتبی آتا ہے اور العتبی سے مراد معتوب علیہ کا عاتب کی رضا کی طرف لوٹنا ہے۔[3] اس کا استشہاد نابغہ ذبیانی (متوفی 604ء) کے اس شعر جاہلی سے کیا گیا ہے۔

فإن أك مظلوماً فعبد ظلمته ... وإن تك ذا عتبى فمثلك يعتب[4]

ترجمہ و تجزیہ

اگر میں مظلوم ہوں تو پھر تو ہی ایسا بندہ ہے جس نے ظلم کیا ہے اور اگر میں عاتب کی خوشنودی کی طرف لوٹنے کے لئے معتوب علیہ ہوا ہوں تو پھر آپ جیسا آدمی عتاب کرتا ہے۔ اس شعر میں عتاب بمعنی اسم عتبی استعمال ہوا ہے۔ اور کتاب المفردات في غریب القرآن کے مطابق یعتب کا لفظ عتاب لطلب الرضا کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔[5] تفسیر روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی کے مطابق ان سے رب کے غصب کو توبہ اور عمل صالح کے ساتھ زائل کرنے کو طلب نہیں کیا جائے گا۔ أي لا يطلب منهم أن يزيلوا عتب ربهم أي غضبه بالتوبة والعمل الصالح[6]

﴿وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتْبِيرًا﴾[7] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

يتبروا کا معنی يهدموا وَيُهْلِكُوا ہے۔[8] اس کی دلیل ابو عقیل لبید بن ربیعہ عامری (متوفی 661ء) کے درج

---

[1] فاسی صوفی، البحر المدید في تفسیر القرآن المجید: 3/153

[2] نحل: 84

[3] شوکانی، فتح القدیر: 3/223

[4] اعلم، أشعار الشعراء الستة الجاهليين، ص36

[5] راغب اصفہانی، المفردات في غریب القرآن، ص 321

[6] آلوسی، روح المعاني في تفسیر القرآن العظیم والسبع المثاني: 7/443

[7] بنی اسرائیل: 7

[8] شوکانی، فتح القدیر: 3/250

ذیل شعر سے پکڑی گئی ہے۔

فَمَا النَّاسُ إِلَّا عَامِلَانِ فَعَامِلٌ ... يُتَبِّرُ مَا يَبْنِي وَآخَرُ رَافِعُ[1]

ترجمہ و تجزیہ

لوگ صرف دو قسم کے کام کرتے ہیں۔ ایک وہ جو بنی بنائی چیز کو گرانے اور برباد کرنے والے ہیں اور دوسرے وہ جو چیزوں کو اٹھانے اور بلند کرنے والے ہیں۔ اس شعر میں لفظ یتبرُ بمعنی یھدم استعمال ہوا ہے پس آیت میں بھی یہ معنی مراد لینا ممکن ہے۔ تفسیر رازی میں ہے کہ ہر وہ چیز جس کو تو توڑ دے اور ریزہ ریزہ کر دے۔ كُلُّ شَيْءٍ جَعَلْتَهُ مُكَسَّرًا وَمُفَتَّتًا فَقَدْ تَبَّرْتَهُ[2] اس طرح تفسیر الوسیط کے مصنف لکھتے ہیں کہ التتبیر کا مطلب ہے ہلاک کرنا اور خراب کرنا۔ التتبير معناه الإهلاك والتدمير والتخريب[3]

﴿وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

أَمَرْنا مُتْرَفِيها کا مطلب ہے أَكْثَرْنَا فُسَّاقَهَا۔ عرب امرالقوم کا مطلب کثرالقوم لیتے ہیں اور أمرهم الله کا أَمَرْنا مُتْرَفِيها کا مطلب ہے أَكْثَرْنَا فُسَّاقَهَا۔ عرب امرالقوم کا مطلب کثرالقوم لیتے ہیں اور أمرهم الله کا اکثرهم الله لیتے ہیں۔

صحاح میں ہے کہ اسکو أَمِرَ مَالُهُ یعنی میم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اس کا معنی ہے کثر ماله ۔[5] جیسا کہ ابو عقیل لبید بن ربیعہ عامری (متوفی 661ء) کے اس شعر جاہلی میں استعمال ہوا ہے۔

إِنْ يَغْبِطُوا يَهْبِطُوا وَإِنْ أَمِرُوا ... يوما يصيروا للهلك والنّكد[6]

ترجمہ و تجزیہ

اگر وہ اترائیں گے تو وہ مقام سے گریں گے اور اگر وہ کسی دن کثیر تعداد میں ہوئے تو ہلاکت اور تباہی ان کا مقدر ہو گی۔ اس شعر میں أَمِرُوا میم کے کسرہ کے ساتھ ہے اور کثروا کے معنی میں ہے پس آیت میں بھی امرنا سے مراد اکثرنا ہے۔ صاحب لسان العرب نے بھی اس کا معنی زیادہ کرنا لکھا ہے اور دلیل میں سرکار دو عالم ﷺ کی

---

[1] لَبید، دیوان لبید بن ربیعۃ العامري، ص56

[2] رازی، مفاتیح الغیب:20/302

[3] مجموعۃ من العلماء، التفسیر الوسیط للقرآن الکریم:8/295

[4] بنی اسرائیل:16

[5] شوکانی، فتح القدیر:3/255

[6] لبید، دیوان لبید بن ربیعۃ العامری، ص34

حدیث مبارک پیش کی جس میں مَأْمُورَةٌ کالفظ زیادہ کرنے اور زیادہ نسل بڑھانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔مَعْنَى أَمِرْنا مُتْرَفِيهَا كَثَّرْنا مُتْرَفيها؛وَالدَّلِيلُ عَلَى هَذَا قَوْلُ النَّبِيِّ، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؛ خَيْرُ الْمَالِ سِكَّةٌ مَأْبُورَةٌ أَو مُهْرَةٌ مَأْمُورَةٌ؛ أَي مُكَثِّرَةٌ وَكَثِيرَةُ النِّتاج والنَّسْلِ.وَالْعَرَبُ تَقُولُ أَمِرَ بَنُو فُلَانٍ أَي كَثُرُوا[1] یہی بات تفسیر عبدالرازق میں بھی ہے کہ امرنا کا معنی اکثرنا ہے أَكْثَرْنَا[2]

﴿إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَسْحُورًا﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

مسحورا کا معنی ہے "أَنَّ لَهُ سَحْرًا" یعنی اس کا پھیپھڑا ہے اس لئے وہ کھانے، پینے سے بے نیاز نہیں ہے پس وہ (رسول) تو تمھاری طرح ہیں اور عرب کہاوت ہے قَدِ انْتَفَخَ سَحْرُهُ یہ جملہ وہ بزدل آدمی کے لئے بولتے ہیں کہ اس کا پھیپھڑا پھول گیا ہے ہر وہ چیز جو کھانا کھاتی ہے آدمی ہو یا غیر آدمی اس پر مسحور کا اطلاق ہوتا ہے۔[4] مشہور شاعر امْرُؤُ القَيْس (متوفی 545ء) نے سحر کو اس معنی میں استعمال کیا ہے۔

أَرَانَا موضعين لأمر غيب ... ونسحر بالطّعام وبالشّراب[5]

ترجمہ و تجزیہ

اس نے ہمیں ایک پوشیدہ امر سے متعلق دو جگہیں دکھائیں اس حال میں کہ سحری کے وقت ہم کھانے اور پینے میں مصروف تھے۔ اس شعر میں نسحر بمعنی سحری کا کھانا استعمال ہوا ہے اور اس کا قرینہ الطعام ہے پس معلوم ہوا لغت عرب میں سحر بمعنی کھانا استعمال ہوتا ہے۔ لسان العرب میں ہے کہ مسحر کا مطلب ہے پیٹ والا اور تنفخ السحر کا مطلب ہے تو کھانا پینا کرتا ہے۔والمسَحَّرُ المجَوَّفُ انْتَفَخَ سَحْرُكَ أَي أَنك تأْكل الطَّعَامَ وَالشَّرَابَ فَتُعَلَّلُ بِهِ[6] صاحب مفرادت القران نے لکھا کہ السحر کھائے ہوئے کھانے کا نام ہے۔ السحور اسم للطعام المأكول سحرا[7]

---

[1] ابن منظور، لسان العرب:4/28

[2] عبدالرزاق، أبو بكر بن همام، تفسير عبدالرزاق (بيروت: دار الكتب العلمية 1419ھ)، 2/293

[3] بنی اسرائیل:47

[4] شوکانی، فتح القدیر:3/275

[5] امْرُؤُ القَيْس، دیوان امرئ القیس، ص78

[6] ابن منظور، لسان العرب:4/349

[7] راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، ص266

﴿فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

نغض ينغض نغضا ونغوضا کا مطلب ہوتا ہے حرکت دینا اور انغض راسہ کا مطلب ہے اس نے سر کو تعجب خیز انداز میں حرکت دی۔[2] اس کی دلیل زہیر بن ابی سلمیٰ بن ربعیہ بن رباح مزنی (متوفی 609ء) کے درج ذیل شعر جاہلی میں بھی موجود ہے۔

أنغض نحوي رأسه وأقنعا ... كأنه يطلب شيئا أنفعا[3]

ترجمہ و تجزیہ

اس نے میری طرف تعجب سے سر ہلایا اور اس کو بالتعجب بلند کیا گویا وہ کوئی اور مفید چیز مانگ رہا ہو۔۔ اس شعر میں انغض بمعنی حرک بالتعجب استعمال ہوا ہے۔ آیت میں بھی اس سے یہی معنی مراد ہیں۔ مختار الصحاح میں ہے کہ انغض راسہ کا مطلب ہے اس نے اپنے سر کو ایسے حرکت دی جیسے کسی چیز سے متعجب شخص کرتا ہے۔أَنْغَضَ رَأْسَهُ حَرَّكَهُ كَالْمُتَعَجِّبِ مِنَ الشَّيْءِ[4] تفسیر یحیی بن سلام نے بھی اس کا مطلب لکھا کہ وہ عنقریب اپنے سروں کو جھٹلانے اور مذاق اڑانے کے انداز مین ہلائیں گے۔فَسَيُحَرِّكُونَ أَرْؤُسَهُمْ تَكْذِيبًا وَاسْتِهْزَاءً[5]

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

وکیل بمعنی کفیل بطور مجاز استعمال ہوا ہے یعنی ہم نے آپ ﷺ کو ان پر کفیل بنا کر نہیں بھیجا کہ ان کی وجہ سے آپ ﷺ کا موخذاہ ہو۔[7] اس معنی کی دلیل شقران سلامانی (متوفی 650ء) کے درج ذیل شعر جاہلی میں بھی موجود ہے۔

ذَكَرْتُ أَبَا أَرْوَى فَبِتُّ كَأَنَّنِي ... بِرَدِّ الْأُمُورِ الْمَاضِيَاتِ وَكِيلُ[8]

---

[1] بنی اسرائیل:51

[2] شوکانی، فتح القدیر:3/279

[3] دمیری، حیاۃ الحیوان الکبری:2/494

[4] رازی، مختار الصحاح، ص315

[5] يحيى بن سلام، يحيى بن سلام بن أبي ثعلبة، تفسير يحيى بن سلام (بیروت: دار الكتب العلمية2004ء)،1/141

[6] (بنی اسرائیل:54)

[7] شوکانی، فتح القدیر:3/280

[8] مرزوقی، شرح دیوان الحماسۃ، ص84

ترجمہ و تجزیہ

میں نے ابو عروہ کا ذکر کیا اور رات گزار دی۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میں ماضی کے معاملات کو بحال کرنے کا کفیل ہوں۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ یہاں وکیل بمعنی کفیل استعمال ہوا ہے پس معلوم ہوا لغت عرب میں وکیل بطور مجاز کفیل کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یعنی ان کا معاملہ آپ کے ذمہ کرم پہ ہو کہ آپ ان کو ایمان لانے پر مجبور کریں۔موکولاً إليك أمرهم، فتجبرهم على الإيمان[1] اسی طرح تنویر المقباس میں بھی ہے کہ آپ ان کے کفیل نہیں ہیں کہ ان کی وجہ سے آپ کا مواخذہ ہو۔ كَفِيلا تُؤْخَذ بهم[2]

﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

غسق الليل سے مراد تاریکی کا جمع ہونا ہے۔غسق الليل اغسق سے مراد ہے رات کی تاریکی کا آ جانا۔ الغسق سے مراد سواد اللیل ہے اور غسق الليل سے مراد مغیب الشفق بھی ہے۔[4] اس کی دلیل زہیر بن ابی سلمٰی بن ربعیہ بن رباح مزنی (متوفی 609ء) کے درج ذیل شعر جاہلی میں بھی موجود ہے۔

ظلَّت تجوب يداها وهي لاهيةٌ ... حتَّى إذا جنَح الإظلامُ والغَسَقُ [5]

ترجمہ و تجزیہ

اس کے دونوں ہاتھ مسلسل جود و سخا کرتے رہے یہاں تک کہ تاریکیوں اور شفق نے اپنے پر نکال لئے اور وہ اس سے بے خبر تھی۔ الغسق کا لفظ اس شعر میں رات کے شروع ہونے کے معنی میں ہے یعنی جب شفق یعنی مغرب کا وقت ہو گیا تو غسق اللیل سے مراد غروب آفتاب کے بعد شفق کے ظاہر ہونیکا وقت ہے۔ ایسر التفاسیر کا مصنف اس کا مطلب تاریکی لکھتا ہے۔ ، إذ الغسق الظلمة[6] صاحب تفسیر بحر المدید نے اس سے مراد رات کی تاریکی لی اور یہ اشارہ ہے مغرب اور عشاء تک کے وقت کے لیے۔وغسق الليل ظلمته، وهو إشارة إلى المغرب والعشاء[7]

---

[1] فاسی صوفی، البحر المدید في تفسیر القرآن المجید: 3/207
[2] ابن عباس، تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس، ص238
[3] بنی اسرائیل: 78
[4] شوکانی، فتح القدیر: 3/297
[5] انباری، شرح القصائد السبع الطوال الجاھلیات، ص559
[6] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر: 3/218
[7] فاسی صوفی، البحر المدید في تفسیر القرآن المجید: 3/223

﴿أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

الرقیم کے مختلف معانی بیان کئے گئے ہیں۔ ایک معنی یہ ہے کہ یہ اس بستی کا نام تھا جس سے اصحاب کہف نکلے تھے۔ دوسرا یہ پتھر کی ایک تختی تھی جس پر اصحاب کہف کے نام لکھے تھے اور وہ غار کے دروازے پر لگی تھی رقم کا مطلب کتابت ہے۔ اور اس تختی کو رقیم اسی لئے کہا کہ اس پر ان کے نام لکھے ہوئے تھے۔[2] اس کا استشہاد اَبو الشعثاء عبد اللہ بن رؤبۃ بن لبید بن صخر السعدي التميمي المعروف عجاج کے درج ذیل شعر سے کیا گیا ہے۔

ومستقرّ المصحف المرقّم[3]

ترجمہ و تجزیہ

المصحف المرقّم سے مراد لکھا ہوا صحیفہ ہے۔ الرقیم بمعنی مرقوم ہے۔ صاحب لسان العرب لکھتے ہیں کہ رقیم سے مراد سیسہ کی بنی ہوئی تختی ہے جس پر اصحاب کہف کے نام، لقب، قصے اور اور ان کے آنے کا مقام لکھا ہوا تھا۔ الرَّقِيمُ لوحُ رَصاصٍ كُتِبَتْ فِيهِ أَسماؤهم وأَنسابهم وَقِصَصُهُمْ ومِمَّ فَرُّوا[4] المفردات القرآن کے مطابق اس سے مراد پتھر کی تختی ہے جس پر اصحاب کہف کے نام لکھے تھے۔ لوح حجري رقمت فيه أسماء أصحاب الكهف[5]

﴿لَقَدْ قُلْنَا إِذًا شَطَطًا﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

الشطط کا معنی غلو اور حد سے تجاوز کرنا کیا گیا ہے۔[7] اس معنی پہ میمون بن قیس بن جندل بن شراحیل بن عوف بن سعد بن ضُبیعہ المعروف اعشیٰ قیس (متوفی 629ء) کا درج ذیل شعر شاہد ہے۔

أَتَنْتَهُونَ وَلَنْ يَنْهَى ذَوِي شَطَطٍ ... كَالطَّعْنِ يَذْهَبُ فِيهِ الزَّيْتُ وَالْفَتْلُ[8]

---

[1] کہف:9

[2] شوکانی، فتح القدیر:3/322

[3] ایضا6/154

[4] ابن منظور، لسان العرب:12/250

[5] جزائری، اَیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر:3/239

[6] کہف:14

[7] شوکانی، فتح القدیر:3/324

[8] اَعشیٰ قیس، دیوان الاعشیٰ، ص167

ترجمہ و تجزیہ

کیا تم منع کرتے ہو حالانکہ حد سے تجاوز کرنیوالا نہیں رکتا چھرے کے زخم کی طرح جس میں تیل اور دھاگہ جاتا ہے۔ اس شعر میں شطط بمعنی مجاوزالحد استعمال ہوا ہے۔ لسان العرب کے مطابق شطط کا معنی ظلم و ستم اور حق سے دوری ہے۔ الشَّطَط وَهُوَ الجورُ وَالظُّلْمُ والبُعْدُ عَنِ الْحَقِّ[1] تفسیر بیضاوی نے بھی اس کا معنی حق سے دور اور ظلم میں حد سے بڑھا ہوا بیان کیا ہے۔ ذا بعد عن الحق مفرط في الظلم[2]

﴿إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

سرادق، سرادقات کی جمع ہے۔ سرادق سے مراد گھر کے صحن کی چاردیواری یا کھینچی ہوئی باڑ ہوتی ہے۔ اور ہر وہ گھر جو اون یا کھال کا بنا ہوا ہو وہ بھی سرادق ہی ہے کیونکہ وہ گھر کے اطراف کو گھیرے ہوئے ہوتا ہے۔[4] اس معنی پہ سلامۃ بن جندل (متوفی 600ء) کا درج ذیل شعر شاہد ہے۔

هُوَ الْمُدْخِلُ النُّعْمَانَ بَيْتًا سَمَاؤُهُ ... صُدُورُ الْفُيُولِ بَعْدَ بيت مسردق[5]

ترجمہ و تجزیہ

وہ نعمان کو داخل کرنے والا ہے ایسے گھر میں جس کا آسمان ہاتھیوں کے سینے ہیں اس کے علاوہ کہ وہ گھر چاروں طرف سے گھرا ہوا ہے۔ بيت مسردق سے مراد ایسا گھر ہے جسکی چاردیواری ہوئی ہو۔ اور چاروں طرف سے بند ہو۔ آیت میں بھی سرادق سے مراد ایسی آگ ہے جو ہر طرف سے ان کو گھیر ہوئے ہوگی اور نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہوگا۔ اسی طرح تفسیر رازی میں بھی ہے سرادق سے مراد وہ باڑ ہے جو خیمہ کے آس پاس ہوتی ہے۔ السُّرَادِقُ هو الحجزة الَّتِي تَكُونُ حَوْلَ الْفُسْطَاطِ[6] تفسیر وسیط نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جہنم کی باڑ، چاردیواریں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی موٹائی چالیس سال کی مسافت ہے۔ ((لسرادق النار أربع جُدُر، كثف كل جدار مثل مسيرة أربعين سنة))[7]

---

[1] ابن منظور، لسان العرب: 7/334

[2] بیضاوی، تفسیر البیضاوی: 3/482

[3] کہف: 29

[4] شوکانی، فتح القدیر: 3/334

[5] سلامہ بن جندل، ابومالک بن عمرو التمیمی، دیوان سلامۃ بن جندل، ص 12

[6] رازی، مفاتیح الغیب: 21/459

[7] أخرجه أحمد: 3/29 (ضعیف)

﴿وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

السندس سے مراد نرم اور رقیق ہے۔ اس کی واحد سندسۃ آتی ہے اور استبرق سے مراد وہ چیز ہے جو سخت ہو۔ اور مفسرین کہتے ہیں کہ استبرق سے مراد دیباج یعنی ریشم ہے۔[2] اس کی دلیل عمرو بن سعد بن ضبیعہ کا قول ہے۔

وَإِسْتَبْرَقُ الدِّيبَاجِ طَوْرًا لِبَاسُهَا[3]

ترجمہ و تجزیہ

نرم و ملائم ریشم کبھی کبھار اس کا لباس ہوتا ہے۔ استبرق الدیباج سے مراد ریشم ہے۔ تفسیر مفاتیح الغیب کے مطابق سندس سے مراد نرم ریشم اور استبرق سے مراد سخت ریشم ہے۔ "وَالْأَوَّلُ هُوَ الدِّيبَاجُ الرَّقِيقُ وَهُوَ الْخَزُّ وَالثَّانِي هُوَ الدِّيبَاجُ الصَّفِيقُ"[4] تفسیر وسیط میں بھی اسی بات کی تائید ملتی ہے کہ "ما رق من الحرير واحده سندسة. والإستبرق ما غلظ منه وثخن، واحده إستبرقة"[5]

﴿يُصْبِحَ مَاؤُهَا غَوْرًا﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

غور بمعنی غروب بھی آتا ہے۔[7] شاعر ابو ذؤیب خویلد بن خالد الهذلي (متوفی 654ء) کا درج ذیل قول اس معنی میں موجود ہے۔

هَلِ الدَّهْرُ إِلَّا لَيْلَةٌ وَنَهَارُهَا ... وَإِلَّا طُلُوعُ الشَّمْسِ ثُمَّ غِيَارُهَا[8]

ترجمہ و تجزیہ

زمانہ محض ایک رات اور اس رات کا دن ہے۔ اور یہ محض طلوع شمس اور پھر غروب شمس ہے۔ اس شعر میں غیار بمعنی غروب استعمال ہوا ہے۔ غروب یعنی غائب ہو جانا او جھل ہو جانا، پس یہی معنی آیت میں بھی مراد لینا

---

[1] کہف: 31

[2] شوکانی، فتح القدیر: 3/335

[3] شوکانی، فتح القدیر: 6/147

[4] رازی، مفاتیح الغیب: 21/461

[5] مجموعۃ من العلماء، التفسیر الوسیط للقرآن الکریم: 8/513

[6] کہف: 41

[7] شوکانی، فتح القدیر: 3/341

[8] دیوان الہذلیین، شعراء ہذلیون: 1/21

جائز ہے۔ اسی طرح بالاتفاق تفسیر وسیط اور مظہری نے بھی اس کا معنی زمین کے اندر جانیوالا یعنی او جھل ہونے والا لکھاہے۔ غائرا ذاهبا في الأرض[1] غائرا ذاهبا في الأرض[2]

﴿فَأَصْبَحَ هَشِيمًا تَذْرُوهُ الرِّيَاحُ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

هَشِيم کا معنی ہے الکیر یعنی نباتات کی ایک قسم جو پانی منقطع ہونے کے سبب سے ٹوٹ جائے اور ریزہ ریزہ ہو جائے اور رائی بن جائے۔ اور رجل ہشیم کمزور بدن والے آدمی کو کہتے ہیں۔ ہشم علیہ فلان کا مطلب ہے کسی پر لطف و مہربانی کرنا، اور ہشم الثرید کا مطلب ہے روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکرے کرنا اور ان کو باریک کر لینا۔[4] مطرود بن کعب خزاعی جاہلی کا درج ذیل قول اس معنی میں موجود ہے۔

عَمْرُو الَّذِي هَشَمَ الثَّرِيدَ لِقَوْمِهِ ... وَرِجَالُ مَكَّةَ مُسْنِتُونَ عِجَافُ[5]

ترجمہ وتجزیہ

عمرو وہ ہے جس نے اپنی قوم کے لئے باریک ثرید تیار کی اس حال میں کہ مکہ کے لوگ قحط زدہ نحیف ہیں۔

اس شعر میں هَشَمَ الثَّرِيدَ کا مطلب ہے روٹی کو سالن میں بھگو کر بلکل باریک کر دینا۔ پس معلوم ہوا ھشم یھشم ھشیما کا مادہ کسی چیز کو توڑ کر بلکل باریک کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لسان العرب کے مطابق ہشیم کا معنی وہ جڑی بوٹی ہے جو خشک ہو جائے اور ہوا اسکو اڑاتی پھرے۔ أَصلُ الهَشِيم النبتُ إِذا وَلّى وجفَّ فأَذْرَتْه الريحُ[6] اسی طرح مفردات القرآن میں بھی ہشم کا مطلب کسی جڑی بوٹی جیسی چیز کا ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جانا لکھا ہے۔ الهشم كسر الشيء الرخو كالنبات[7]

﴿فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا﴾[8] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

نغادر، غادر یغادر مغادرا سے جمع متکلم کا صغیہ ہے اور اس کا مطلب ہے ترک جب کوئی بندہ کسی کو چھوڑ

[1] مجموعة من العلماء، التفسير الوسيط للقرآن الكريم: 8/ 520

[2] المظہری، التفسیر المظہری: 6/ 36

[3] کہف: 45

[4] شوکانی، فتح القدیر: 3/ 343

[5] اميل بديع يعقوب، المعجم المفصل في شواهد العربية، 5/ 22

[6] ابن منظور، لسان العرب: 12/ 613

[7] راغب اصفہانی، المفردات في غريب القرآن، ص 543

[8] کہف: 47

دے تو عرب کہتے ہیں غادرہ واغدرہ۔[1] عنترہ بن شداد بن العبسی المصری (608ء) اس کی تائید میں کہتا ہے کہ

غَادَرْتُهُ مُتَعَفِّرًا أَوْصَالُهُ ... وَالْقَوْمُ بَيْنَ مُجَرَّحٍ وَمُجَنْدَلِ[2]

ترجمہ و تجزیہ

میں نے اسے اس کے اعضاء پھاڑ کر چھوڑ دیا اور لوگ زخمیوں اور بھرتی کے درمیان تھے اس شعر میں غادرتہ بمعنی ترکتہ استعمال ہوا ہے۔ تفسیر روح المعانی میں بھی لم نغادر کا معنی لم نترک لکھا ہے۔أي لم نترك، يقال غادره وأغدره إذا تركه ومنه الغدر الذي هو ترك الوفاء[3]

﴿وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَوْبِقًا﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

الموبق یہاں پر ہلاکت کے لئے مقررہ جگہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور لغت میں بھی یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اوبق کا معنی أَهْلَكَهُ ہے[5] زہیر بن ابی سلمٰی بن ربعیہ بن رباح مزنی (متوفی 609ء) کے یہ شعر اس معنی کی تائید کرتا ہے۔

وَمَنْ يَشْتَرِي حُسْنَ الثَّنَاءِ بِمَالِهِ ... يَصُنْ عِرْضَهُ عَنْ كُلِّ شَنْعَاءَ مَوْبِقِ[6]

ترجمہ و تجزیہ

جو آدمی اپنے مال کے ذریعے اچھی تعریف کمالیتا ہے۔ وہ اپنی عزت کو ہر مکروہ ہلاک کرنیوالے سے محفوظ کرلیتا ہے۔ مختار الصحاح کے مطابق اس کا مطلب ہلاک کرنا ہے۔ وَأَوْبَقَهُ ای أَهْلَكَهُ[7] یہی مؤقف لسان العرب کا ہے مَوْبِقاً أَيْ مَهْلِكاً[8]

---

[1] شوکانی، فتح القدیر: 3/346

[2] عنترۃ، دیوان عنترۃ بن شداد، ص 137

[3] آلوسی، روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني: 8/273

[4] کہف: 52

[5] شوکانی، فتح القدیر: 3/348

[6] بہاء الدین، محمد بن الحسن بن محمد بن علي بن حمدون، التذكرة الحمدونية (بیروت: دار صادر 1417ھ)، 2/219

[7] رازی، مختار الصحاح، ص 332

[8] ابن منظور، لسان العرب: 10/370

﴿وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

لِيُدْحِضُوا بمعنی لیزیلوا استعمال ہوا ہے۔ اور دحض کا اصل مطلب الزلق، پھسلنا ہے۔ دحضت رجلہ کا معنی ہے اسکا پاؤں پھسل گیا اور دحضت الشمس عن کبد السماء کا مطلب سورج آسمان سے ڈھل گیا اور داحضت حجتہ دحوضا کا معنی ہے اسکی دلیل باطل ہوگئی۔[2] طرفہ بن العبد (متوفی 569ء) کا یہ شعر جاہلی بھی اس معنی کی توثیق کرتا ہے۔

أَبَا مُنْذِرٍ رُمْتَ الْوَفَاءَ فَهِبْتَهُ ... وَحِدْتَ كَمَا حَادَ الْبَعِيرُ عَنِ الدَّحْضِ[3]

ترجمہ و تجزیہ

اے ابو منذر تو نے وعدہ وفا کیا پس اس کو چھوڑ دیا اور تو آگے بڑھ گیا جیسے اونٹ پھسلن سے آگے نکل جاتا ہے۔ اس شعر میں الدحض بمعنی الزلق پھسلن کے استعمال ہوا ہے۔ تفسیر بحر المدید کے مطابق بھی اس کا معنی ہے مرکز سے ہٹنا اور باطل کرنا ہے۔ أي يزيلونه عن مركزه ويبطلونه[4] صاحب تفسیر وسیط کے مطابق الدحض اس چکنی مٹی کو کہتے ہیں جس پر پاؤں نہ جمیں۔ الدحض الطين الذي لا تستقر عليه الأقدام. فمعنى يدحضوا يزيلوا ويبطلوا[5] پس معلوم ہوا یدحضوا کا معنی ہے زائل کرنا اور باطل کرنا۔ اسی معنی کا استشہاد امام شوکانی کیا ہے۔

---

[1] کہف: 52

[2] شوکانی، فتح القدیر: 3/350

[3] طرفة، دیوان طرفة، ص138

[4] فاسی صوفی، البحر المدید في تفسیر القرآن المجید: 3/282

[5] مجموعة من العلماء، التفسیر الوسیط للقرآن الکریم: 8/542

فصل سوم علم صرف سے متعلق استشہاد بالشعر

علم صرف علم اللغت کی وہ شاخ ہے جس کے ذریعے کلمات کا وزن معلوم کرنے، کلمات کے حروف اصلیہ اور زائدہ کی جانچ پڑتال کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اس کے علاوہ صحیح و معتل اور حذف وادغام کا ادراک بھی اسی فن کے ذریعے ممکن ہے۔[1] یہ فصل تفسیر فتح القدیر میں صرفی اعتبار سے استشہاد بالشعر الجاہلی کا احاطہ کریگی۔ اس کا اسلوب بھی سابقہ فصول کے مشابہ ہو گا۔ ذیل میں صرفی اعتبار سے استشہاد بالشعر الجاہلی والی آیات کو بالترتیب ذکر کیا جائے گا۔

﴿وَإِذَا خَلَوْا إِلَى شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ﴾[2] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانیؒ "وَاِذَاخَلوا اِلی شَیاطینهم" کی تفسیر میں لفظ شیطان کے معنی اوراس کی اصل کی وضاحت میں فرماتے ہیں لفظ الشیاطین، شیطان کی جمع مکسر ہے۔ امام سیبویہ نے اپنی کتاب میں ایک جگہ پر لفظ شیطان کی نون کو اصلی قرار دیااور ایک اور جگہ پر اس نون کو زائدہ قرار دیا۔ پہلے قول کی بناء پر یعنی جب شیطان کا نون اس کا حرف اصلی ہو تو یہ لفظ شَطَنَ سے نکلاہے۔ اور اس کا مطلب ہے حق سے دور۔ اور دوسرے قول یعنی لفظ شیطان کا نون حرف زائد ہے اس بناپر اس کا مصدرومنبع "شَطْوٌ" بمعنی دور یا" شاط" بمعنی باطل یا" شاط" بمعنی "احترق "یعنی جلنے والا ہو گا یا پھر یہ "أُشاط" بمعنی "هلك" یا "هالك" سے ماخوذ ہو گا[3]۔ صاحب تفسیر فتح القدیر اس معنی کی دلیل میں میمون بن قیس بن جندل بن شراحیل بن عوف بن سعد بن ضُبیعہ المعروف اعشی قیس (متوفی 629ء) کا درج ذیل شعر پیش کرتے ہیں۔

قَدْ نَطْعنُ العَيرَ في مَكنونِ فائِلِهِ وقدْ يشيطُ على أرماحنا البطلُ[4]

ترجمہ و تجزیہ

تحقیق ہم اونٹوں کے قافلے کواس کے خون میں رنگ دیتے ہیں اور بہادر ہمارے نیزوں سے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اس شعر میں لفظ یشیطُ، یهلک کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ تبریزی نے شرح قصائد العشر میں اس شعر میں قد نطعن کے بجائے قَدْ نَخْضِبُ ذکر کیا ہے۔[5] لیکن امام شوکانی شطن کو لفظ شیطان کی اصل قرار دیتے ہیں اور اس

---

[1] چشتی، غلام نصیر الدین، علم صرف (لاہور، شبیر برادرز 2012ء)، 3

[2] بقرہ: 14

[3] شوکانی فتح القدیر 1\52

[4] اعشی قیس، دیوان الاعشی، ص، 167

[5] تبریزی، شرح القصائد العشر، قصیدۃ اعشی، ص 307

کے آخر میں نون کو اصلی قرار دیتے ہیں۔اور امام سیبویہ کے قول سے استدلال پکڑتے ہیں اور قول یہ ہے کہ لفظ شیطان کا نون اصلی ہے اس لئے کہ جب کوئی بندہ شیطانوں والے کام کرتا ہے تو عرب "تشیطن فلان" بولتے ہیں۔ اگر نون زائدہ ہوتا تو تشیطن کے بجائے طشیطَ بولتے[1]۔اس کی دلیل شاعر أمیۃ بن أبي الصلت (متوفی 626ء) کا حضرت سلیمان کی شان میں کہا ہوا درج ذیل شعر ہے۔

أَيُّمَا شَاطِنٌ عصاه عكاه ... ثم يلقى فِي السِّجْنِ وَالْأَغْلَالِ[2]

ترجمہ و تجزیہ

جس بھی فسادی نے ان کی نافرمانی کی تو انہوں نے اسکو دھتکار دیا اور پھر اس کو قید و بند کی صعوبتوں میں ڈال دیا۔الموسوعۃ العقیدہ میں ہے کہ اس شعر میں لفظ شاطن بمعنی فسادی شطن سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔اس لئے شاعر نے شائط کے بجائے شاطن کا لفظ استعمال کیا ہے جو کہ اس بات کی دلیل ہے کہ لفظ شیطان کا نون اصلی ہے۔[3]ابن اثیر نے اس بحث کا خلاصہ درجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے کہ اگر لفظ شیطان کا نون اصلی مانا جائے تو یہ شطن سے مشتق ہو گا اور اس کا معنی ہو گا خیر سے دور اور اگر اسکو شاط سے مشتق مانا جائے تو یہ ہلاکت کا معنی دے گا اور ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ قول اول اصح ہے۔[4]یہی قول امام شوکانی کے نزدیک بھی معتبر ہے۔بعض شیطان کے معنی ہلاکت قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ خود بھی ہلاک ہوا اور اپنے پیروکاروں کو بھی ہلاکت کی طرف لیکر جانے والا ہے۔

﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

استوقد اصل میں وَقد یقد وقودًا سے باب استفعال کی ماضی کا صیغہ واحد مذکر ہے۔امام شوکانی فرماتے ہیں کہ یہاں باب استفعال کو باب افعال کی جگہ استعمال کیا گیا ہے یہاں "استوقد" بمعنی "اَوقد" استعمال ہوا ہے[6]۔امام شوکانی نے باب استفعال کے باب افعال کے معنی میں استعمال ہونے کی دلیل میں درج ذیل شعر جاہلی پیش کیا ہے۔یہ شعر اس قصیدہ سے لیا گیا ہے جس میں شاعر کعب بن سعد غنوی (متوفی 612ء) نے اپنے بھائی کا مرثیہ کہا ہے۔[7]

---

[1] شوکانی فتح القدیر 1\52

[2] أمیہ بن أبي الصلت، دیوان أمیہ بن أبي الصلت، ص 51

[3] مجموعۃ من الباحثین، الموسوعۃ العقدیۃ (موقع الدرر السنیۃ 1433ھ) 8/367

[4] ایضا

[5] بقرہ: 17

[6] شوکانی فتح القدیر 1\55

[7] شُرّاب، شرح الشواہد الشعریۃ في أمات الکتب النحویۃ: 1/127

ودَاعٍ دَعَا يَا مَنْ يُجِيبُ إِلَى النَّدَى ... فَلَمْ يَسْتَجِبْهُ عِنْدَ ذَاكَ مُجِيبُ[1]

ترجمہ و تجزیہ

اور ندا دینے والے نے ندا دی کہ اے وہ جو مجلس میں آنے کی دعوت قبول کرتا ہے تو وہاں سے کسی جواب دینے والے نے اس کا جواب نہ دیا۔ اس شعر میں یستجبه، بمعنی یجبه استعمال ہوا ہے۔ علامہ راغب اصبہانی اعراب القرآن میں فرماتے ہیں کہ باب استفعال باب افعال کے معنی میں استعمال ہوتا رہتا ہے جیسا کہ استطاع بمعنی اطاع استعمال ہوتا ہے۔استجاب بمعنی اجاب استعمال ہوتا ہے۔[2]

امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ تفسیر ابن عباس میں بھی اسی قول کی تائید ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہاں اصل عبارت یوں ہے۔"أوقد نَارا فِي ظلمَة"۔[3] اسی طرح ابن عطیہ الأندلسی کا قول ہے کہ اس آیت میں اِسْتَوْقَدَ کا معنی أوقد ہے۔[4]

﴿أَوْ كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانی فرماتے ہیں۔ "صیب" سے مراد بارش ہے اور یہ لفظ "صاب یصوب" بمعنی نزل سے مشتق ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ صیّبٌ اصل میں صَيْوِبٌ تھا یاء اور واؤ اکٹھے ہو گئے اور ان سے میں پہلا لفظ، یاء ساکن ہے۔ اس لئے واؤ کا کسرہ نقل کر کے ما قبل کو دے دیا اور واؤ کو یاء سے بدل دیا اور یاء کو یاء میں مدغم کر دیا[6]۔ امام شوکانی نے صَيِّبُ بمعنی مطر کا "صاب یصوب" سے مشتق ہونے کا استشہاد علقمۃ الفحل (متوفی 560ء) کے اس شعر سے کیا ہے۔

فَلَا تَعْدِلِي بَيْنِي وَبَيْنَ مُغَمَّرٍ ... سقتك روايا المزن حَيْثُ تَصُوبُ[7]

---

[1] اصمعی، اصمعیات اختیار اصمعی (مصر: دار المعارف 1993ء)، ص، 96

[2] اصبہانی، إسماعيل بن محمد بن الفضل بن علي القرشي، إعراب القرآن لاصبہانی (الریاض: مکتبۃ الملک فھد الوطنیۃ 1995ء)، ص 107

[3] ابن عباس، تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس، ص 5

[4] عطیہ اندلسی، المحرر الوجیز في تفسیر الکتاب العزیز: 1/ 98

[5] بقرہ: 21

[6] شوکانی فتح القدیر 1\57

[7] علقمہ الفحل، علقمۃ بن عَبَدۃ بن ناشرۃ بن قیس، دیوان علقمہ الفحل (حلب: دار الکتاب العربي)، ص، 34

ایضاً ا خفش اصغر، الاختیارین، ص 648

ترجمہ وتجزیہ

میرے اور معمر کے درمیان تو برابری خیال نہ کر کہ تجھے قبیلہ بن مزن کے بادلوں نے سیر اب کیا ہے جب وہ برستے ہیں۔ شعر مذکورہ میں فعل تَصُوبُ آیا ہے اور بارش برسنے کے معنی استعمال ہوا ہے اور اس کی طرف اشارہ لفظ سقتك میں موجود ہے کیونکہ سَیر اب بارش ہی کرتی ہے۔اس طرح آیت میں بھی کصیب کا لفظ بارش کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ معلوم ہوا یہ صوب سے ہی مشتق ہے۔اس معنی پر قرائن آیت میں ہی موجود ہیں السماء، ظلمات ،رعد اور برق یہ سارے الفاظ بارش کے لوازمات میں سے ہیں اس لئے ثابت ہوا کہ لفظ صیّب، صوب سے مشتق ہے اور اس سے مراد مطر یعنی بارش ہے۔امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔حضرت ابن عباس تنویر المقباس میں فرماتے ہیں کہ یہاں کصیب سے مراد وہ بارش ہے جو رات کے وقت آسمان سے نازل ہوتی ہے ایسی قوم کے اوپر جو مشکل میں گھری ہوئی ہو۔[1] اعراب القرآن وبیانہ کے منصف فرماتے ہیں کہ صیّب سے مراد وہ بارش ہے جو نازل ہوتی ہے اور اصل میں یہ لفظ صیوب تھا یاء اور واؤ ایک جگہ کے جمع ہوئے اور دونوں میں سے پہلا حرف ساکن ہے تو واوؤ کو یاء سے بدل دیا گیا اور یاء کو یاء میں مدغم کر دیا گیا۔[2] امام بیضاوی بھی اسی معنی کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صیّب کا لفظ فیعل کے وزن پہ الصوب سے مشتق ہے۔اور اس کا مطلب ہوتا ہے نازل ہونا یا برسنا اور اس لفظ کا اطلاق بارش کے اوپر بھی ہوتا ہے بادلوں کے اوپر بھی ہوتا ہے۔[3] صاحب تاج العروس نے بھی آیت میں صیّب سے مراد المطر یعنی بارش قرار دی ہے۔[4]

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانی لفظ ملائکہ کی وضاحت کرتے ہوئے پہلے فرماتے ہیں کے لفظ ملائکہ مَلَکٌ بروزن فعلٌ سے جمع مکسر ہے۔لیکن پھر ساتھ ہی ابو عبیدہ کا قول ذکر کر دیتے ہیں کہ لفظ ملائکہ، ملأکٌ بروزن مفعَلٌ کی جمع ہے اور یہ لأک یلأک سے نکلا ہے۔لأک بمعنی أرسَلَ استعمال ہوتا ہے اور عرب رسالہ (خط) کو "الْأَلُوكَةُ اورالْمَأْلَكَةُ اور

---

[1] ابن عباس، تنویر المقباس، ص،5

[2] درویش، إعراب القرآن وبیانہ:1/46

[3] بیضاوی، أنوار التنزیل وأسرار التأویل:1/51

[4] زبیدی، تاج العروس:2/153

[5] بقرہ:30

الْمَأْلُكَةُ" کہتے ہیں۔[1] امام شوکانی اس معنی کی تائید میں ابو عقیل لبید بن ربیعہ عامری (متوفی 661ء) کا درج ذیل شعر پیش کرتے ہیں۔

وَغُلَامٍ أَرْسَلَتْهُ أُمُّهُ ... بِأَلُوكٍ فَبَذَلْنَا مَا سَأَلْ[2]

ترجمہ و تجزیہ

بچے کو اس کی ماں نے پیغام دے کر بھیجا تو ہم نے وہ خرچ کیا جو اس نے مانگا۔ اس شعر میں لفظ الوک کا مطلب پیغام اور خط (رسالہ) ہے۔ اور اس کا قرینہ أرسلته ہے۔ یعنی غلام (لڑکے) نے سوال (حاجت) پر مبنی پیغام پہنچایا تو اس کے جواب میں فبذلنا ما سأل ذکر کیا گیا ہے۔ اور ملائکہ کا کام بھی اللہ کے احکامات کی پیغام رسانی ہے، اس لئے ان کو بھی اسی لفظ سے موسوم کر دیا گیا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ملائکہ کا لفظ لأک یلأک ألوک سے مشتق ہے اور ملأک سے جمع ہے۔ امام شوکانی نے لفظ ملائکہ کے لأک یلأک بمعنی ارسَل یرسل سے مشتق ہونے کی دوسری دلیل کے طور پر عدي بن زید (متوفی 600ء) کا درج ذیل شعر پیش کیا ہے۔

أَبْلِغِ النُّعْمَانَ عَنِّي مَأْلُكًا ... إِنَّنِي قَدْ طَالَ حَبْسِي وانتظاري[3]

ترجمہ و تجزیہ

نعمان کو میری طرف سے پیغام پہنچا دو کہ بیشک میری قید اور انتظار بہت لمبی ہو گئی ہے۔ اس شعر میں بھی شاعر نے مَأْلُكًا کو پیغام "الرسالة" کے معنی میں استعمال کیا ہے اور اس کا قرینہ ابلغ ہے۔ أبلغ یُبلغ کا مادہ پیغام پہنچانے کے معنی دیتا ہے اور عرب جب أَلِكْنِي کہتے ہیں تو اس سے مراد "کن رسولی" ہوتا ہے۔ امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ امام نیشاپوری تفسیر البسیط میں رقمطراز ہیں کہ ملائکہ جمع ہے اور اس کی واحد مَلَك ہے۔ مَلَك کی اصل مَأْلَك بروزن مَفْعَل ہے۔ اور اس کی جمع مآلِك آتی ہے۔ اصل میں ہمزہ فعل کے فاء کلمہ کی جگہ تھا اور لام عین کلمہ کی جگہ تھا پھر قلب کے قاعدہ کے تحت ہمزہ کو لام سے مؤخر کر دیا گیا۔ اور اس کی مثال وہ یہ دیتے ہیں کہ جس طرح لفظ القوس واحد ہے اور اس میں سین لام کلمہ کی جگہ ہے لیکن اس کی جمع قُسِيّ آتی ہے جس میں سین کو لام کلمہ سے بدل کر عین کلمہ کی جگہ پہ ڈال دیا گیا۔ اسی طرح مَأْلُك میں بھی ہمزہ کو فاء کلمہ سے بدل کر عین کلمہ کی جگہ پر ذکر کر دیا گیا ہے اور پھر قاعدہ تخفیف کے تحت اس کو حذف کر کے ملك بنا دیا گیا۔ عرب رسالہ یعنی خط

---

[1] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن: 1\262

[2] لَبید، دیوان لبید بن ربیعة العامري، ص91

[3] ثعالبی، لباب الآداب، ص121

کوالألوك کہتے ہیں۔اور اسی طرح أَلِكْنِي إليه کا مطلب ہوتا ہے تو میرا قاصد بن اور میرا پیغام اس تک پہنچادے۔[1] اسی طرح امام ثمر قندی بحر العلوم میں فرماتے ہیں کہ لفظ ملائکۃ جمع میں ہمزہ کے ساتھ آتا ہے اور اس کی واحد ملك بغیر ہمزہ کے آتی ہے۔کیونکہ اصل میں یہ مألك تھا پس ہمزہ تخفیفاً حذف ہو گیا۔اور یہ لفظ ألك يألك ألوكاً سے مشتق ہے اور ألوك عربی میں خط یا پیغام کو کہتے ہیں۔[2] علامہ ابن منظور افریقی فرماتے ہیں الألوك کا مطلب پیغام ہے۔اور اس کے لئے مَألُكة بروزن مَفْعُلة کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔اور اس کو الألوك کہتے ہیں کیونکہ یہ لفظ منہ میں چبایا جاتا ہے۔اور یہ عربوں کے اس قول سے مشتق ہے کہ جب گھوڑا لگام کو منہ میں چباتا ہے تو عرب بولتے ہیں" الْفَرَسُ يَأْلُكاللُّجُمَ "[3] علامہ راغب اصبہانی فرماتے ہیں ملائکہ ملك کی جمع ہے اور جمہور علماء کے نزدیک یہ الألوكة سے مشتق ہے۔[4]

﴿وقُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانی فرماتے ہیں یہاں انظر بمعنی انتظر استعمال ہوا ہے۔[6] مفسر نے اس معنی کی نظیر امرؤالقیس بن حجر الکندی (متوفی 545ء) کے قصیدہ بائیہ سے درج ذیل شعر جاہلی سے پیش کی ہے۔

فَإِنَّكُمَا إِنْ تَنْظِرَانِي سَاعَةً ... مِنَ الدّهر ينفعني لَدَى أُمِّ جُنْدَبِ[7]

ترجمہ وتجزیہ

اگر تم دونوں نے زمانے کی ایک ساعت مجھے انتظار کرنے دیا ہوتا تو ام جندب کے ہاں میں نے نفع پالیا ہوتا۔ اس شعر میں تنْظِرَانِي تثنیہ مخاطب کا صیغہ انتظار کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔اس کا قرینہ ساعت کا لفظ ہے جو وقت کی ایک مقدار کو بیان کرتا ہے اور انتظار کا تعلق وقت کے ساتھ ہے۔اس لئے یہاں دیکھنے کے معنی مراد لینا جائز نہیں ہیں۔کیونکہ وقت ایسی چیز ہے جو نظر نہیں آتی۔اور آیت کی عبارت یوں ہو گی "انتظرنا"۔اسی طرح درج ذیل اقوال

---

[1] واحدی، التَّفْسِيرُ البَسِيط:2/317

[2] سمرقندي، بحر العلوم:1/40

[3] ابن منظور، لسان العرب:10/392

[4] اصبہانی، اعراب القران، 25

[5] بقرہ:104

[6] شوکانی، فتح القدیر 1/145

[7] امرؤالقیس، دیوان امرؤالقیس، ص، 74

علماء بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ علامہ آلوسی نے نظرت الرجل کا معنی انتظرته کیا ہے۔[1] مختار الصحاح میں ہے کہ نظر کا معنی انتظار بھی ہوتا ہے۔[2] القاموس الوجیز لمعانی کلمات القرآن الکریم میں ہے کہ ما ينظر هؤلاء سے مراد انتظار ہے۔[3] امام شوکانی کا قول ثانی قاری اعمش نے اس کو ہمزہ قطعی کے ساتھ پڑھا ہے جب اس کو ہمزہ قطعی کے ساتھ پڑھیں گے تو یہ باب افعال سے فعل امر کا صیغہ بن جائے گا۔ یعنی اس کا تلفظ پھر أنظِر ظاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا جائے گا۔[4] امام شوکانی نے أنِظر بمعنی أمهل کی نظیر عمرو بن کلثوم بن مالک بن عتاب التغلبی (متوفی 584ء) کے درج ذیل شعر جاہلی سے پیش کی ہے۔

أَبَا هِنْدٍ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْنَا ... وَأَنْظِرْنَا نُخَبِّرْكَ الْيَقِينَا[5]

ترجمہ و تجزیہ

اے ابو ہند ہمارے معاملے میں عجلت سے کام نہ لے بلکہ ہمیں مہلت دے کہ ہم آپ کو یقینی خبر دیں گے۔

اس شعر میں أنظر بمعنی أمهل استعمال ہوا ہے اس کا قرینہ پہلے مصرعے میں وَلا تعجل کا لفظ ہے۔ یعنی جلدی نہ کر بلکہ مہلت اور تاخیر سے کام لے اس شعر میں اگر انظر بمعنی دکھانا لیا جائے تو شعر کا مطلب بگڑ جاتا ہے اور یہ بے معنی شعر بن جاتا ہے جو ممکن نہیں ہے۔ اصل عبارت شعر میں یوں ہوگی ”فلا تعجل علينا بل أمهلنا“ اور آیت کی عبارت یوں ہوگی "وَقولوا أمهلنا"۔ علماء کرام کے درج ذیل اقوال بھی اسی معنی پہ شاہد ہیں۔

اعراب القرآن وبیانہ میں مذکور ہے کہ قاری ہمزہ نے اس کو ہمزہ قطعی اور ظ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں اس کا مطلب ہے مہلت طلب کرنا، وقت مانگنا۔[6] المحرر الوجیز میں ہے کہ ہمزہ قطعی کے ساتھ پڑھنے کی صورت میں اس کا معنی ہوگا أخرونا۔[7] صاحب تاج العروس نے بھی أَنْظَرَ کا معنی انْتَظَرَ لکھا ہے۔ اور یہ ہمزہ قطعی

---

[1] آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی: 1/ 263

[2] رازی، مختار الصحاح 1/ 133

[3] مرزا، القاموس الوجیز لمعانی کلمات القرآن الکریم: /55

[4] شوکانی، فتح القدیر 1/ 145

[5] عمرو بن کلثوم، دیوان عمرو بن کلثوم، ص 71

[6] درویش، محی الدین بن احمد مصطفی، إعراب القرآن وبیانہ: 9/ 460

[7] عطیہ اندلسی، المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز: 5/ 262

کی صورت میں ہے۔[1] اس صورت میں اس کا معنی ہو گا ہمیں مہلت عطا فرمائیں تا کہ ہم بات سمجھ جائیں۔ آیت میں دونوں معنی لینا جائز ہیں۔

﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾[2] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

مفسر رحمتہ اللہ علیہ لفظ مقام کی تفسیر میں فرماتے ہیں لغت میں مقام کھڑے ہونے کی جگہ کو کہتے ہیں۔

نحاس[3] فرماتے ہیں کہ یہ لفظ قام یقوم سے مصدر ہے اور جگہ کے نام کے طور پر استعمال ہوتا ہے[4]۔ امام شوکانی زہیر بن ابی سلمٰی بن ربعیہ بن رباح مزنی (متوفی 609ء) کے درجہ ذیل شعر سے استشہاد کرتے ہیں۔

وفيهم مقامات حسان وجوههم ... وَأَنْدِيَةٌ يَنْتَابُهَا الْقَوْلُ وَالْفِعْلُ[5]

ترجمہ وتجزیہ

اور ان میں خوبصورت چہروں والے اہل مجالس ہیں اور ایسی مجالس ہیں جن میں اچھی بات کہی جاتی ہے اور اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ اس شعر میں لفظ مقامات استعمال ہوا ہے۔ شعر میں مقامات سے کھڑے ہونیکی جگہیں اور مجالس مراد ہیں۔ اس کی تائید میں صاحب تاج العروس علامہ زبیدی فرماتے ہیں کہ لفظ مقام میم کے ضمہ اور فتح دونوں کے ساتھ آتا ہے۔ اس کا مطلب ہے جگہ اگر اس کو "قام یقوم" سے اسم ظرف مانا جائے تو یہ میم مفتوح کے ساتھ آئے گا اور اس کو أَقَامَ يُقِيمُ سے اسم ظرف مانا جائے تو یہ میم کے ضمہ کے ساتھ آئے گا۔ اور بطورِ مجاز مقامہ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں قوم جمع ہوتی ہے اور اس کی جمع مقامات آتی ہے۔[6]

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾[7] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

صاحب تفسیر لفظ قرآن کی تشریح میں فرماتے ہیں لفظ قرآن کی اصل کے بارے میں دو مشہور اقوال

---

[1] زبیدی، تاج العروس: 7/542

[2] بقرہ: 125

[3] احمد بن ابراہیم بن محمد، ابوزکریا، محی الدین الدمشقی، پھر الدمیاطی، ابن النحاس کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ مجاہد اور شافعی فقہی ہیں، دمشق میں پیدا ہوئے، اور تیمور کے دنوں میں مصر کا سفر کیا اور فرنگیوں کے ساتھ جنگ میں شہید ہو گئے دمیاط میں دفن کیا گیا۔ آپ کا سن وفات 814 ہجری بمطابق 1411 عیسوی ہے۔ آپ کی تصانیف میں المغنم فی الورد العظام شامل ہے۔ 1/87

[4] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن: 2/112

[5] دینوری، الشعر والشعراء، ص150

[6] زبیدی، تاج العروس: 17/593

[7] بقرہ: 185

ہیں۔ قول اوّل یہ کہ لفظ قرآن کلام اللہ کا اسم ہے اور مقروء کے معنی میں ہے جس طرح مشروب کو شراب اور مکتوب کو کتاب کا نام دیا جاتا ہے۔ یعنی جیسے شراب بول کر مشروب مراد ہوتا، کتاب بول کر مکتوب مراد ہوتا ہے بلکل اس طرح قرآن بول کر مقروء یعنی پڑھایا گیا یا پڑھی جانے والی تحریر یا کتاب مراد ہے۔ دوسرا قول اس بارے میں یہ ہے کہ لفظ قرآن "قرأیقرأ" کا مصدر ہے۔[1] امام شوکانی نے لفظ قرآن کے مصدر ہونے کی دلیل حضرت حسان بن ثابت بن منذر بن حرام (متوفی 647ء) کے درج ذیل شعر جاہلی سے پکڑی ہے۔

ضَحَّوْا بِأَشْمَطَ عُنْوَانُ السُّجُودِ بِهِ ... يَقْطَعُ اللَّيْلَ تَسْبِيحًا وَقُرْآنًا[2] أَيْ قِرَاءَةً

اسی سے یہ آیت بھی ہے کہ ﴿وَقُرْآنَ الْفَجْرِ﴾[3] أَيْ قِرَاءَةَ الْفَجْرِ- یہاں قرآن کا لفظ قراۃ کے معنی میں ہے اور بطور "قرأ يقرأ" کا مصدر استعمال ہوا ہے۔

ترجمہ و تجزیہ

انہوں نے صبح کی سر کے سفید بالوں کے ساتھ اور سجدوں کے اعضاء کے ساتھ وہ رات کاٹتا ہے تسبیح اور قرات کرتے ہوئے۔ شعر کے آخر میں لفظ قرانًا استعمال ہوا ہے یہاں قرأت یعنی تلاوت کرنے یا پڑھنے کے معنی میں ہے کیونکہ اس سے پہلے لفظ تسبیح ہے یہ سبح يسبح تسبيحًا باب تفعیل سے مصدر ہے تو مصدر کا عطف مصدر پر ہی کیا جاتا ہے۔ اس قاعدہ کی رو سے قرانًا کا لفظ بھی یہاں پر بطور مصدر استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح درج ذیل اقوال علماء بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ صاحب تفسیرُ البسیط کا قول ہے کہ "إنه مصدر القراءة"-[4] الجامع لاحکام القران کے مصنف لکھتے ہیں کہ "هُوَ مَصْدَرُ قَرَأَ يَقْرَأُ قِرَاءَةً وَقُرْآنًا"[5]

﴿وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

یہ ثَقِفَ يَثْقَفُ ثَقفًا سے ماخوذ ہے۔ اسی طرح "رَجُلٌ ثَقِيفٌ" کا محاورہ بھی کلام عرب میں استعمال ہوتا ہے ۔"رَجُلٌ ثَقِيفٌ" اس آدمی کو کہا جاتا ہے جسکی اپنے متعلقہ امور پر گرفت مضبوط ہو۔[7]

---

[1] ۔شوکانی، فتح القدیر: 1/210

[2] حسان، دیوان حسان بن ثابت، ص224

[3] اِسراء: 78

[4] واحدی، التَّفْسِيرُ البَسِيط: 3/357

[5] قرطبی، الجامع لاحکام القران: 2/297

[6] بقرہ: 191

[7] شوکانی، فتح القدیر: 1/219

صاحب کشاف نے لکھا ہے کہ ثقف کا مطلب ہے گرفت اور غلبہ کے اعتبار سے موجود ہونا ہے۔ اور ایک محاورہ رَجُلٌ ثَقَفٌ بھی ہے یعنی ایسا آدمی جو جلدی گرفت میں لینے والا ہو۔[1] اس معنی کی نظیر امام شوکانی نے حضرت حسان بن ثابت بن منذر بن حرام (متوفی 647ء) کے درج ذیل شعر جاہلی سے پیش کی ہے۔

فَإِمَّا يَثْقَفَنَّ بَنِي لُؤَيٍّ ... جَذِيمَةُ إِنَّ قَتْلَهُمْ شِفَاءُ[2]

ترجمہ و تجزیہ

بنی لوی نے بنی جذیمہ (دو عرب قبائل) پر غلبہ حاصل کر لیا تو پھر ان کو قتل کرنا ہی دواء یعنی مسئلہ کا حل ہے۔ لفظ یثقفنَّ، ثقف یثقف سے فعل مضارع معروف بنون تاکید ثقیلہ سے واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اور یہاں پر یہ پکڑ اور غلبہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ علماء کرام کے درج ذیل اقوال بھی اسی معنی پہ شاہد ہیں۔ ابن منظور کے نزدیک "رَجُلٌ ثَقْفٌ" سے مراد إِذَا كَانَ ضابِطاً لِمَا يَحْوِيه قَائِمًا بِهِ اور ثَقِفْتُه إِذَا ظَفِرْتَ بِهِ ہے۔[3] تفسیر فتح الرحمن فی تفسیر القرآن میں ہے کہ "أصلُ الثقافة الحذقُ في إدراكِ الشيءِ وفعله۔"[4] آیت کا مفہوم یہ ہو گا کہ جب تم کفار پر اپنی پکڑ مضبوط کر لو تو پھر ان کو قتل کرو۔

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

"اللغو "لغا يلغوا لغواًاورلغى يلغى لغياً سے مصدر ہے یعنی باب نصر ینصر سے ناقص واوی ہے اور ضرب یضرب سے ناقص یائی آتا ہے۔ اس سے مراد وہ کلام ہے جس سے کوئی دلیل نہ پکڑی جائے یا وہ کلام جس میں کوئی بھلائی نہ ہو۔ یعنی وہ ساقط کلام مراد ہے جو کسی شمار میں نا ہو۔ پس یمین لغو سے مراد وہ قسم ہے جس کو کسی شمار میں نہیں لایا جاتا اور اسی سے ایک ترکیب بولی جاتی ہے کہ اللغوفی الدية سے مراد اونٹ کا وہ چھوٹا بچہ ہے جو دیت میں شمار نہیں کیا جاتا۔[6] اس معنی کی دلیل صاحب تفسیر نے ع أبو الشعثاء عبد الله بن رؤبة بن لبيد بن صخر السعدي التميمي المعروف عجاج کے درجہ ذیل شعر جاہلی سے پکڑی ہے۔

---

[1] زمخشری، کشاف: 1/ 236

[2] حسان، دیوان حسان بن ثابت، ص 21

[3] ابن منظور، لسان العرب: 9/ 20

[4] مقدسی، فتح الرحمن في تفسير القرآن: 1/ 270

[5] بقرہ: 225

[6] شوکانی، فتح القدیر: 1/ 263

وَرُبَّ أَسْرَابِ حَجِيجٍ كُظَّمٍ ... عَنِ اللَّغَا ورفث التّكلّم [1]

ترجمہ و تجزیہ

پرندوں کے شور و غل کرنے والے اکثر جھنڈ بے مقصد اور بے ہودہ گفتگو سے خاموش ہیں۔ اس شعر میں "اللَّغَا" لغو کی طرح مصدر ہے یہ بھی لغا یلغوا سے آتا ہے۔ اور "کظم عن اللغا" سے مراد یہ ہے کہ وہ ساقط اور بے ہودہ چیز جس کے بارے میں گفتگو نہیں کرتے۔ امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ صاحب تفسیر بغوی فرماتے ہیں کہ اللغو كل ساقط مُطْرَحٍ مِنَ الْكَلَامِ لَا يُعْتَدُّ بِهِ[2] اور صاحب لسان العرب فرماتے ہیں کہ اللَّغْو واللَّغا السَّقَط وَمَا لَا يُعتدّ بِهِ مِنْ كَلَامٍ وَغَيْرِهِ وَلَا يُحصَل مِنْهُ عَلَى فَائِدَةٍ ولا نَفْعٍ[3]

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ ﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

"بِطَانَةً" مصدر ہے یہی لفظ جمع اور واحد دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے اور "بِطَانَة الرجل" سے مراد ہے آدمی کی خاص چیز ہے۔ اور اس کی اصل بطن ہے یعنی پیٹ جو کہ پیٹھ کے مقابلے میں ہوتا ہے۔ اور "بطن فلان بفلان" کا مطلب فلاں، فلاں کا خاص آدمی ہے۔ یہ لفظ "بطن يبطن بطونا و بطونة" سے آتا ہے۔[5] بطانۃ مصدر بمعنی خاص اور قرب کی دلیل کے طور پر امام شوکانی نے درج ذیل شعر پیش کیا ہے۔

وَهُمْ خُلَصَائِي كُلُّهُمْ وَبِطَانَتِي ... وَهُمْ عَيْبَتِي مِنْ دُونِ كُلِّ قَرِيبِ[6]

ترجمہ و تجزیہ

وہ سب میرے نجات دہندہ اور معتمد ہیں اور وہ ہر رشتہ دار سے بڑھ کر میری خامی ہیں۔ اس شعر میں لفظ "بطانة" مصدر ہے اور خصوصی اور قریبی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ آیت میں بھی یہی معنی مراد ہے۔

---

[1] عجاج، دیوان عجاج 1/ 456

[2] بغوی، تفسیر البغوي:1/ 295

[3] ابن منظور، لسان العرب:15/ 250

[4] ال عمران:118

[5] شوکانی، فتح القدیر:1/ 430

[6] ایضا:6/ 150 (مجہول شعر ہے۔)

﴿إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَى أَحَدٍ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

"تُصْعِدُونَ" باب افعال سے جمع مذکر مخاطب کا صغیہ ہے۔اکثر قراء نے اس کو باب سمع یسمع سے تصعدون پڑھا ہے۔ اور بعض نے یصعدون یعنی جمع مذکر غائب کا صغیہ پڑھا ہے۔اصعاد جب یہ باب افعال سے آئے تو اس کا مطلب ہوتا ہے ہموار زمین اور وادیوں کے درمیان گھومنا اور الصعود جب یہی مادہ ثلاثی مجرد سے آئے تو مطلب ہوتا ہے پہاڑ وغیرہ پر چڑھنا یا بلند ٹیلوں پر چڑھنا۔ پس یہ احتمال بھی موجود ہے (اہل احد) وادی میں گھومنے کے بعد پہاڑ پر چڑھے ہوں۔ اس صورت میں دونوں معنی درست ہیں دونوں قراتوں کی بناء پر۔ اور امام موصوف کہتے ہیں کہ اصعد کا معنی ہے وہ بہت دور چلا گیا۔[2] امام شوکانیؒ نے اس معنی کی دلیل میں میمون بن قیس بن جندل بن شراحیل بن عوف بن سعد بن ضُبیعہ المعروف اعشی قیس (متوفی 629ء) کا درج ذیل شعر پیش کیا ہے۔

أَلَا أَيُّهَذَا السَّائِلِي أَيْنَ أَصْعَدَتْ ... فَإِنَّ لَهَا مِنْ بَطْنِ يَثْرِبَ مَوْعِدَا[3]

ترجمہ وتجزیہ

اے سائل تو کہاں چلا گیا بے شک یثرب میں اس کے لیے وعدہ کی جگہ ہے۔اس شعر میں اصعدت، باب افعال سے ماضی ہے اور اس کا معنی "ذهبت بعيدا" ہے۔ درج ذیل اقوال علماء بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ امام ابن منظور فرماتے ہیں کہ الإِصْعادُ الذَّهابُ فِي الأَرض[4] امام راغب فرماتے ہیں کہ والإصعاد الإبعاد في الأرض، سواء كان في صعودٍ أو حدورٍ[5] دونوں نے اسکو باب افعال سے ذکر کیا ہے اور اس کا مطلب دور جانا کیا ہے۔

﴿لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

يَتَضَرَّعُونَ کا صیغہ الضراعۃ مصدر سے مشتق ہے اور اس کا مطلب ہے ذلت، عاجزی۔ اسی سے بولا جاتا ہے ضَرَعَ فهو ضارع جب کوئی انکساری کرے یا ذلت اٹھائے۔[7] اس معنی کا استدلال ابو عقیل لبید بن ربیعہ عامری (متوفی

---

[1] ال عمران:153

[2] شوکانی، فتح القدیر:1/447

[3] اعشی قیس، دیوان الاعشی، ص42

[4] ابن منظور، لسان العرب:3/253

[5] راغب اصفہانی، تفسیر الراغب اصفہانی:3/918

[6] انعام:42

[7] شوکانی، فتح القدیر:2/132

661ء) کے درج ذیل جاہلی شعر سے کیا گیا ہے۔

لِيَبْكِ يَزِيدَ ضَارِعٌ لِخُصُومَةٍ ... وَمُخْتَبِطٌ مِمَّا تُطِيحُ الطَّوَائِحُ[1]

ترجمہ و تجزیہ

یزید نے ذلت و انکساری کے ساتھ دشمن کو پکارا۔ وہ اکھاڑ دینے والے حوادثات سے الجھن میں ہے۔ اس شعر میں ضارع کا لفظ الضراعۃ مصدر سے مشتق ہے اور ذلت اور انکساری کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح آیت میں بھی یتضرعون سے ذلت و انکساری ہی مراد ہے۔ مفردات القرآن میں ضرع بمعنی ضعف استعمال ہوا ہے۔ ضرع الرجل ضراعة یعنی ضعف وذل[2] روح المعانی میں اس کا مطلب لکی یتذللوا بیان کیا گیا ہے أي لكي يتذللوا[3]

﴿وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

قاسم کا مطلب ہے اس نے شدت سے قسم کھائی۔ قاسم باب مفاعلہ سے ماضی کا صیغہ ہے اور بمعنی خلف استعمال ہوا ہے وَالْمُرَادُ بالمفاعلة هُنَا الْمُبَالَغَةُ۔[5] مفسر نے اس کی دلیل میں خالد بن زہیر (654ء) کا درجہ ذیل شعر وارد کیا ہے۔

وقاسمها بِاللَّهِ جَهْدًا لَأَنْتُمَا ... أَلَذُّ مِنَ السَّلْوَى إِذَا ما نُشُورُهَا[6]

ترجمہ و تجزیہ

ان دونوں کے پاس اللہ کی قسمیں بڑی شدت سے کھائیں۔ کہ تم دونوں پھل سے بھی میٹھے ہو جب وہ توڑنے کے پک جائے۔ اس شعر میں بھی قاسم باب مفاعلہ بمعنی شدت سے قسم کھانا استعمال ہوا ہے پس آیت میں بھی یہ معنی مراد لیا جاسکتا ہے۔

تفسیر بحر المدید میں ہے ابلیس کی قسم کو باب مفاعلہ کے ساتھ مبالغہ کی وجہ سے ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس نے بہت زور دیا تھا وذكر قَسَم إبليس بصيغة المفاعلة التي تكون بين اثنين مبالغة لأنه اجتهد فيه[7] یہی بات

[1] لَبید، دیوان لبید بن ربیعة العامري، ص362
[2] راغب اصفہانی، المفردات في غریب القرآن، ص295
[3] آلوسی، روح المعاني في تفسیر القرآن العظیم والسبع المثاني: 4/143
[4] اعراف: 21
[5] شوکانی، فتح القدیر: 2/222
[6] جوزی، جمال الدین أبو الفرج عبد الرحمن بن علي بن محمد، أخبار نساء (بیروت: دار مکتبة الحیاة 1982)، ص153
[7] فاسی صوفی، البحر المدید في تفسیر القرآن المجید: 2/206

تفسیر کشاف میں بھی ہے کہ ابلیس کی قسم کو باب مفاعلہ کے ساتھ ذکر کرنے کی وجہ اس کا قسم کھانے میں بہت کوشش کرناہےأخرج قسم إبليس على زنة المفاعلة، لأنه اجتهد فيه اجتهاد المقاسم[1]

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ﴾[2] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

الاستجابۃ بمعنی الطاعۃ استعمال ہوا ہے۔ ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ یہاں استجیبوا بمعنی اجیبوا ہے یعنی باب استفعال باب افعال کی جگہ استعمال ہوا ہے۔ اگرچہ استجاب لام حرف جر کے ساتھ متعدی ہوتا ہے اور اجاب بغیر لام کے متعدی ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔﴿يا قَوْمَنا أَجِيبُوا داعِيَ اللَّهِ﴾[3]لیکن کبھی کبھار استجاب جب اجاب کے معنی میں ہو تو بنفسہ بھی متعدی ہوتا ہے۔[4]جیسا کہ طرفہ بن العبد (متوفی 569ء) کے اس شعر میں ہے۔

وَدَاعٍ دَعَا يَا مَنْ يُجِيبُ إِلَى النَّدَى ... فَلَمْ يَسْتَجِبْهُ عِنْدَ ذَاكَ مُجِيبُ[5]

ترجمہ وتجزیہ

اور ندا دینے والے نے ندا دی کہ اے وہ جو مجلس میں آنے کی دعوت قبول کرتا ہے تو وہاں سے کسی جواب دینے والے نے اس کا جواب نہ دیا۔ دوسرے مصرعہ میں يَسْتَجِبْهُ، يجبه کے معنی میں استعمال ہوا ہے اسی لئے بنفسہ متعدی ہے اور اسکو لام کی ضرورت نہیں ہے۔ البحر المدید میں بھی الاستحابہ بمعنی الاجابۃ مذکور ہے۔ اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ أي أجيبوه[6]

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى﴾[7] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

أَسْرَى اسیر کی جمع ہے جیسے قتلی قتیل کی جمع ہے اور جرحی، جریح کی جمع ہے اور اسیر کی جمع اساری بھی آتی ہے اور یہ الاسر سے ماخوذ ہے۔ الاسر کا مطلب ہے القد یعنی رسی یا پھندہ جس کے ساتھ کسی چیز کو باندھا جاتا ہے کیونکہ ہر قیدی کو اسی رسی کے ساتھ باندھا جاتا تھا اس لئے اس کو اسیر کا نام دے دیا گیا اگرچہ اس کو کوتھا دے دیا گیا اگرچہ اس کو رسی

---

[1] زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل:2/95

[2] انفال:24

[3] احقاف:31

[4] شوکانی، فتح القدیر:2/342

[5] أبو الخطاب القرشی، أبوزید محمد، جمہرۃ اشعار العرب، ص558

[6] جزائری، البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید:2/318

[7] انفال:67

کے ساتھ نا بھی باندھا گیا ہو۔[1] جیسا کہ اعشی قیس (متوفی 629ء) کا مشہور شعر جاہلی ہے۔

وقیّدني الشّعر في بيته ... كما قيّد الْأَسَرَاتُ الْحِمَارَا[2]

ترجمہ و تجزیہ

شعر نے مجھے اس کے گھر میں ایسے روک، قید کر دیا جیسے رسیوں کے ساتھ گدھوں کو باندھا جاتا ہے۔ الْأَسَرَاتُ پہلے کا لفظ اسر کی جمع ہے اور رسیوں اور پھندوں کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ پس معلوم ہوا الاسر کا حقیقی معنی رسی ہے لیکن اس کا اطلاق اس رسی سے بندھی چیز پر بھی ہوتا ہے۔ اس طرح تفسیر ایسر التفاسیر میں لکھا ہے کہ اسری اسیر کی جمع ہے اسیر وہ ہے جو جنگی قیدی ہو اور عادۃ اسکو رسیوں سے باندھا جاتا تھا پس اس وجہ سے ہر جنگی قیدی پر اسیر کا اطلاق کر دیا گیا۔ أسرى جمع أسير وهو من أخذ في الحرب يشد عادة بإسار وهو قيد من جلد فأطلق لفظ الأسير على كل من أخذ في الحرب.[3] وَكَانُوا يَشُدُّونَ الْأَسِيرَ بِالْقَدِّ وَهُوَ الْإِسَارُ، فَسُمِّيَ كُلُّ أَخِيذٍ وَإِنْ لَمْ يُؤْسَرْ أَسِيرًا[4] یعنی قیدی کو رسیوں سے باندھا جاتا تھا پس ہر قیدی پر اسیر کا اطلاق ہو گیا اگرچہ اس کو نہ ہی باندھا گیا ہو۔

﴿وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

مرصد، رصد يرصد رصدا سے اسم ظرف کا صغیہ ہے اس کا مطلب ہے وہ جگہ جہاں دشمن کے لئے گھات لگا کر بیٹھا جاتا ہے۔ عرب کہاوت ہے رصد فلانا أَرْصُدُهُ، أَيْ رَقَبْتُهُ۔ یعنی ان کے لئے ایسی جگہوں پر بیٹھو جہاں سے ان کو تاڑ سکو یا نشانہ بنا سکو۔[6] اس کی نظیر عامر بن طفیل (متوفی 630ء) کا درج ذیل شعر جاہلی ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُ وَمَا إِخَالُكَ عَالِمًا ... أَنَّ المنيّة للفتى بالمرصد[7]

ترجمہ و تجزیہ

اور میں جانتا تھا، لیکن مجھے نہیں لگتا تھا کہ آپ جانتے ہیں۔ بے شک نوجوانوں کی موت گھات والی جگہ پہ ہے (میدان جنگ) اسی طرح شاعر عدي بن زید (متوفی 600ء) کہتا ہے۔

---

[1] شوکانی، فتح القدیر: 2/371

[2] اسد، مصادر الشعر الجاهلي، ص 324 الاعشی

[3] جزائری، أیسر التفاسیر لكلام العلي الكبير: 2/328

[4] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن: 8/45

[5] توبہ: 5

[6] شوکانی، فتح القدیر: 2/385

[7] ایضا: 6/111

أَعَاذِلَ إِنَّ الْجَهْلَ مِنْ لَذَّةِ الْفَتَى ... وَإِنَّ المنايا للنفوس بمرصد[1]

بے شک لوگوں کی موت کا سامان گھات لگائی ہوئی جگہوں پہ ہے۔ دونوں اشعار میں المرصد اسم ظرف کا صیغہ ہے اور اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں دشمن گھات لگا کر بیٹھا ہوا ہوتا ہے۔ مدمقابل کو قتل کے لئے۔ اس طرح آیت میں بھی یہی مفہوم مراد ہے کہ کفار کے لئے ہر گھات لگانے والی جگہ پر بیٹھو اور ان کو قتل کرو۔ تفسیر الوسیط میں ہے کہ مرصد اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں دشمن کی تاڑ میں گھات لگا کر بیٹھا جاتا ہےوالمرصد الموضع الذي يقعد فيه للعدو لمراقبته[2]لسان العرب کے مطابق المرداد کا معنی راستہ ہے۔ والمِرْصادُ عِنْدَ الْعَرَبِ الطَّرِيقُ؛

﴿وَجَاءَ الْمُعَذِّرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

لفظ المعذرون ذال کی تشدید کے ساتھ ہے اس میں رائج قول یہی ہے کہ اس کی اصل المعتذرون ہے۔ پس قاعدہ صرفی کے تحت تاء کو ذال میں مدغم کر دیا گیا اور ذال پر شد آگئی اور المعذرون سے مراد وہ لوگ ہیں جنکا کوئی عذر ہو[4]۔ اس سلسلے میں شاعر ابو عقیل لبید بن ربیعہ عامری (متوفی 661ء) کا قول ہے کہ

إِلَى الْحَوْلِ ثُمَّ اسْمُ السَّلَامِ عَلَيْكُمَا ... وَمَنْ يَبْكِ حَوْلًا كَامِلًا فَقَدِ اعْتَذَرْ[5]

ترجمہ و تجزیہ

ایک سال تک انتظار کیا، پھر اس نے کہا سلامتی ہو تم دونوں پر۔ جو پورا سال رویا تحقیق اس نے حقیقی معنی میں معذرت کی۔ اس شعر میں لفظ اعتذر باب افتعال سے ماضی کا صغیہ ہے اور اس کا مطلب عذر پیش کرنا ہے۔ پس معلوم ہوا المعذرون جسکی اصل المعتذرون ہے اسی باب سے ہے۔ ایسر التفاسیر اور مختار الصحاح دونوں میں بالترتیب اس کی اصل المعتذرون ہی لکھی ہوئی ہے۔أي المعتذرون[6] هُوَ فِي الْمَعْنَى الْمُعْتَذِرُ[7]

---

[1] عبادی، محمود حسن عمر جودۃ، عوارض التركيب في مجمهرۃ عدي بن زید عبادی (2015-2016ء)، ص22

[2] مجموعة من العلماء، التفسير الوسيط للقرآن الكريم:6/207

[3] توبہ:90

[4] شوکانی، فتح القدير:2/445

[5] لَبید، دیوان لبيد بن ربيعة العامري، ص51

[6] جزائری، أيسر التفاسير لكلام العلي الكبير:2/409

[7] رازی، مختار الصحاح، ص203

﴿قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَحِمَ ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

مفسرین نے لکھاہے کہ اس آیت میں استثناء متصل کے طور پر پڑھنا بھی جائز ہے۔ اس معنی میں کہ عاصم بمعنی معصوم کے استعمال ہو یعنی اسم فاعل اسم مفعول کی جگہ استعمال ہو یعنی لا معصوم اليوم من امر الله الا من رحمہ۔[2]

اسی طرح ماءدافق بمعنی مدفق ہے۔﴿خُلِقَ مِنْ مَاءٍ دَافِقٍ﴾[3]﴿عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ﴾[4]اصل میں عیشہ مرضیہ ہے۔ جرول بن اَوس بن مالک اَبو ملیکۃ العبسیالمعروف الحطیئۃ (متوفی 674ء) کے درج ذیل شعر جاہلی میں بھی اس کی دلیل موجود ہے۔

دع المكارم لا ترحل لبغيها... وَاقْعُدْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الطَّاعِمُ الْكَاسِي[5]

ترجمہ و تجزیہ

اچھائی کو چھوڑ اس کی بغاوت کی وجہ سے نہ جا اور بیٹھ بے شک تو ہی وہ ہے جس کو بھرا ہو برتن کھلایا جائے گا۔ امام شوکانی فرماتے ہیں اصل میں انت المعطم المكسو ہے۔ یعنی اسم فاعل اسم مفعول کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ پس آیت میں بھی عاصم بمعنی معصوم استعمال ہوا ہے۔ تفسیر البحر المدید نے اسکو استثناء متصل بیان کیا ہے اور عاصم بمعنی معصوم لیاہے۔ فلا معصوم إلا من رحمه الله. فالاستثناء حينئذٍ متصل[6] صاحب تفسیر رازی کا خیال بھی یہی ہے کہ یہاں عاصم بمعنی معصوم ہے۔ وَهُوَ أَنَّ الَّذِي رَحِمَهُ اللَّهُ مَعْصُومٌ[7]

﴿فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْلِ﴾[8] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام نافع اور ابن کثیر نے اس کو وصل کے ساتھ پڑھاہے یعنی فاسر ہمزہ کو نہیں پڑھا۔ اس صورت میں یہ

---

[1] (هود:43)

[2] شوکانی، فتح القدیر:2/567

[3] طارق:6

[4] حاقۃ:21

[5] حطیئۃ، دیوان الحطیئۃ، ص206

[6] فاسی صوفی، البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید:2/530

[7] رازی، مفاتیح الغیب:17/352

[8] هود:81

سرٰی یسری یعنی باب ضرب یضرب ثلاثی مجرد سے فعل امر کا صیغہ ہو گا۔ باقی قراء اور اہل لغت نے اسکو ہمزہ قطعی کے ساتھ پڑھاہے جس طرح کہ آیت میں معروف قرات ہے اس صورت میں اسری یسری باب افعال ثلاثی مزید فیہ سے فعل امر کا صیغہ ہے۔ اور امام شوکانی فرماتے ہیں کہ یہدونوں لغتیں فصیح ہیں۔[1] اللہ تعالٰی نے فرمایا﴿والليل اذا يسر﴾[2]۔ اور دوسری جگہ فرمایا﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى﴾[3]

جیسا کہ حضرت حسان بن ثابت بن منذر بن حرام (متوفی 647ء) کا درجہ ذیل شعر اس کا شاہد ہے۔

حَيُّ النّضيرة ربّة الخدر ... أسرت إليك وَلَمْ تَكُنْ تَسْرِي[4]

ترجمہ و تجزیہ

حی النضیرہ، بے حسی کی دیوی ہے۔ میں آپ کی طرف چلا لیکن ہو آپ نہیں چلیں۔ اس شعر میں شاعر نے دونوں لغتوں ثلاثی مجرد اور مزید فیہ کو جمع کر دیا۔ مطلب ہے کہ دونوں لغتیں فصیح ہیں اور کلام عرب میں متداول ہیں اسی لئے قرآن نے دونوں کو استعمال فرمایاہے۔ تفسیر کشاف اور مفاتیح الغیب نے بھی بالترتیب یہ دونوں لغتیں ذکر کی ہیں۔فأسر، بقطع الهمزة ووصلها، من أسرى وسرى[5] فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ قَرَأَ نَافِعٌ وَابْنُ كَثِيرٍ فَاسْرِ مَوْصُولَةً وَالْبَاقُونَ بِقَطْعِ الْأَلْفِ وَهُمَا لُغَتَانِ[6]۔

﴿أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ﴾[7] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

اسکو جمع متکلم کے صغیہ کے ساتھ رتع یرتع سے نرتع پڑھا گیاہے۔ یہ عربوں کے درجہ ذیل قول سے ماخوذ ہے عرب رتع الانسان اوالبعیر کا مطلب لیتے ہیں وہ جہاں سے چاہے کھائے[8] اس معنی کا استشہاد حضرت خنساء، تماضر بنت عمرو السلمیہ (متوفی 645ء) کے درج ذیل شعر سے ہے۔

تَرْتَعُ مَا رَتَعَتْ حَتَّى إِذَا ادَّكَرَتْ ... فَإِنَّمَا هِيَ إِقْبَالٌ وَإِدْبَارُ[9]

---

[1] شوکانی، فتح القدیر:2/584

[2] فجر:3

[3] إسراء:1

[4] حسان، دیوان حسان بن ثابت، ص104

[5] زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل:2/583

[6] رازی، مفاتیح الغیب:18/381

[7] یوسف:12

[8] شوکانی، فتح القدیر:3/12

[9] خنساء، دیوان الخنساء ص46

مذکورہ بالا قول اہل بصرہ، شام[1] اور مکہ[2] کا ہے

ترجمہ و تجزیہ

آپ کھاتے پیتے رہے جہاں سے آپ نے چاہا یہاں تک کہ جب بھی آپ کو یاد کیا جاتا تو آپ کا آنا اور جانا یاد آتا ہے۔ اس شعر میں شاعرہ نے ترتع، ارتعت کو آزادی سے اور وسعت سے کھانے پینے اور پھرنے کے معنی میں لیا ہے۔ پس معلوم ہوا رتع یرتع آزادی سے کھانے پینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح ایسر التفاسیر نے بھی اس کا معنی کھانا پینا بیان کیا ہے۔ أي يأكل ويشرب[3] لسان العرب میں بھی یہ کھانے کے معنی میں ہی لیا گیا ہے۔
مَعْنَى يَرتَع، يأْكل[4]

﴿الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

حصحص اصل میں حصص ہے اس کو حصحص اس طرح پڑھا گیا ہے جس طرح کبو کو ﴿فكبكبوا﴾[6] پڑھا گیا ہے۔ امام زجاج کہتے ہیں کہ الحص کا اصل معنی ہے استئصال الشئی یعنی کسی چیز کا پہنچ جانا عرب میں حص شعرہ کی کہاوت اس وقت استعمال ہوتی ہے جب بڑھاپا پہنچ جائے۔[7] ابو قیس بن الاسلت (متوفی 622ء) اس کی تائید اس طرح کرتا ہے۔

قَدْ حَصَّتِ الْبَيْضَةُ رَأْسِي فَمَا ... أَطْعَمُ نَوْمًا غَيْرَ تَهْجَاعِ[8]

ترجمہ و تجزیہ

تحقیق سفیدی (بڑھاپا) میرے سر تک پہنچ چکا ہے اب میں سوائے ہلکی سی نیند کے نیند کی طمع ہی نہیں کرتا۔

---

[1] شام کا سرکاری نام شامی عرب جمہوریہ ہے۔ یہ ایک مغربی ایشیائی ملک ہے جو مشرقی بحیرہ روم اور لیونٹ میں واقع ہے۔ اس کے مغرب میں بحیرہ روم، شمال میں ترکی، مشرق اور جنوب مشرق میں عراق، جنوب میں اردن اور جنوب مغرب میں اسرائیل اور لبنان ہیں۔ https://ur.wikipedia.org/wiki اخذ شدہ بتاریخ 19 اگست، 2023

[2] مکہ یا مکہ مکرمہ تاریخی خطہ حجاز میں سعودی عرب کے صوبہ مکہ کا دار الحکومت اور مذہب اسلام کا مقدس ترین شہر ہے۔ شہر کی آبادی 2004ء کے مطابق 12 لاکھ 94 ہزار 167 ہے۔ مکہ جدہ سے 73 کلو میٹر دور وادی فاران میں سطح سمندر سے 277 میٹر بلندی پر واقع ہے۔ یہ بحیرہ احمر سے 80 کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ https://ur.wikipedia.org/wiki اخذ شدہ بتاریخ 19 اگست، 2023

[3] جزائری، أيسر التفاسير لكلام العلي الكبير: 2/597

[4] ابن منظور، لسان العرب: 8/112

[5] یوسف: 51

[6] شعراء: 94

[7] شوکانی، فتح القدیر: 3/41

[8] اندلسی، أبو عبيد عبد الله بن عبد العزيز بن محمد البكري، فصل المقال في شرح كتاب الأمثال (بیروت: مؤسسة الرسالة 1971ء)، ص 477

اس شعر میں حصّت البیضۃ اصل میں حصصت تھا اس کا مطلب ہے استصلت البیضۃ یعنی بڑھاپا آن پہنچا ہے۔ لسان العرب نے اس کا معنی حق کو چھپانے کے بعد اسکو ظاہر کرنا کیا ہے۔[1] والحَصْحَصَةُ بيانُ الحَقِّ بَعْدَ كِتْمانِهِ[2] جبکہ مختار الصحاح میں اس کا معنی واضح ہونا اور ظاہر ہونا لکھا ہے۔(حَصْحَصَ) الشَّيْءُ بَانَ وَظَهَرَ[3] پس آیت میں استصل اور ظہر الحق معنی مراد لیا جاسکتا ہے کہ اب حق آن پہنچا اور ظاہر ہو گیا۔

﴿تَاللَّهِ تَفْتَأُ﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

تَفْتَأُ واحد مذکر مخاطب کا صغیہ ہے۔ اس کی ماضی دو طرح سے آتی ہے۔فَتِئَ اور فَتَأَ۔[5] اس کی دلیل ابو شُرَیح اَوس بن حَجَر (متوفی 625ء) کا درج ذیل شعر میں ہے۔

فَمَا فَتِئَتْ حَتَّى كَأَنَّ غُبَارَهَا ... سُرَادِقُ يَوْمٍ ذِي رِيَاحٍ تُرْفَعُ[6]

ترجمہ و تجزیہ

یہاں فتئتُ ماضی کا صغیہ ہے برزون سمعت استعمال ہوا ہے۔ تفسیر رازی نے بھی ان دولغتوں کا ذکر کیا ہے۔
مَا فَتِيتُ وَمَا فَتِئْتُ لُغَتَانِ[7]

﴿وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ﴾[8] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام کسائی فرماتے ہیں کہ سارب اسم فاعل کا صغیہ ہے سرب یسرب سربا سروبا سے ہے سرب بمعنی ذھب استعمال ہوتا ہے۔[9] اس معنی کا استشہاد اخنس بن شھاب التغلبي (متوفی 555ء) کے درج ذیل شعر جاہلی سے ہے۔

وَكُلُّ أُنَاسٍ قَارَبُوا قَيْدَ فَحْلِهِمْ ... وَنَحْنُ خَلَعْنَا قَيْدَهُ فَهُوَ سَارِبُ[10]

---

[1] جزائری، أيسر التفاسير لكلام العلي الكبير: 620/2
[2] ابن منظور، لسان العرب: 16/7
[3] رازی، مختار الصحاح، ص 74
[4] یوسف: 85
[5] شوکانی، فتح القدیر: 58/3
[6] اوس بن حجر، دیوان اوس بن حجر، ص 59
[7] رازی، مفاتیح الغیب: 499/18
[8] رعد: 10
[9] شوکانی، فتح القدیر: 83/3
[10] اندلسی، أبو عبید عبد اللہ بن عبد العزیز بن محمد البكري، سمط اللآلي في شرح أمالي القالي (بیروت: دار الکتب العلمیة)، 868/1

ترجمہ و تجزیہ

اس شعر میں سارب، سرب یسرب سے اسم فاعل کا صغیہ ہے اور بمعنی ذاھب استعمال ہوا ہے۔ لسان العرب اور الصحاح کے مؤلفین بھی بالترتیب سارب بمعنی ذاھب پر متفق نظر آتے ہیں۔ وسَرَبَ فِي الأَرضِ يَسْرُبُ سُرُوباً ذَهَبَ[1] السارب الذاهب على وجهه في الأرض[2]

﴿مَا أَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا أَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

عرب صرح فلان کہتے ہیں جب کوئی بندہ مدد طلب کرے۔ صرح يصرح صراخا و صرخا دونوں طرح مصدر آتا ہے۔ مصرخ اسم فاعل کا مطلب ہے مغیث اور مستصرخ کا مطلب ہے مستغیث۔ عرب کہاوت ہے استصرخني فاصرخته۔ یعنی اس نے مجھ سے مدد مانگی تو میں نے اس کی مدد کی۔ آیت کا معنی ہو گا ماانا بمغيثكم مما انتم فيه من العذاب ومااتنم بمغيثى مما انا فيه[4] اس معنی کی دلیل میں امیہ بن ابی صَلت (متوفی 624ء) کا درج ذیل شعر جاہلی پیش کیا گیا ہے۔

فَلَا تَجْزَعُوا إِنِّي لَكُمْ غَيْرُ مُصْرِخٍ ... وَلَيْسَ لكم عندي غناء ولا نصر[5]

ترجمہ و تجزیہ

غم نہ کرو میں تمہاری مدد کرنیوالا نہیں ہوں اور نہ میرے پاس تمہارے لئے کوئی غنا و امداد ہے۔ اس شعر میں مصرخ اسم فاعل مغیث کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ پس آیت میں بھی یہ مادہ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی مدد و استعانت کے معنی میں۔ اس طرح لسان العرب میں بھی صارح کا معنی مستغیت کیا گیا ہے الصارخ المستغيث،[6] اور تفسیر رازی میں یہ مغیت کے معنی میں بیان ہوا ہے۔ بِمُغِيثِكُمْ[7]

---

[1] ابن منظور، لسان العرب: 1/462

[2] جوہری، الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية: 1/146

[3] ابراھیم: 22

[4] شوکانی، فتح القدیر: 3/125

[5] ایضا: 6/111

[6] ابن منظور، لسان العرب: 3/33

[7] رازی، مفاتیح الغیب: 19/88

﴿فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاؤُكُمْ جَزَاءً مَوْفُورًا﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

موفور مصدر ہے اور اس سے مراد ہے وافر، کثیر اور مکمل۔ وفر المال بنفسہ اس وقت بولا جاتا ہے جب مال کثیر ہو جائے یعنی زیادہ ہو جائے۔ فریفر سے مصدر وفورا اور موفورا دونوں طرح آتا ہے۔[2] اس کی دلیل زهیر بن أبي سلمی (متوفی 609ء) کے اس شعر میں بھی موجود ہے۔

وَمَنْ يَجْعَلِ الْمَعْرُوفَ مِنْ دُونِ عِرْضِهِ ... يَفِرْهُ ومن لا يتّقي الشَّتْمَ يُشْتَمِ[3]

ترجمہ و تجزیہ

جو بغیر لالچ کے نیکی کرتا ہے وہ اس کے لئے کافی وشافی ہو جاتا ہے اور جو گالیوں سے نہیں بچتا اس کو گالیاں دی جاتی ہے۔ اس شعر مین یفر کا لفظ وفوراور موفور مصدر سے مشتق ہے وافر ہونے، زیادہ ہونے اور کافی ہونے کے معنی میں ہے۔ تفسیر ایسر التفاسیر اور تنویر المقباس دونوں نے بالترتیب اس کا معنی زیادہ اور کافی لکھا ہے۔أي وافراً كاملاً[4] نَصِيبا وافراً[5]

﴿لَنْ يَجِدُوا مِنْ دُونِهِ مَوْئِلًا﴾ موئل اسم ظرف کا صغیہ ہے وئل يئل سے اور بمعنی ملجأ استعمال ہوا ہے۔ ملجأ کا مطلب ہے نجات کی جگہ۔[6]

اس کی دلیل میمون بن قیس بن جندل بن شراحیل بن عوف بن سعد بن ضُبیعہ المعروف اعشی قیس (متوفی 629ء) کے درجہ ذیل شعر میں ہے۔

وَقَدْ أُخَالِسُ رَبَّ الْبَيْتِ غَفْلَتَهُ ... وَقَدْ يُحَاذِرُ مِنِّي ثُمَّ مَا يَئِلُ[7]

ترجمہ و تجزیہ

اور تحقیق میں گھر کے مالک کو اس کی غفلت میں گھٹیا نظروں کے ساتھ دیکھتا ہوں اس حال میں کہ وہ مجھ سے بچاتا ہے خود کو لیکن پھر بھی وہ نجات نہیں پاتا۔ اس شعر میں مَا يَئِلُ بمعنی مَا يَنْجُو استعمال ہوا ہے۔ مو ئل، يَئِلُ

---

[1] بنی اسرائیل: 63

[2] شوکانی، فتح القدیر: 3/ 287

[3] زہیر، دیوان زہیر بن أبي سلمی، 1/ 70

[4] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر: 3/ 210

[5] ابن عباس، تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس، ص 239

[6] شوکانی، فتح القدیر: 3/ 351

[7] أعشی قیس، دیوان الاعشی، ص 165

فعل سے اسم ظرف کا صغیہ ہے۔ بمعنی منجا، جائے نجات، جائے پناہ۔ صاحب تفسیر قرطبی اور لسان العرب بھی بالترتیب اسی پہ متفق ہیں أَيْ مَلْجَأً[1] المؤئِل المَنْجَى وَهُوَ المَلْجأُ[2]

---

[1] قرطبی، تفسیر القرطبی: 11/ 8

[2] ابن منظور، لسان العرب: 11/ 715

باب چہارم: آیات کی نحوی توضیح کیلئے استشہاد بالشعر

فصل اول: مرفوعات سے متعلق استشہاد بالشعر

فصل دوم: منصوبات سے متعلق استشہاد بالشعر

فصل سوم: مجرورات سے متعلق استشہاد بالشعر

باب چہارم کا تعارف:

باب چہارم میں تفسیر فتح القدیر میں نحوی قواعد کی توضیح کیلئے استشہاد بالشعر الجاہلی کا جائزہ لیا گیا ہے۔ نحو سے مراد وہ علم ہے جو اسم، فعل اور حرف کی اعرابی حالت کو جاننے اور ان کو ایک دوسرے کے ساتھ ترکیب دینے کی کیفیت معلوم کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو۔[1] کلمے کی تین اعرابی حالتیں ہوتی ہیں رفعی، نصبی اور جری۔ اسی اعتبار سے یہ باب تین فصلوں میں منقسم ہے۔ اس کی فصل اول میں مباحث مرفوعات کا، فصل دوم میں مباحث منصوبات کا اور فصل سوم میں مباحث مجرورات کا ذکر کیا جائے گا۔

فصل اول: مرفوعات سے متعلق استشہاد بالشعر

مرفوعات: وہ اسماء ہیں جو علامت فاعلیت پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ان کی آٹھ قسمیں ہیں: (۱) فاعل (۲) نائب فاعل (۳) مبتدا (۴) خبر (۵) حروف مشبہ بفعل کی خبر (6) افعال ناقصہ کا اسم (۷) ماولا مشابہ بلیس کا اسم (۸) لائے نفی جنس کی خبر۔[2] اس فصل میں مرفوعات سے متعلق امام شوکانی کے استشہاد بالشعر الجاہلی کا جائزہ لیا جائے گا۔ اس کا اسلوب بیان بھی سابقہ فصول سے مختلف نہیں ہے۔

﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

مفسر فرماتے ہیں کہ "مثلهم" مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ اور اس کی خبر کاف ہے یعنی لفظ مثل کے شروع میں جو کاف آیا ہے وہی "مثلهم" کی خبر ہے۔ کیونکہ کاف یہاں بطور اسم بمعنی مثل کے استعمال ہوا ہے۔[4] امام شوکانی نے بطور تائید اعشیٰ قیس (متوفی 629ء) کا درج ذیل شعر پیش کیا ہے۔

أَتَنْتَهُونَ وَلَنْ يَنْهَى ذَوِي شَطَطٍ ... كَالطَّعْنِ يَذْهَبُ فِيهِ الزَّيْتُ وَالْفَتْلُ[5]

ترجمہ و تجزیہ

کیا تم ظلم سے باز آجاؤ گے حالانکہ ظالم لوگ تو ظلم سے باز نہیں آتے بالکل اس پیٹ کے زخم کی طرح کہ جس میں تیل اور تیل میں بھگوئی ہوئی پٹی داخل ہو جاتی ہے۔ مذکورہ شعر کے دوسرے مصرعے کے ابتداء میں

---

[1] نوری، حافظ خان محمد، تسہیل النحو (لاہور: ضیاء القرآن، 2022ء)، 11

[2] نوری، تسہیل النحو، 47

[3] بقرہ: 17

[4] شوکانی، فتح القدیر: 1\66

[5] مبرد، الکامل في اللغة والأدب: 1/ 63

کالطعن اصل میں "مثل الطعن" اور کاف یہاں پر بطور اسم بمعنی مثل استعمال ہوا ہے "يَنْهَى" کا فاعل واقع ہے۔ اس بات کی تائید درجہ ذیل اقوال نحویین سے ہوتی ہے۔

شرح ابن عقیل کے مصنف لکھتے ہیں کہ اس شعر میں" کاف" "ینھی" کا فاعل ہونے کی وجہ سے اسم مرفوع ہے۔ اصل عبارت یوں ہو گی "ولن ینھی ذوی شطط مثل الطعن"[1] شرح المفصل کے مطابق کاف یہاں اسم ہے بمنزلہ مثل کے کیونکہ یہ "ینھی" کا فاعل ہے اور فاعل کا حرف ہونا درست نہیں ہے۔[2] امام شوکانی نے اسی قول کی دلیل میں امرؤالقیس بن حجر الکندی (متوفی 545ء) کا ایک دوسرا شعر بھی پیش کیا ہے۔

وَرُحْنَا بِكَابِنِ الْمَاءِ يُجْنَبُ وَسْطَنَا ... تُصَوَّبُ فِيهِ الْعَيْنُ طَوْرًا وَتَرْتَقِي[3]

ترجمہ و تجزیہ

اور ہم راحت پاتے ہیں ایسے گھوڑے کو دیکھ کر جو ابن الماء پرندے کی طرح ہے۔ اس گھوڑے کو ہمارے درمیان ہانکا جاتا ہے۔ اس کو دیکھنے والی آنکھ کبھی اس پر جمتی ہے اور کبھی اُٹھ جاتی ہے۔ کابن الماء اصل میں مثل ابن الماء ہے۔ توضیح المقاصد والمسالک میں ہے کہ یہاں کاف اسم ہے اور باء حرف جر کی وجہ سے مجرور ہے اور ترکیب میں ابن کا مضاف واقع ہو رہا ہے۔[4] مذکورہ بالا بحث سے امام شوکانی کا مؤقف ثابت ہو جاتا ہے کہ آیت میں حرف "کاف" بطور اسم استعمال ہوا ہے اور ترکیب میں خبر واقع ہو رہا ہے۔

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

صاحب تفسیر نے اس آیت کی ترکیب نحوی سے متعلق درجہ ذیل اقوال ذکر کیے ہیں: قول اوّل یہ ہے کہ لفظ "الوصیۃ" نائب الفاعل بن رہا ہے کتب فعل ماضی مجہول کا۔ لیکن یہاں پر مسند الیہ یعنی فعل واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے اور مسند (الوصیۃ) نائب الفاعل مؤنث ہے، اس لئے مطابقت مسند الیہ اور مسند یہاں مفقود ہے۔ مفسر نے اس کی

---

[1] ابن عقیل، عبد اللہ بن عبد الرحمن العقیلي الھمداني المصري، شرح ابن عقیل، (مصر: المکتبۃ التجاریۃ الکبری)، 2/28

[2] ابن الصانع، شرح المفصل: 8/43

[3] امرؤالقیس، دیوان امرؤالقیس، ص132

[4] عليّ المرادي، أبو محمد بدر الدین حسن بن قاسم بن عبد اللہ بن عليّ المرادي المصري المالکي (المتوفی: 749ھ)، توضیح المقاصد والمسالک بشرح ألفیۃ ابن مالک (دار الفکر العربي 2008ء)، 2/762

[5] بقرہ: 180

درجہ ذیل وجوہات ذکر کی ہیں۔ مسند اور مسند الیہ میں جب فاصلہ آجائے تو اِن کی تذکیر و تانیث میں عدم مطابقت جائز ہے۔ دوسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ دراصل یہاں وصیت بمعنی الایصاء ہے، اس لئے فعل مذکر ذکر کر دیا۔ الایصاء چونکہ مصدر ہے مصدر میں تذکیر و تانیث دونوں جائز ہیں۔ ان اقوال میں صحیح ترین اور مضبوط قول وجہ اوّل والا ہے یعنی مسند اور مسند الیہ میں فاصلے کی وجہ سے فعل مذکر کا صیغہ ذکر کیا ہے۔ آیت میں ان ترک خیرًا شرط واقع ہو رہا ہے۔ امام اخفش فرماتے ہیں کہ لفظ الوصیۃ ہی جواب شرط ہے[1]۔ اس صورت میں عبارت یہ ہو گی اِن ترک خیرًا فالوصیۃ پھر فاء کو حذف کر دیا اور فاء کو جواب شرط سے حذف کرنے کی نظیر کلام عرب میں موجود ہے۔ مفسر نے بطور دلیل جرول بن اَوس بن مالک اَبوملیکۃ العبسی المعروف الحطیئۃ (متوفی 674ء) کا درج ذیل شعر پیش کیا ہے۔

مَنْ يَفْعَلِ الْحَسَنَاتِ اللّٰهُ يَشْكُرُهَا[2]

ترجمہ و تجزیہ

جو نیکی کرتا ہے اس کی جزا اللہ عطا کرتا ہے۔ شعر کی اصل عبارت ہے فاللّٰهُ يَشْكُرُهَا تو جواب شرط سے فاء کو حذف کر دیا۔ بالکل اسی طرح آیت میں بھی جواب شرط الوصیۃ سے فاء کو حذف کر دیا۔ امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ صاحب تفسیر بحر المدید فی تفسیر القرآن المجید فرماتے ہیں اصل عبارت یوں ہے "إن ترك خيراً، فقد كُتبت عليه الوصية-[3] اور امام طنطاوی کے نزدیک اصل عبارت یوں ہے "إن ترك خيرا فليوص-"[4]

﴿وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانی نے آیت کے مذکورہ بالا ٹکڑے کی درج ذل ترکیب نحوی ذکر کی ہے۔ "تكملوا العدة" کا عطف "يريد الله بكم اليسر" کے اوپر ہے اور عبارت کچھ اس طرح بنے گی "يريدالله بكم اليسر و يريد اكمالكم العدة"۔ یعنی اللہ تمھارے لئے آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور تمہارے لئے تعداد یعنی تیس کا عدد پورا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے۔ اور یہی قول بصریوں کا بھی ہے۔ اور وہ کہتے ہیں اصل عبارت یوں ہے "يُرِيدُ لِأَنْ تُكْمِلُوا الْعِدَّةَ" یعنی لام حرف

---

[1] شوکانی، فتح القدیر: 1/ 205

[2] ابن شجری، أمالي ابن الشجری: 2/ 9

[3] فاسی صوفی، البحر المدید في تفسیر القرآن المجید: 1/ 209

[4] مجموعة من العلماء، التفسیر الوسیط للقرآن الکریم: 1/ 374

[5] بقرہ: 185

اور اس کے بعد اَن مصدر یہ محذوف ہے۔[1] اس کی مثال کثیر عزۃ کا درج ذیل شعر سے پیش کی گئی ہے۔

أُرِيدُ لِأَنْسَى ذِكْرَهَا فَكَأَنَّمَا ... تَمَثَّلَ لِي لَيْلَى بِكُلِّ سَبِيلِ[2]

ترجمہ و تجزیہ

میں نے اردہ کیا کہ اس کا ذکر بھول جاؤں تو گویا ہر طرف سے اس کی تصویر رات کو میرے سامنے آگئی۔ اس شعر میں بھی اصل عبارت "ارید لأن أنسي" ہے۔ یہاں بھی ان مصدر یہ اس کے بعد محذوف ہے۔ اسی طرح درج ذیل اقوال علماء بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ امام قرطبی کے نزدیک اصل عبارت یوں ہے "وَيُرِيدُ لِأَنْ تُكْمِلُوا"[3] اور امام بیضاوی کا قول ہے کہ "يجوز أن يعطف على اليسر أي ويريد بكم لتكملوا"[4]

﴿وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

لفظ مہاد جمع ہے اس کا واحد مہد ہے اور امام شوکانی کے نزدیک مہد کا مطلب "الموضع المهيأ للنوم" یعنی وہ جگہ جو سونے کے لئے ہو۔ اور اسی سے "مهد الصبی" یعنی بچے کا پنگھوڑا جس میں بچہ سوتا ہے۔ جہنم کو مہاد کہنے کی دو وجوہات ہیں۔ مفسر نے پہلی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ جہنم کو مہاد اس لئے کہا ہے کہ یہ کفار کا مستقر یعنی پڑے رہنے اور ٹھہرنے جگہ ہے۔ دوسری یہ ہے کہ یہ جہنم سے بدل ہے۔ یعنی جہنم بدل اور مہاد مبدل منہ ہے یعنی مہاد سے بھی جہنم ہی مراد ہے۔[6] بعض اوقات زجر و توبیخ کیلئے اچھے الفاظ بول کر سخت معنی لئے جاتے ہیں۔ جس طرح قرآن عظیم میں کفار کے لئے ارشاد ہوتا ہے کہ ﴿فبشرهم بعذاب اليم﴾[7] ۔عذاب الیم کی خوشخبری نہیں دی جاتی بلکہ عذاب الیم کی وعید سنائی جاتی ہے تو یہاں بھی بشارت وعید کے معنی میں استعمال ہوتی ہے۔ اس طرح آیت میں مہاد سونے کی جگہ کے لئے نہیں بلکہ الم اور عذاب دینے کی جگہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مفسر نے یہ معنی بیان کر کے اس کی نظیر کلام عرب میں سے عمرو بن معد یکرب (متوفی 642ء) کے اس شعر سے پیش کی ہے کہ

---

[1] شوکانی، فتح القدیر: 1/211

[2] کثیر عزۃ، بن عبد الرحمن بن الأسود بن ملیح، دیوان کثیر عزۃ، ص 170

[3] قرطبی، الجامع لاحکام القران: 2/305

[4] بیضاوی، انوار التنزیل واسرار التاویل: 1/125

[5] بقرہ: 206

[6] شوکانی، فتح القدیر: 1/240

[7] آل عمران: 21

وخيل قد دلفت لها بخيل ... تَحِيَّةُ بَيْنِهِمْ ضَرْبٌ وَجِيعُ[1]

ترجمہ و تجزیہ

ان کے مابین سلام دردناک قسم کی ضرب لگانا ہے۔ تَحِيَّةُ بَيْنِهِمْ کے الفاظ بظاہر سلام دعا کے معنی دے رہے ہیں لیکن در حقیقت اس سے مراد لڑائی اور جھگڑا ہے۔ کیونکہ سلام و دعامیں تو دردناک قسم کی ضربیں نہیں لگائی جاتی یہ صرف لڑائی میں ہوتی ہیں۔ اس طرح آیت میں مہاد سے مراد سونے کی جگہ نہیں بلکہ دردناک عذاب کی جگہ مراد ہے۔ آیت کا مفہوم ہو گا اور (جہنم) بہت ہی بری ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ علماء کرام کے درج ذیل اقوال بھی اسی معنی پہ شاہد ہیں۔ البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید میں اس کا معنی ہے۔"بئس الفراش الذي مهّده لنفسه"۔[2]حضرت ابن عباس فرماتے ہیں المہاد سے مراد "الْفراش والمصير" ہے۔[3]علامہ فیروز آبادی کے نزدیک "تَمَهَّدَ کا معنی تَمَكَّنَ" ہے۔[4]

﴿يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

مفسرؒ لفظ "المیسر" کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ میسر کا لفظ "یسر" سے ماخوذ ہے۔ اور اس کی جمع "ایسار" آتی ہے۔ اس کا مطلب ہے کسی چیز کو اس کے مالک یا صاحب کے لئے بطریق وجوب مختص کرنا۔ اسی سے یہ عربی محاورہ بھی بولا جاتا ہے کہ "یسر لی کذا" یعنی اس نے فلان چیز کو میرے لئے لازم قرار دیا مختص کر دیا ہے۔[6]مفسرؒ فرماتے ہیں المیسر سے مراد وہ اونٹ ہے جس پر لوگ جوا کھیلتے ہیں۔ اس کو میسر اس لئے کہتے ہیں کیونکہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاتے ہیں اور مختلف اجزاء میں تقسیم کر دیا جاتا ہے گویا کہ میسر اس چیز یا جگہ کا نام ہے جسکو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے، ہر وہ چیز جس کے تو نے ٹکڑے ٹکڑے کیے تو تو نے اس کے ہر ٹکڑے کو کسی کا حصّہ بنایا اور کسی کے حصّے میں دیا۔ اور لفظ "الیاسر" سے مراد اونٹ کو ذبح کے لئے لے جانیوالا اور ذبح کرنے والا ہے الیاسر کا اصل معنی یہی ہے اس کے بعد پھر یہ "الضارب للقداح" کے معنی کے لئے اور اونٹ پر جوا کھیلنے والے کے

---

[1] ازدی، أبو علی الحسن بن رشیق قیروانی، العمدة في محاسن الشعر وآدابہ (دار الجیل 1981ء)، 2/292

[2] فاسی، البحر المدید في تفسیر القرآن المجید: 1/233

[3] ابن عباس، تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس، ص28

[4] فیروز آبادی، القاموس المحیط: 1/320

[5] بقرہ: 219

[6] شوکانی، فتح القدیر: 1/252

معنی کے لئے استعمال ہونا شروع ہوا" یاسرون" کا معنی "جازرون" یعنی ذبح کرنیوالے ہیں۔ الصحاح کے مصنف نے لکھا ہے "یسر القوم الجزور" اس وقت بولا جاتا ہے جب لوگ اونٹ کو ذبح کرکے اس کے اعضاء کو تقسیم کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ "یسر القوم" بمعنی قوم نے جوا کھیلا بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور "رجل میسر اور یاسر" دونوں جوا کھیلنے والے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ اور اس کی جمع "ایسار" آتی ہے۔ امام شوکانی نے "یسر" بمعنی جوا کی جمع "أیسار" آنے کی دلیل کے طور پر نابغة ذبياني (متوفی 604ء) کا درج ذیل شعر پیش کیا ہے۔[1]

إِنِّي أُتَمِّمُ أيساري وأمنحهم ... مثنى الأيادي وأكسوا الجفنة الْأُدُمَا [2]

ترجمہ و تجزیہ

بے شک میں اپنے جوے کے تیروں کے ذریعے حصّے مکمل کر لئے اور ان کو میں نے دونوں ہاتھ دے دیئے اور انہوں نے چمڑے کا برتن حاصل کیا۔ اس شعر میں لفظ ایساری محل استشہاد ہے اور اس کی وجہ استشہاد یہ ہے کہ یہاں یہ "یسر" کی جمع کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ یعنی "یسر" جب جوا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اس کی جمع ایسار آتی ہے۔ جیسا کہ شعر سے واضح ہے۔ امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ صاحب لسان العرب فرماتے ہیں کہ "اليَسَرُ الضَّرِيبُ وَالجْمْعُ أَيْسارٌ"[3] امام قرطبی فرماتے ہیں کہ "الجْمْعُ أَيْسارٌ"[4]

﴿وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

صاحب تفسیر نے لفظ ''ذو'' کی حالت رفعی کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ یہاں پر کان افعال ناقصہ میں سے نہیں بلکہ کان تامہ کے طور پر استعمال ہوا ہے اور یہاں پر یہ "وُجِدَ" کے معنی میں ہے۔ "ذو عسرة" کان بمعنی "وُجِدَ" کا نائب فاعل یعنی مسند الیہ ہے۔[6] امام شوکانیؒ نے کان تامہ استعمال ہونے کی دلیل میمون بن قیس بن جندل بن شراحیل بن عوف بن سعد بن ضُبیعہ المعروف اعشیٰ قیس (متوفی 629ء) کے درج ذیل شعر سے پکڑی ہے۔

فِدًى لبني ذهل بن شيبان ناقتي ... إِذَا كَانَ يَوْمٌ ذُو كَوَاكِبَ أَشْهَبُ[7]

---

[1] جوہری، الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية:2/857

[2] نابغہ ذبیانی، دیوان النابغة الذبياني، ص63

[3] ابن منظور، لسان العرب:5/298

[4] قرطبی، تفسیر قرطبی:3/51

[5] بقرہ:280

[6] شوکانی، فتح القدیر:1/342

[7] اعشیٰ قیس، دیوان الاعشیٰ، ص28

ترجمہ و تجزیہ

بنی ذہل بن شیبان کے لئے میری اونٹنی فدا ہو جائے جس دن گھمسان کا رن پڑے اور گویا دن کو تارے نظر آئیں۔ جنگ کے دن کو گھمسان کے رن کی وجہ سے رات سے تشبیہ دی کہ اس میں تارے نظر آتے ہیں۔ کان تامہ بمعنی وَقعَ ہے۔ اس کا مابعد اس کا فاعل ہے اس لئے حالت رفعی میں ہے۔[1] کان کے تامہ ہونے کا قرینہ یہ ہے کہ کان نا قصہ خبر کا محتاج ہوتا ہے۔ یہاں چونکہ خبر موجود نہیں ہے لہذا یہ کان ناقصہ نہیں ہو سکتا بلکہ یہ تامہ ہے۔ اس طرح آیت میں بھی کان تامہ ہے اور دلیل یہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ صاحب تفسیر البحر المدید في تفسیر القرآن المجید کے نزدیک بھی یہ "کان تامة بمعنی حضر" ہے۔[2] صاحب تفسیر روح البیان کے نزدیک بھی یہ "کان تامة بمعنی "وقع" ہے۔[3]

﴿لَيْسُوا سَوَاءً مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانی نے "أُمَّةٌ قَائِمَةٌ" کی تفسیر میں درجہ ذیل اقوال ذکر کرتے ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ امام اخفش کے مطابق عبارت میں ترکیب نحوی کے اعتبار سے حذف ہے اور اصل عبارت اس طرح ہے۔ "مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ ذو أُمَّة" ای "أهل طريقة حسنة" یعنی لفظ أُمَّةٍ بمعنی طریقہ اور دین کے ستعمال ہوا ہے۔[5] أُمَّةٍ بمعنی ذو امة یعنی اہل طریقہ اور دین کی مثال نابغۃ ذبیاني (متوفی 604ء) کے درج ذیل شعر سے دی گئی ہے۔

حَلَفْتُ فَلَمْ أَتْرُكْ لِنَفْسِكَ رِيبَةً ... وَهَلْ يَأْثَمَنْ ذُوأُمَّةٍ وَهُوَ طَائِعُ [6]

ترجمہ و تجزیہ

اس شعر میں لفظ "ذُوأُمَّة" اہل دین اور اہل طریقہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور اس کا قرینہ یا ثمن اور طائع ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عبارت میں ترکیب نحوی کے اعتبار سے حذف ہے اور اصل عبارت یہ ہے کہ "من أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ وَأُخْرَى غَيْرُ قَائِمَةٍ "دوسرے کو ترک کر دیا صرف پہلے حصے پر اکتفاء کرتے ہوئے۔

---

[1] شراّب، شرح الشواهد الشعریہ فی اُمات الکتب النحویہ: 1/ 164

[2] فاسی صوفی، البحر المدید في تفسیر القرآن المجید: 1/ 312

[3] اسماعیل حقی، روح البیان: 1/ 438

[4] ال عمران: 113

[5] شوکانی، فتح القدیر: 1/ 427

[6] نابغہ ذبیانی، دیوان النابغۃ الذبیاني، ص 35

حذف عبارت کا استشہاد درجہ ذیل شعر جاہلی سے کیا گیا ہے۔[1]

عَصَيْتُ إِلَيْهَا الْقَلْبَ إِنِّي لِأَمْرِهَا ... مُطِيعٌ فَمَا أَدْرِي أَرُشْدٌ طِلَابُهَا؟[2] أَرَادَ أَرُشْدٌ أَمْ غَيٌّ؟[3]

ترجمہ و تجزیہ

میں نے اس کی طرف مائل ہونے سے دل کی نافرمانی کی اور بے شک میں اس کے حکم کی اطاعت کرنیوالا ہوں۔ لیکن یہ نہیں جانتا کہ اس کی طلب کرنا درست معاملہ ہے یا غلط۔ اس شعر میں حذفِ عبارت ہے اصل عبارت یوں ہے "أَرُشْدٌ طِلَابُهَا أَمْ غَيٌّ؟ عبارت کے ایک حصہ کو ذکر کر دیا اور دوسرے کو حذف کر دیا پہلے حصے پر اکتفا کرتے ہوئے۔ اس طرح آیت میں بھی پہلے حصہ عبارت پر اکتفا کرتے ہوئے دوسرے حصے کو حذف کر دیا۔ علماء کرام کے درج ذیل اقوال بھی حذف عبارت پہ شاہد ہیں۔ المفردات فی غریب القرآن کے مصنف کے نزدیک اس کا مطلب "ذو طريقة واحدة" ہے۔[4] اسی طرح تفسیر قرطبی کے مصنف کے نزدیک بھی اس کی اصل عبارت "مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ ذُو أُمَّةٍ، أَيْ ذُو طَرِيقَةٍ حسنة ہے۔[5]

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

"بِطَانَةً" مصدر ہے یہی لفظ جمع اور واحد دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے اور "بِطَانَة الرجل" سے مراد ہے آدمی کی خاص چیز ہے۔ اور اس کی اصل بطن ہے یعنی پیٹ جو کہ پیٹھ کے مقابلے میں ہوتا ہے۔ اور "بطن فلان بفلان" کا مطلب فلاں، فلاں کا خاص آدمی ہے۔ یہ لفظ "بطن يبطن بطونا و بطونة" سے آتا ہے۔[7] لفظ بطانۃ کے جمع کا معنی دینے کی دلیل کے طور پر امام شوکانی نے درج ذیل شعر پیش کیا ہے۔

وَهُمْ خُلَصَائِي كُلُّهُمْ وَبِطَانَتِي ... وَهُمْ عَيْبَتِي مِنْ دُونِ كُلِّ قَرِيبِ[8]

---

[1] شوکانی، فتح القدیر: 1/428

[2] علی بن الحسین العلوي، آمالي المرتضى (غرر الفوائد ودرر القلائد) (قم: مکتبۃ آیۃ اللہ العظمی المرعشي النجفي 1907ء)، ص226

[3] شوکانی، فتح القدیر: 1/611

[4] راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، ص87

[5] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن: 4/175

[6] ال عمران: 118

[7] شوکانی، فتح القدیر: 1/430

[8] ایضا: 6/105

ترجمہ و تجزیہ

اس شعر میں لفظ "بطانة" جمع کا معنی دے رہا ہے۔ یہاں یہ خصوصی اور قریبی یاروں کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ آیت میں یہ واحد کا معنی دے رہا ہے۔

﴿لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

مفسر فرماتے ہیں یہ جملہ محلہ نصب میں ہے بطانۃ کی صفت ہونے کے اعتبار سے یا اس کا حال واقع ہونے کی وجہ سے لفظ "ال یالُ قَصَرَ یقصر" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ عرب کہتے ہیں "لَا أَلُوكَ جَهْدًا" یعنی میں محنت میں کوئی کمی نہیں چھوڑوں گا۔[2] امام شوکانیؒ نے اس کی معنی دلیل میں امرُؤُالقَیس (متوفی 545ء) کا درج ذیل شعر پیش کیا ہے۔

وَمَا الْمَرْءُ مَا دَامَتْ حَشَاشَةُ نَفْسِهِ ... بِمُدْرِكِ أَطْرَافِ الْخُطُوبِ وَلَا آلِ[3]

ترجمہ و تجزیہ

اس شعر میں لفظ "آل" "قَصَرَ کا معنی دے رہا ہے۔ آیت میں بھی یہی کا معنی دے رہا ہے۔

﴿لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

مفسر نے ''لا یضرکم'' کی دو اعربی حالتیں بیان کی ہیں ایک قرات کے مطابق یہ مجزوم ہے یعنی ''لا یضرّکم'' اور اس کے مجزوم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اِن تصبروا وتقوا شرط کا جواب شرط بن رہا ہے اور جواب شرط مجزوم ہوتا ہے۔ دوسرا اعراب اس کا یہ ہے کہ یہ مرفوع ہے اس بناء پر کہ لاَ سے پہلے فاء جزائیہ مضمر ہے یعنی اصل عبارت فلا یضرکم ہے۔ فاء جزائیہ کے مقدر ہونے کی وجہ سے اس کو مرفوع پڑھنا بھی جائز ہے۔[5] امام شوکانی نے فاء مضمرہ کی صورت میں جواب شرط کو مرفوع پڑھنے کے جواز کی دلیل جرول بن اَوس بن مالک اَبو ملیکۃ العبسی المعروف الحطیئۃ (متوفی 674ء) کے درج ذیل شعر سے پیش کی ہے۔

---

[1] ال عمران:118

[2] شوکانی، فتح القدیر: 1/430

[3] امرُؤُالقَیس، دیوان امرئ القیس، ص39

[4] ال عمران:120

[5] شوکانی، فتح القدیر: 1/432

مَنْ يَفْعَلِ الْحَسَنَاتِ اللّٰهُ يَشْكُرُهَا۔[1]

ترجمہ و تجزیہ

جو نیک کام کرتا ہے اللہ اس کو جزا دیتا ہے۔ اس مصرعہ میں لفظ اللہ سے پہلے فاء حرف جزا محذوف ہے۔ من موصولہ شرطیہ ہے اور اللہ یشکرُھا اس کی جواب شرط ہے لیکن فاء مضمر کی بناء پر مرفوع ہے اس طرح آیت میں بھی فاء مضمر کی بناء پر "لا یضرکم" کو مرفوعُ پڑھا گیا ہے۔ اسی طرح درج ذیل اقوال علماء بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ امام راغب فرماتے ہیں کہ قال بعض النحويين لا يضركم مرفوع رفعاً صحيحاً، وتقديره: فلايضركم، وحذف الفاء[2] امام قرطبی فرماتے ہیں کہ وَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ مَرْفُوعًا عَلَى تَقْدِيرِ إِضْمَارِ الْفَاءِ، وَالْمَعْنَى: فَلَا يَضُرُّكُمْ[3]

﴿وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

قاری اعمش، حمزہ اور کسائی نے اس کو "وقتلوا وقاتلوا" پڑھا ہے۔ یعنی ترتیب بدل دی ہے۔ اور یہ طریقہ عربوں کے ہاں رائج ہے۔[5] اس کی مثال امام شوکانیؒ نے درج ذیل مصرعہ سے دی ہے۔

تَصَابَى وَأَمْسَى عَلَاهُ الْكِبَرْ أَيْ: قَدْ عَلَاهُ الْكِبَرُ۔[6]

ترجمہ و تجزیہ

اس مصرعہ میں "تَصَابَى وَأَمْسَى" کے درمیان واؤ مطلق جمع کے لئے ہے اس کی تقدیم و تاخیر جائز ہے۔ اسی طرح آیت میں قاتلوا اور قتلوا کے درمیان جو واؤ ہے وہ مطلق جمع کرنے کے لئے ہیں یہاں کوئی ترتیب ملحوظ نہیں ہے۔ اور یہاں مراد یہ ہے کہ انہوں نے جہاد کیا اور ان میں سے بعض شہید ہو گئے۔[7] اس کی مثال امرُؤُالقَیس (متوفی 545ء) کے درج ذیل شعر میں بھی موجود ہے۔

---

[1] حطیئہ، دیوان حطیئہ، ص109

[2] راغب اصفہانی، تفسیر الراغب اصفہانی:2/831

[3] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن:4/184

[4] ال عمران:195

[5] شوکانی، فتح القدیر:1/473

[6] نمر بن تولب، دیوان نمر بن تولب، ص345

[7] شوکانی، فتح القدیر:1/474

فإنْ تَقْتُلُونا نُقَتِّلْكُمُ ... وَإنْ تَقْصِدُوا لِدَمٍ نَقْصِدِ [1]

ترجمہ و تجزیہ

اس شعر میں ان تقتلونا شرط ہے اور نقتلکم جزاء ہے۔ ترتیب کے لحاظ سے قاعدہ یہ ہے کہ شرط پہلے واقع ہوتی ہے اور جزاء اس کے بعد واقع ہوتی ہے۔ لیکن یہاں یہ ترتیب مراد نہیں ہے کیونکہ یہاں یہ محال ہے بلکہ معنی ہے کہ "ان تقتلو بعضنا نقتل بعضکم" اس طرح آیت میں بھی یہ مراد ہے کہ انہوں ان کے بعض لوگوں کو قتل کیا اور بعد میں ان میں سے بعض شہید کر دیئے گئے۔ اسی طرح درج ذیل اقوال علماء بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ صاحب تفسیر بغوی فرماتے ہیں کہ وَقَاتَلَ مَنْ بَقِيَ مِنْهُمْ، وَمَعْنَى قَوْلِهِ وَقُتِلُوا أَيْ: قُتِلَ بَعْضُهُمْ، تَقُولُ الْعَرَبُ قَتَلْنَا بَنِي فُلَانٍ وَإِنَّمَا قَتَلُوا بَعْضَهُمْ[2] تفسیر منار کے مصنف امام بہاؤالدین فرماتے ہیں کہ فَقَدْ قَرَأَهُ حَمْزَةُ بِعَكْسِ التَّرْتِيبِ فِي اللَّفْظِ "وَقُتِلُوا وَقَاتَلُوا"، وَقَالُوا فِيهِ: إِنَّ الْوَاوَ لَا تُفِيدُ تَرْتِيبًا۔[3] صاحب تفسیر نسفی فرماتے ہیں کہ وقتلوا وقاتلوا على التقديم والتأخير وفيه دليل على أن الواو لا توجب الترتيب[4]

﴿فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ اس کو فیری پڑھا گیا ہے یعنی غائب کے صغیہ کے ساتھ۔ اس صورت میں یری کا فاعل اسم موصول الذین ہے اور اس کا مفعول ان مصدریہ کے حذف کے ساتھ " يُسَارِعُونَ فِيهِمْ" ہے۔ یعنی اصل عبارت یوں ہے۔ فیری القوم الذین فی قلوبھم مرض ان يُسَارِعُوا فِيهِمْ۔ جب "أن" کو حذف کیا تو فعل کو رفع دے دیا۔[6] اس کی مثال طرفہ بن العبد (متوفی 569ء) کے درج ذیل شعر جاہلی میں موجود ہے۔

ألا أيّهذا اللّائمي أحضر الوغى [7]

---

[1] امرُؤُالقَيس، دیوان امرئ القیس، ص88

[2] بغوی، تفسیر بغوی: 1/558

[3] بہاء الدین، محمد رشید بن علي رضا، تفسیر القرآن الحکیم (تفسیر المنار) (مصر: الهيئة المصرية العامة للكتاب 1990ء): 4/252

[4] نسفی، تفسیر النسفي: 1/323

[5] مائدہ: 52

[6] شوکانی، فتح القدیر: 2/58

[7] طرفہ، دیوان طرفة بن العبد، ص25

اس میں اصل عبارت ان احضر الوغی ہے لیکن ان مصدریہ کے حذف کے ساتھ فعل کو رفع دیا گیا ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئُونَ وَالنَّصَارَىٰ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانیؒ اس آیت کی ترکیب نحوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ الصَّابِئُونَ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ امام خلیل اور سیبویہ کے نزدیک یہ رفع تقد یم و تاخیر کی بناء پر ہے ۔اصل عبارت کچھ یوں ہے۔إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ وَالصَّابِئُونَ وَالنَّصَارَى كَذَلِكَ[2] بطور دلیل بشر بن ابی حازم (متوفی 590ء) کا درج ذیل شعر پیش کیا گیا ہے۔

وَإِلَّا فَاعْلَمُوا أَنَّا وَأَنْتُمْ ... بُغَاةٌ مَا بَقِينَا فِي شِقَاقِ[3]

ترجمہ و تجزیہ

اس شعر میں اصل عبارت یوں ہے أَيْ وَإِلَّا فَاعْلَمُوا أَنَّا بُغَاةٌ وأنتم كذلك-اسی طرح آیت میں بھی والصابئون والنصاری کذالک ہے۔ امام بیضاوی کے نزدیک بھی اصل عبارت یوں ہے والتقدير: إن الذين آمنوا والذين هادوا والنصارى حكمهم كذا والصابئون كذلك[4] امام زمحشری بھی اسی قول کے مؤید ہیں۔ كأنه قيل: إن الذين آمنوا والذين هادوا والنصارى حكمهم كذا، والصابئون كذلك[5]

﴿وَحَسِبُوا أَلَّا تَكُونَ﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں ابو عمر و حمزہ اور کسائی نے تکونُ کو مرفوع پڑھا ہے اور اس کی ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس آیت میں ان مصدریہ نہیں ہے بلکہ ان مخففہ ہے اور حرف مشبہ بالفعل ہے۔ اس صورت میں حسب بمعنی علم ہو گا کیونکہ "ان" مخففہ تحقیق کے لئے آتا ہے۔ باقیوں نے "ان" مصدریہ مان کر تکون کو منصوب پڑھا ہے اور حسب

---

[1] مائدہ:69

[2] شوکانی، فتح القدیر:2/71

[3] شُرّاب، شرح الشواهد الشعرية في أمات الكتب النحوية:2/172

[4] بیضاوی، أنوار التنزيل وأسرار التأويل:2/136

[5] زمخشری، الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل:1/660

[6] مائدہ:71

بمعنی ظن لیا ہے۔ نحاس نے فرمایا کہ نحویوں کے نزدیک حسب اور اس کے اخوات میں رفع زیادہ بہتر ہے۔[1] اس کا استشہاد امْرُؤُالقَیْس (متوفی 545ء) کے درج ذیل شعر سے کیا گیا ہے۔

أَلَا زَعَمَتْ بَسْبَاسَةُ الْيَوْمَ أَنَّنِي ... كَبُرْتُ وَأَلَّا يَشْهَد اللَّهْوَ أَمْثَالِي[2]

ترجمہ و تجزیہ

اس شعر میں زعمت، حسبت کے اخوات میں سے ہے اس لئے اس کے بعد أَلَّا يَشْهَد کو مرفوع پڑھا گیا ہے۔ اس طرح آیت میں تکون کو مرفوع پڑھا گیا ہے۔ امام جزائزی کے نزدیک مضارع جب علم کے بعد آئے تو ان لازماً مخفف ہو گا اور اگر ظن کے بعد آئے تو دونوں صورتیں یعنی ان محففہ اور مصدریہ جائز ہیں۔ المضارع إذا وقع بعد العلم وجب إهمال (إن) معه، فتكون مخففة، وإن وقعت بعد الظن يصح فيها الوجهان، فمن قرأ: (وحسبوا ألا تكون) بالرفع، فأن مخففة، ومن قرأ بالنصب فأن مصدرية.[3] امام راغب نے بھی رفع اور نصب دونوں کے جواز کا قول کیا ہے (وَحَسِبُوا أَلَّا تَكُونَ فِتْنَةٌ) بالرفع والنصب[4]

﴿ذَلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

رهبان جمع ہے اور اس کی واحد راهب آتی ہے جس طرح رکبان جمع ہے راکب کی۔ الْفِعْلُ رَهِبَ اللَّهَ يَرْهَبُهُ: أَيْ خَافَهُ. وَالرَّهْبَانِيَّةُ وَالتَّرَهُّبُ: التَّعَبُّدُ فِي الصَّوَامِعِ اور رہب بمعنی خاف استعمال ہوتا ہے اور رھبانیت بمعنی ترهب استعمال ہوتی ہے اور کبھی لفظ "رهبان" واحد کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور جمع کے لئے بھی۔[6]

لفظ "رهبان" واحد استعمال ہونیکی دلیل درجہ ذیل شعر میں موجود ہے ۔ امْرُؤُ القَیْس (متوفی 545ء) کہتا ہے۔

لَوْأَبْصَرَتْ رُهْبَانَ دَيْرٍ فِي الْجَبَلِ ... لَانْحَدَرَ الرُّهْبَانُ يسعى ويصل[7]

---

[1] شوکانی، فتح القدیر: 2/72

[2] امْرُؤُالقَیْس، دیوان امرئ القیس، ص136

[3] جزائری، البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید: 2/63

[4] راغب اصفہانی، تفسیر الراغب اصفہانی: 2/551

[5] مائدہ: 82

[6] شوکانی، فتح القدیر: 2/78

[7] امْرُؤُالقَیْس، دیوان امرئ القیس، ص46

ترجمہ وتجزیہ

اگر وہ پہاڑ میں کسی خانقاہ کے راہب کو دیکھتی تو راہب نیچے اترتا اور دوڑتا اور دعا کرتا۔ اس شعر کے دونوں مصرعوں میں لفظ رھبان واحد کے معنی استعمال ہوا ہے۔ الرھبان یسعی ونزل اس کا قرینہ ہے۔ امام قرطبی بھی فرماتے ہیں کہ لفظ رھبان کبھی جمع اور کبھی واحد دونوں کے لیے آتا ہے۔ قَدْ يَكُونُ (رُهْبَانٌ) لِلْوَاحِدِ وَالْجَمْعِ[1]

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ﴾[2] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

لفظ شَهَادَة کو ڈائریکٹ ظرف کی طرف مضاف کر دیا گیا لیکن اصل عبارت شَهَادَةُ مابَيْنِكُمْ ہے اور ما کو خذف کر کے لفظ شَهَادَةُ کو بین کی طرف مضاف کر دیا۔ اس کی نظیر درجہ ذیل شعر جاہلی میں موجود ہے۔

وَيَوْمًا شَهِدْنَاهُ سُلَيْمًا وَعَامِرًا[3]

ترجمہ وتجزیہ

ایک دن ہم نے اس میں سلیم وعامر کا مشاہدہ کیا۔ یہاں یہ اصل عبارت "شَهْدِنَا فِيهِ" ہے فی کو حذف کر کے "ہ" ضمیر کو ناضمیر کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔ اس طرح آیت میں بھی ما کو خذف کر کے بین کو مضاف الیہ بنا دیا گیا ہے اور ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔ وَمِنْهُ قَوْلُهُ تَعَالَى ﴿هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ﴾[4] تفسیر نسفی میں ہے کہ شہادۃ مصدر کو بین کی طرف مضاف کر دیا گیا کیونکہ اس میں وسعت موجود ہے واتسع في بين فأضيف إليه المصدر[5] تفسیر بغوی کے مطابق اصل عبارت مَعْنَاهُ: أَنَّ الشَّهَادَةَ فِيمَا بَيْنَكُمْ ہے۔[6]

﴿قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ﴾[7] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

یوم، کو قال فعل کی ظرفیت کی بناء پر منصوب پڑھا گیا ہے یعنی اصل عبارت یوں ہو گی قَالَ اللَّهُ هَذَا الْقَوْل يَوْمَ يَنْفَعُ الصادقين۔ یعنی عبارت میں ھذا اور یوم کے درمیان لفظ قول محذوف ہے۔ یہ قرات قاری نافع

---

[1] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن:6/258

[2] مائدہ:106

[3] شُرَّاب، شرح الشواھد الشعریۃ فی اٰمات الکتب النحویۃ:2/278

[4] کہف:78

[5] نسفی، تفسیر النسفي:1/481

[6] بغوی، تفسیر بغوی:2/97

[7] مائدہ:119

اور ابن محیصن[1] سے منقول ہے۔ باقیوں نے اس کو هَذَا مبتدا کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع پڑھا ہے۔ قاری کسائی نے اس کو جملہ کی طرف مضاف ہونے کی بناء پر منصوب پڑھا ہے۔[2] اس کی نظیر نابغۃ ذبیاني (متوفی 604ء) کے درج ذیل شعر جاہلی ہے۔

عَلَى حِين عَاتَبْتُ الْمَشِيبَ عَلَى الصِّبَا ... وَقُلْتُ أَلَمَّا أَصْحُ وَالشَّيْبُ وَازِعُ[3]

ترجمہ و تجزیہ

جب میں نے بڑھاپے کو جوانی کا طعنہ دیا۔ اور میں نے کہا، "جب میں صحت مند ہوں اور میرے سفید بال سفید ہو رہے ہوں" حین کو جملہ کو طرف مضاف ہونیکی وجہ سے نصب دی گئی ہے جبکہ بصریوں کے نزدیک یہ قاعدہ صرف فعل ماضی کی طرف اضافت کے ساتھ خاص ہے۔[4] صاحب تفسیر قرطبی نے بھی لکھا ہے کہ یوم کو یہاں نصب اس لئے دی گئی ہے کہ یہ غیر اسم یعنی فعل کی طرف مضاف ہے یوم ها هنا عَلَى النَّصْبِ لِأَنَّهُ مُضَافٌ إِلَى غَيْرِ اسْمٍ،[5]

﴿عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

عالم الغیب کے مرفوع ہونیکی دو وجوہات ذکر کی گئی ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ ینفخ کا نائب الفاعل ہونیکی وجہ سے مرفوع ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ فعل مقدر کا فاعل ہونیکی وجہ سے مرفوع ہے۔[7] جس طرح ابو عقیل لبید بن ربیعہ عامری (متوفی 661ء) کے اس شعر میں ہے۔

ليبك يَزِيدُ ضَارِعٌ لِخُصُومَةٍ ... وَمُخْتَبِطٌ مِمَّا تُطِيحُ الطَّوَائِحُ[8]

---

[1] ابو حفص المکی ابو حفص المکی، محمد بن عبد الرحمٰن بن محیصن کا تعلق بذریعہ ولا قبیلہ بنو سہم سے تھا۔ آپ ابن کثیر کے بعد اہل مکہ کے مشہور ترین قاری ہیں۔ اور عربی زبان میں قرآن کو پڑھنے والوں میں سے سب سے بڑے عالم تھے۔ اس کے حروف مصحف کی قرات سے ٹکرانے کی وجہ سے لوگوں نے ان کو پڑھنا چھوڑ دیا اور ان کو مشہور قراءات میں شامل نہیں کیا۔ 6\189

[2] شوکانی، فتح القدیر: 2/109

[3] نابغہ ذبیانی، دیوان النابغۃ الذبیاني، ص32

[4] شوکانی، فتح القدیر: 2/109

[5] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن: 6/380

[6] انعام: 73

[7] شوکانی، فتح القدیر: 2/149

[8] لَبید، دیوان لبید بن ربیعۃ العامري، ص362

ترجمہ و تجزیہ

یزید کو چاہیئے کہ گڑگڑائے اور الجھن میں پڑے ایسے جھگڑے (لڑائی) کی وجہ سے جو گروہوں کو اکھاڑ پھینکتا ہے۔ امام شوکانیؒ فرماتے ہیں اصل عبارت "يُبْكِيهِ مُخْتَبِط" ہے۔ مُخْتَبِط، يُبْكِيهِ فعل کا فاعل واقع ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ لغت عرب میں فاعل کو فعل محذوف کی بناء پر رفع دینا جائز ہے پس آیت میں بھی عالم الغیب فعل محذوف کے فاعل ہونیکی بناء پر مرفوع ہے۔

﴿هَذَا رَبِّي﴾ [1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

زجاج کا قول ہے کہ اصل عبارت "أَهَذَا رَبِّي؟" ہے یعنی ہمزہ استفہام محذوف ہے یہاں پر۔[2] جس طرح ابو خراش ہذلی متوفی (641ء) اس شعر میں

رفوني وقالوا يا خويلد لا تُرَعْ ... فَقُلْتُ وَأَنْكَرْتُ الْوُجُوهَ هُمُ هُمُ[3]

ترجمہ و تجزیہ

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ اصل عبارت أَهُمُ هُمُ ہے یعنی ہمزہ استفہام یہاں محذوف ہے۔ پس ثابت ہوا کہ دیوان عرب میں ایسا کلام موجود ہے جہاں ہمزہ استفہامیہ لفظا محذوف اور معنا موجود مانا جاتا ہے اس لئے آیت میں بھی یہ تاویل کرنا جائز ہے۔ صاحب تفسیر روح المعانی اور قرطبی بھی بالترتیب اس بات پر متفق ہیں کہ إن في الكلام استفهاما إنكاريا محذوفا[4] والمعنى: أهذا ربي[5]

﴿بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ [6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

یہاں بدیع بمعنی المبدع استعمال ہوا ہے۔ اس طرح اکثر اوقات سمیع بمعنی مسمع بھی استعمال ہوتا ہے۔[7] اس کی نظیر عمرو بن معدیکرب (متوفی 642ء) کے اس شعر میں موجود ہے۔

---

[1] انعام:76

[2] شوکانی، فتح القدیر:2/152

[3] شعراء ہذیلون، دیوان الھذلیین:2/143

[4] آلوسی، روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني:4/188

[5] قرطبی، الجامع لأحكام القرآن:7/26

[6] انعام:101

[7] شوکانی، فتح القدیر:2/168

أَمِنْ رَيْحَانَةَ الدّاعي السّميع ... يورّقني وَأَصْحَابِي هُجُوعُ؟[1]

ترجمہ و تجزیہ

کیا پکار سنے جانے کی خوشی کی وجہ سے مجھے اور میرے ساتھیوں کو نیند نے چھوڑ دیا۔ کی امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں لفظ االداعی السمیع بمعنی الدعاالمسمع استعمال ہوا ہے۔ پس آیت میں لفظ بدیع بمعنی مبدع استعمال ہو سکتا ہے۔ صاحب تفسیر ایسر التفاسیر اور البحر المدید بھی بالترتیب بدیع بمعنی مبدع استعمال ہونے پر متفق ہیں۔ بديع السموات: مبدعها أي موجدها على غير مثال سابق[2] بديع:بمعنى مُبدِع[3]

﴿وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

خلیل نحوی فرماتے ہیں کہ أَنَّهَا بمعنی لعلھا استعمال ہوا ہے اور عربوں کے ہاں ایک مشہور جملہ ہے ائْتِ السُّوقَ أَنَّكَ تَشْتَرِي لَنَا شَيْئًا: أَيْ لَعَلَّكَ، یہاں انک بمعنی لعلک استعمال ہوا ہے۔[5] جیسا کہ عدی بن زید العبادی التمیمی (متوفی 602ء) کے اس شعر جاہلی میں ہے۔

أَعَاذِلُ مَا يُدْرِيكَ أَنَّ مَنِيَّتِي ... إِلَى سَاعَةٍ فِي الْيَوْمِ أَوْ فِي ضُحَى الْغَدِ[6] أَيْ لَعَلَّ مَنِيَّتِي،

مجھے افسوس ہے کہ آپ نہیں جانتے کہ شاید میری موت واقع ہو جائے آج یا کل صبح کسی لمحے۔ اور اس طرح حاتم الطائي (578ء) کے درج ذیل شعر میں بھی ہے کہ

أَرِينِي جَوَادًا مَاتَ هَزْلًا لِأَنَّنِي ... أَرَى مَا تَرَيْنَ أَوْ بَخِيلًا مُخَلَّدَا[7] أَيْ لَعَلَّنِي،

ترجمہ و تجزیہ

مجھے کوئی ایسا سخی دکھاؤ جو غربت میں مر گیا یا لافانی کنجوس دکھاؤ کیونکہ میں وہی دیکھ رہا ہوں جو تم دیکھ رہے ہو۔ امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ پہلے شعر میں أَنَّ مَنِيَّتِي دراصل لعل منیتی ہے۔ اور دوسرے شعر میں لا ننی اری دراصل لعلنی اری ہے۔ پس ثابت ہوا کہ کلام عرب میں أَنَّ بمعنی لعل کا استعمال عام ہے۔ اس لئے آیت میں بھی یہ

---

[1] زوزَنی، شرح المعلقات السبع، ص67

[2] جزائری، أيسر التفاسير لكلام العلي الكبير: 1/104

[3] فاسی صوفی، البحر المديد في تفسير القرآن المجيد: 1/157

[4] انعام: 109

[5] شوکانی، فتح القدير: 2/173

[6] ابو خطاب القرشی، جمهرة أشعار العرب، ص392

[7] حاتم، ابن عبد الله بن سعد بن الحشرج بن أمرئ القيس، ديوان حاتم الطائي (القاهرة: مكتبة الخانجي 1990ء)، ص68

مراد لینا جائز ہے۔ تفسیر بحر المدید میں ہے کہ انّ جب لعل کے معنی میں ہو تو بعض لوگوں نے اس پر وقف کی اجازت دی ہے۔ وإن كانت بمعنى: لعل، فأجاز بعض الناس الوقف، تفسیر بیضاوی میں بھی یہاں انّ بمعنی لعل بتایا گیا ہے[1] أن بمعنى لعل [2]إذ قرئ لعلها

﴿وَكَذَلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

قاری حسن نحوی نے زَيَّنَ کو فعل ماضی مجہول کے طور پر پڑھا ہے اور "قتل" کو رفع دیا نائب الفاعل ہونے کی بناء پر اور اولادھم مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہے اور شُرَكَاؤُهُمْ کو رفع دیا ہے فعل محذوف زینہ کے فاعل ہونے کی حیثیت ہے۔[4] اس کی دلیل کے طور پر ابو عقیل لبید بن ربیعہ عامری (متوفی 661ء) کا درجہ ذیل شعر پیش کیا گیا ہے۔

لِيَبْكِ يَزِيدَ ضَارِعٌ لِخُصُومَةٍ ... وَمُخْتَبِطٌ مَا تُطِيحُ الطَّوَائِحُ[5] أَيْ يَبْكِيهِ ضَارِعٌ.

ترجمہ و تجزیہ

یزید کو چاہیئے کہ گڑگڑائے اور الجھن میں پڑے ایسے جھگڑے (لڑائی) کی وجہ سے جو گروہوں کو اکھاڑ پھینکتا ہے۔ ضارع کا رفع فعل محذوف کی وجہ سے ہے اصل عبارت يَبْكِيهِ ضَارِعٌ ہے۔ تفسیر بیضاوی میں مذکور ہے کہ شرکاءھم کا رفع فعل محذوف کا فاعل ہونیکی وجہ سے آیا ہے اور اس پر زینّ فعل دلالت کرتا ہے ورفع شركاؤهم بإضمار فعل دل عليه زَيَّنَ[6]

﴿إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ﴾[7] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

ائمۃ لغت نے رَحْمَتَ اللَّهِ کی خبر قَرِيبٌ کے مذکر ہونے کے بارے میں کلام کیا ہے زجاج کا قول ہے

---

[1] فاسی صوفی، البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید: 2/58

[2] بیضاوی، أنوار التنزیل وأسرار التأویل: 2/177

[3] انعام: 138

[4] شوکانی، فتح القدیر: 2/182

[5] لَبید، دیوان لبید بن ربیعۃ العامري، ص 362

[6] بیضاوی، أنوار التنزیل وأسرار التأویل: 2/184

[7] اعراف: 56

کہ الرَّحْمَة، الرَّحِم سے مؤول ہے۔ نضر بن شُمَيْل فرماتے ہیں کہ الرَّحْمَة مَصْدر ہے بِمَعْنَى التَّرَحُّمِ۔ امام اخفش نے کہا کہ بعض مونث کی تذکیر جائز ہوتی ہے۔[1] جیسا کہ عامر بن جوین الطائی[2] کے اس شعر جاہلی میں ہے۔

فَلَا مُزْنَةَ وَدَقَتْ وَدْقَهَا ... وَلَا أَرْضَ أَبَقَلَ أَبْقَالُهَا[3]

ترجمہ و تجزیہ

کوئی گھاٹی اسکے گھاس کے میدان جیسی نہیں اور نہ ہی (اس کے مقابلے میں) کوئی ایسی زمین ہے جس کے ریوڑ سب سے زیادہ ہیں۔ ارض مؤنث ہے اور ابقل مذکر کا صغیہ ہے۔ امام فراء کہتے ہیں کہ لفظ قریب اگر مسافت کا معنی دے تو اس کی تذکیر و تانیث جائز ہے اور اگر نسب کا معنی دے تو پھر موئث پڑھا جائیگا۔ ارشاد باری ہے لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيباً[4]۔ ادھر قریب مسافت کے معنی میں ہے اس لئے تذکیر جائز ہے۔ اس طرح امْرُؤُالقَيْس (متوفی 545ء) کے شعر جاہلی میں بھی ہے کہ

له الويل إن أمسى وَلَا أُمُّ هَاشِمٍ ... قَرِيبٌ وَلَا الْبَسْبَاسَةُ ابْنَةُ يَشْكُرَا[5]

یہاں بھی مسافت کا معنی مراد ہے اس لئے قریب کی تذکیر و تانیث جائز ہے۔ آیت میں بھی مسافت کا معنی ہی مراد ہے پس وہاں بھی تذکیر و تانیث جائز ہے۔ بالترتیب بیضاوی اور بحر المدید کے مطابق قریب کی تذکیر الرحمة بمعنی الرحم کی وجہ سے ہے۔ تذكير قريب لأن الرحمة بمعنى الترحم[6] وتذكير قريب لأن الرحمة بمعنى الرحم[7]

﴿وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا﴾[8] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

اَشد جمع ہے اور اس کی واحد شدۃ آتی ہے یہ قول سیبویہ کا ہے اور امام کسائی فرماتے ہیں کہ اس کی واحد شد آتی ہے۔ اور ابو عبید کہتے ہیں الاشد ایسا لفظ ہے جسکی کلام عرب میں کوئی واحد ہی نہیں ہے۔ اور اس کا مطلب ہے

---

[1] شوکانی، فتح القدیر: 2/243

[2] عامر بن جوین الطائی ایک جاہلی شاعر اور مشہور خطیبوں میں سے ایک تھے۔ اس نے النعمان بن المنذر کے دادا المنذر بن النعمان الاکبر سے مکالمہ کیا۔ انہوں نے طویل زندگی گزاری۔ (https://www.aldiwan.net/cat-poet-ibn-gwen-tai اخذ شدہ بتاریخ 29-09-2024)

[3] خفاجی، أبو محمد عبد الله بن محمد بن سعيد بن سنان الحلبي، سر الفصاحة (دار الكتب العلمية 1982ء)، ص 84

[4] احزاب: 63

[5] امْرُؤُالقَيْس، دیوان امرئ القيس، ص 97

[6] فاسی صوفی، البحر المديد في تفسير القرآن المجيد: 2/224

[7] بیضاوی، أنوار التنزيل وأسرار التأويل: 3/16

[8] یوسف: 22

قوت وطاقت کے کے مکمل ہونے کا وقت۔[1] جاہلی شاعر عنترہ بن شداد بن العبسی المصری (608ء) کا قول ہے۔

عَهْدِي بِهِ شَدَّ النَّهَارِ كَأَنَّمَا ... خَضَبَ الْبَنَانَ وَرَأْسَهُ بِالْعِظْلِمِ[2]

ترجمہ وتجزیہ

اس کے ساتھ میرا عہد دن (نصف النہار) کی طرح مضبوط (واضح) ہے، گویا اس نے اس (عہد) کی بنیادوں اور چوٹی کو سرخ رنگ سے رنگ دیا ہے۔ شعر میں شدّ کا لفظ بطور واحد استعمال ہوا ہے۔ پس معلوم ہوا اشد کی واحد شد آتی ہے۔ اور شدّ النہار نصف النہار کو کہتے ہیں پس معلوم ہوا اشد کا مادہ تکمیل قوت وجوانی کے وقت کا معنی دیتا ہے۔ جس طرح صاحب تفسیر ایسر التفاسیر نے اس کا معنی بدنی اور عقلی قوت بیان کیا ہے أي قوته البدنية والعقلية[3] جب کوئی اپنی جوانی اور قوت کی انتہا تک پہنچ جائے تو عرب بلغ اشد کی ترکیب استعمال کرتے ہیں۔ تَقُولُ الْعَرَبُ بَلَغَ فُلَانٌ أَشُدَّهُ إِذَا انْتَهَى مُنْتَهَاهُ فِي شَبَابِهِ وَقُوَّتِهِ[4]

﴿وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

کظیم بمعنی مکظوم ہے اسم مفعول کے معنی میں ہے۔یعنی غصہ اور غم سے بھرا ہوا، غم اس کو جکڑے ہوئے ہے اور غم سے اسے چھٹکارہ نہیں مل رہا۔ اور اسی سے کظم الغیظ بھی ہے یعنی غصے و غم کو چھپانا۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کظیم بمعنی کاظم ہے یعنی اسم فاعل کے معنی میں ہے۔[6] جسطرح قیس بن زہیر (متوفی 631ء) کے اس شعر میں ہے۔

فَإِنْ أَكُ كَاظِمًا لِمُصَابِ نَاسٍ ... فَإِنِّي الْيَوْمَ مُنْطَلِقٌ لِسَانِي[7]

ترجمہ وتجزیہ

پس اگر میں لوگوں کے دکھوں کو برداشت کرتا رہا ہوں تو اسی لئے آج میری زبان آزاد ہے۔ اس شعر میں حالت غصہ و غم بیان کرنے کے لیے کاظم اسم فاعل کا صغیہ استعمال ہوا ہے پس آیت میں بھی کظیم بمعنی کاظم لینا

---

[1] شوکانی، فتح القدیر: 18/3

[2] عنترہ، دیوان عنترۃ بن شداد، ص 177

[3] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر: 601/2

[4] رازی، مفاتیح الغیب: 436/18

[5] یوسف: 84

[6] شوکانی، فتح القدیر: 58/3

[7] ایضا: 144/6

درست ہے۔ صاحب تفسیر بحر المدید اور قرطبی نے بھی اس کو اسم فاعل کے معنی میں لیا ہے۔ بمعنى فاعل[1] وَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ الْمَكْظُومُ بِمَعْنَى الْكَاظِمِ،[2]

﴿قَالُوا تَاللَّهِ تَفْتَأُ تَذْكُرُ يُوسُفَ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

تَفْتَأُ اصل میں لا تَفْتَأُ ہے۔ حرف نفی کو حذف کر دیا کیونکہ التباس کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ امام کسائی کا قول ہے فتات و فتئت افعل کا مطلب ہے مازلت افعل کذا۔ امام فراء کہتے ہیں کہ تَفْتَأُ سے پہلے لا نفی مضمرہ ہے، امام خلیل اور سیبویہ نے بھی امام فراء کی طرح لا مضمرۃ مانا ہے۔[4] اس کا استشہاد امرُؤُالقَیس (متوفی 545ء) کے درج ذیل شعر جاہلی سے کیا گیا ہے۔

فَقُلْتُ يَمِينَ اللَّهِ أَبْرَحُ قَاعِدًا ... وَلَوْ قَطَعُوا رَأْسِي لَدَيْكِ وَأَوْصَالِي[5]

ترجمہ و تجزیہ

تو میں نے کہا، "خدا کی قسم" اور میں بیٹھا رہوں گا تیرے پاس چاہے وہ میرا سر اور اعضاء کاٹ دیں۔ اس شعر میں ابرحُ سے پہلے لا نفی محذوف ہے اور یہاں بھی عدم التباس کی وجہ سے حرف نفی کو محذوف مانا گیا ہے اصل میں مابرح تھا۔ تفسیر ایسر التفاسیر نے اس کو لاتزال کے معنی میں لکھا ہے۔ أي والله لا تزال تذكر يوسف[6] اس طرح تفسیر بحر المدید نے بھی اسی بات کی تائید کی ہے۔ لا تزال تَذْكُرُ يُوسُفَ[7]

﴿إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ﴾[8] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

جمہور قراء کے نزدیک يَتَّقِ جزم کے ساتھ پڑھا گیا ہے کیونکہ من شرطیہ ہے اور ابن کثیر نے اس کو یاء کے اثبات کے ساتھ پڑھا ہے کہ کبھی حرف جازم کے باوجود حرف علت ساقط نہیں ہوتا۔[9]

---

[1] فاسی صوفی، البحر المدید في تفسیر القرآن المجید:2/620

[2] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن:9/249

[3] یوسف:85

[4] شوکانی، فتح القدیر:3/58

[5] امرُؤُالقَیس، دیوان امرئ القیس، ص137

[6] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر:2/640

[7] فاسی الصوفی، البحر المدید في تفسیر القرآن المجید:2/621

[8] یوسف:90

[9] شوکانی، فتح القدیر:3/62

قیس بن زہیر (متوفی 631ء) کا یہ شعر اس کی تائید کرتا ہے۔

إلم يَأْتِيكَ وَالْأَنْبَاءُ تَنْمِي ... بِمَا لَاقَتْ لَبُونُ بَنِي زِيَادِ [1]

ترجمہ و تجزیہ

بنی زیاد کی آبادیوں کو کیا ہو گیا کہ وہ آپ کے پاس نہیں آتے حالانکہ (ان کے بارے) مختلف خبریں گردش کر رہی ہیں۔ لم حرف جازم نے یاتی کے آخر سے حرف علت یاء کو نہیں گرایا۔ ابن کثیر نے اس کی دلیل پکڑی ہے لیکن یہ شاذ ہے۔ تفسیر البحر المدید کے مطابق جس نے یتقی یاء کے ساتھ پڑھا ہے اس نے حرف من کو شرطیہ کے بجائے موصولہ مانا ہے۔ من قرأ بالياء: أجرى الموصول مجرى الشرط لعمومه وإبهامه[2] یہی بات قرطبی میں بھی ہے یتقی کو یاء کے ساتھ پڑھنا جائز ہے اس شرط پر کہ من کو بمعنی الذی لیا جائے اور یتقی کو اس کا صلہ قرار دیا جائے ۔قَرَأَ ابْنُ كَثِيرٍ:" إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِي" بِإِثْبَاتِ الْيَاءِ، وَالْقِرَاءَةُ بِهَا جَائِزَةٌ على أن تجعل مَن" بِمَعْنَى الَّذِي، وَتَدْخُلُ" يَتَّقِي" فِي الصِّلَةِ[3]

﴿وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتَى﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

جواب "لو" کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے امام فراء کہتے ہیں لو کا جواب محذوف ہے اور وہ ہے لكان هذا القران۔ اور ایک قول یہ بھی ہے اس کا جواب لما امنوا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا جواب مقدم ہے یعنی وهم يكفرون بالرحمن لو ان قرا نا --- الخ۔ یعنی کلام میں تقدیم و تاخیر ہے اور امام شوکانی نے امام فراء کے قول کی تائید میں فرماتے ہیں کہ عرب لوگ اکثر لو کا جواب حذف کر دیتے ہیں۔[5] اور اس کی نظیر میں امرُؤُ القَيْس (متوفی 545ء) کا درج ذیل شعر پیش کرتے ہیں۔

فَلَوْ أَنَّهَا نَفْسٌ تَمُوتُ جَمِيعَةً ... وَلَكِنَّهَا نَفْسٌ تُسَاقِطُ أَنْفُسًا[6]

---

[1] قیروانی، عبد الكريم النهشلي، الممتع في صنعة الشعر (مصر: منشأة المعارف)، ص39 (یہ شعر قیس بن زہیر کا ہے۔)

[2] فاسی الصوفی، البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید: 2/622

[3] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: 9/257

[4] رعد: 31

[5] شوکانی، فتح القدیر: 3/100

[6] امرُؤُ القَيْس، دیوان امرئ القیس، ص112

ترجمہ و تجزیہ

کیونکہ اگر یہ ایک روح ہوتی تو مکمل مر جاتی۔ لیکن یہ ایک روح ہے جو دوسری روحوں کو گراتی ہے۔ اس شعر میں لو کا جواب محذوف ہے اور وہ لکان علی ذالک۔ پس معلوم ہوا آیت میں لو کا جواب محذوف ہی ہے۔ اس بات کی تائید تفسیر نسفی اور ایسر التفاسیر دونوں میں بالترتیب موجود ہے۔ أي لكان هذا القرآن[1] فجواب لو محذوف لكان هذا القرآن[2]

﴿أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

النبأ بمعنی خبر کے استعمال ہوتا ہے اور نبا کی جمع الابناء آتی ہے۔[4] جس طرح شاعر قیس بن زہیر (متوفی 631ء) کا قول ہے

أَلَمْ تَأْتِيكَ وَالْأَنْبَاءُ تُنْمَى ... بِمَا لَاقَتْ لَبُونُ بَنِي زِيَادٍ[5]

ترجمہ و تجزیہ

بنی زیاد کی آبادیوں کو کیا ہو گیا کہ وہ آپ کے پاس نہیں آتے حالانکہ (ان کے بارے) مختلف خبریں گردش کر رہی ہیں۔ اس شعر میں الانباء بمعنی الأخبار استعمال ہوا ہے اور اس کی واحد النبأ آتی ہے جو آیت میں استعمال ہوئی ہے۔ تفسیر قرطبی نے بھی النبأ کی جمع الانباء بتائی ہے۔ النَّبَأُ الْخَبَرُ، وَالْجَمْعُ الْأَنْبَاءُ[6]

﴿فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى﴾[7] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

اعمی اسم تفضیل کا صیغہ ہے مطلب ہے بہت زیادہ اندھا۔ اعمی مبنی ہو گا اگر اس سے مراد عمی القلب ہو گا کیونکہ یہ عمی العین کے بارے میں نہیں کہا جاتا یعنی اسم تفضیل کا صیغہ استعمال نہیں ہوتا۔ خلیل اور سیبویہ کا قول ہے کہ اسم تفضیل کا صیغہ آنکھ کے اندھے کے لئے استعمال نہیں ہوتا کیونکہ آنکھ بمنزلہ ہاتھ اور پاؤں کے پیدا کی گئی

---

[1] جزائری، أيسر التفاسير لكلام العلي الكبير: 3/29

[2] نسفی، تفسير النسفي: 2/155

[3] ابراہیم: 9

[4] شوکانی، فتح القدير: 3/114

[5] قیروانی، الممتع في صنعة الشعر، ص 39

[6] قرطبی، تفسير القرطبي: 9/344

[7] بنی اسرائیل: 72

ہے۔اور کیونکہ مااعماہ اور مااِیداہ نہیں بولا جاتا ہے۔ فراء سے روایت ہے کہ انہوں نے بعض عربوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ مَا أَسْوَدَ شَعَرَهُ[1]-اسی طرح کاشاعر طرفہ بن العبد (متوفی 569ء) کا قول بھی ہے۔

أَمَّا الْمُلُوكُ فَأَنْتَ الْيَوْمَ أَلْأَمُهُمْ ... لُؤْمًا وَأَبْيَضُهُمْ سِرْبَالَ طَبَّاخِ[2]

ترجمہ وتجزیہ

رہی بات بادشاہوں کی تو آج تو ان کا سب بڑا ناقد ہے اور تو ان سب میں باورچی کے لباس سے بھی زیادہ سفید ہے۔ تفسیر یحیی بن سلام اور تفسیر مظہری نے بھی اس سے مراد قلب کا اندھا لیا ہے۔أَعْمَى الْقَلْبِ[3] المراد بالعمى هاهنا عمى القلب[4]

﴿وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

ترید واحد مونث مخاطب کا صیغہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں ترید میں ضمیر کا مرجع العین ہو گا اور عبارت یوں گی مُرِيدَةً زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا۔ اور ارادہ کی اسناد عینین کی طرف بطور مجاز ہو گی اور وحدت ضمیر دونوں آنکھوں کے تلازم کی وجہ سے ہو گی۔ یعنی آنکھیں ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہوتی ہیں۔[6] جیسا کہ امرُ وُالقَیس (متوفی 545ء) کے اس شعر جاہلی میں ہے۔

لمن زحلوقة زلّ ... بِهَا الْعَيْنَانِ تَنْهَلُّ[7]

ترجمہ وتجزیہ

جس کے پاس برف کے اوپر پھسلنے والا آلہ ہے وہ اس کے ساتھ پھسل جاتا ہے آنکھیں سیر اب ہو جاتی ہیں۔ العینان تثنیہ ہے لیکن تنھل فعل واحد مؤنث استعمال ہوا ہے اور اس میں ضمیر لا محالہ عینان کی طرف راجع ہے تلازم عینین کی وجہ سے۔ پس ثابت ہوا کہ آیت میں بھی ترید کو واحد مؤنث کا صغیہ مان کر ضمیر مؤنث کو عینان کی طرف راجع کرنا جائز ہے۔ اور بطور مجاز ارادہ کی نسبت عینین کی طرف کرنا بھی جائز ہے۔

---

[1] شوکانی، فتح القدیر:3/293

[2] میدانی، مجمع الأمثال:1/78

[3] ابن سلام، تفسیر یحیی بن سلام:1/151

[4] مظہری، التفسیر مظہری:5/461

[5] کہف:28

[6] شوکانی، فتح القدیر:3/334

[7] امرؤالقیس، دیوان امرئ القیس، ص472

﴿لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

اس کی اصل لکن انا ہے۔ ہمزہ کو حذف کر دیا اس کی حرکت ما قبل نون ساکن کو دے دی۔ تو لکننا بن گیا۔ اجتماع نونین کا پڑھنا ثقیل ہو گیا تو پہلی کو ساکن کر کے دوسری میں مدغم کر دیا۔ وَأَصلُهُ لَكِنَّ أَنَا حُذِفَتِ الْهَمْزَةُ وَأُلْقِيَتْ حَرَكَتُهَا عَلَى النُّونِ السَّاكِنَةِ قَبْلَهَا فَصَارَ لَكِنَّنَا، ثُمَّ اسْتَثْقَلُوا اجْتِمَاعَ النُّونَيْنِ فَسُكِّنَتِ الْأُولَى وَأُدْغِمَتِ الثَّانِيَةُ اس لئے لکنا کا الف حالت وصل اور حالت وقف دونوں میں ثابت رکھنا جائز ہے۔[2] اس کی دلیل میمون بن قیس بن جندل بن شراحیل بن عوف بن سعد بن ضُبیعہ المعروف اعشی قیس (متوفی 629ء) کا یہ شعر ہے۔

فكيف أنا وانتحال القوافي ... بعد الشَّيْبِ يَكْفِي ذَاكَ عَارَا[3]

ترجمہ و تجزیہ

تو میں نظموں کی نقل کیسے کر سکتا ہوں بڑھاپا آنے کے بعد ایسا کرنا رسوائی کے لیے کافی ہے۔

انا کا الف حالت وصل قائم ہے اور عارا کا الف حالت وقف میں قائم ہے۔ پس معلوم ہوا الف کا حالت وصل و وقف دونوں میں قائم رکھنا عربی لغت میں جائز ہے پس لکنا میں بھی یہی چیز جائز ہو گی۔ صاحب لسان العرب اور مختار الصحاح نے بھی اس کی اصل لکن انا لکھی ہے اور پھر صرفی قاعدہ کے تحت لکنا بن گیا۔ أَصْلُهُ لَكِنْ أَنَا فَحُذِفَتِ الْأَلِفُ فَالْتَقَتْ نُونَانِ فَجَاءَ التَّشْدِيدُ لِذَلِكَ[4] أصله لكنْ أَنا، فَحُذِفَتِ الأَلف فَالْتَقَتْ نُونَانِ فَجَاءَ التَّشْدِيدُ لِذَلِكَ[5]

﴿لَا أَبْرَحُ حَتَّى أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

لا ابرح بمعنی لا ازال ہے۔ اور برح جب زال کے معنی میں استعمال ہو تو یہ افعال ناقصہ میں سے ہوتا ہے۔ اور اس کو اسم اور خبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ لا ابرح میں اسم کو انا ضمیر متکلم ہے لیکن خبر محذوف ہے کیونکہ اس کے بعد والا جملہ حتی ابلغ اس پر دلالت کر رہا ہے۔ یعنی لاابرح مسا فرا۔[7] اس کا استشہاد اوس بن مغراء (متوفی 695ء) کے درج ذیل شعر سے کیا گیا ہے۔

---

[1] کہف:38

[2] شوکانی، فتح القدیر:3/340

[3] اعشی، دیوان اعشی، ص103

[4] رازی، مختار الصحاح، ص284

[5] ابن منظور، لسان العرب:13/391

[6] کہف:60

[7] شوکانی، فتح القدیر:3/352

وَأَبْرَحُ مَا أَدَامَ اللَّهُ قَوْمِي ... بِحَمْدِ اللَّهِ مُنْتَطِقًا مُجِيدَا[1]

اور میں تب تک اللہ کی تعریف بزرگی والے کلام کے ساتھ کرتا رہوں گا، جب تک خدا میرے لوگوں کو برقرار رکھے گا۔ یہاں بھی ابرح بمعنی مازال استعمال ہوا ہے۔ لا ابرح یہاں ناقصہ ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ تفسیر بحر المدید کا مؤقف بھی یہی ہے کہ لا أَبْرَحُ: ناقصة، وخبرها: محذوف:[2] تفسیر قرطبی نے بھی اس کو لا ازال اسیر کے معنی میں لیا ہے۔أَيْ لَا أَزَالُ أَسِيرُ[3]

[1] انباری، شرح القصائد السبع الطوال الجاھلیات، ص314

[2] فاسی صوفی، البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید: 3/284

[3] قرطبی، تفسیر قرطبی: 11/9

فصل دوم: منصوبات سے متعلق استشہاد بالشعر

منصوبات سے مراد بارہ چیزیں ہیں جو منصوب پڑھی جاتی ہیں اور وہ یہ ہیں۔

مفعول مطلق، ۲-مفعول بہ، ۳-مفعول لہ، ۴-مفعول فیہ، ۵-مفعول معہ، ۶-حال، ۷-تمیز، ۸-مستثنیٰ، ۹-اِنّ حروف مشبہ بالفعل کا اسم، ۱۰-کان افعال ناقصہ کی خبر، ۱۱-ماولا مشابہ بلیس کی خبر، ۱۲-لائے نفی جنس کا اسم۔[1] یہ فصل منصوبات سے متعلق استشہاد بالشعر الجاہلی کو بیان کریگی۔

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ﴾[2] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

صاحب تفسیر فرماتے ہیں امام فراء اور دیگر نحویوں کی ایک پوری جماعت کے نزدیک اصل عبارت یوں ہے ۔"أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ بِأَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ وَبِأَنْ تُحْسِنُوا بِالْوَالِدَيْنِ...الخ" پھر ان مصدریہ ناصبہ کو حذف کر دیا اور فعل "لاتعبدوا" کو حالت نصبی میں ذکر کرنے کے بجائے حالت رفعی میں ذکر کر دیا ہے یعنی "تعبدون"، ذکر کر دیا[3]۔ اس بات پر امام مبرد نے اعتراض اٹھایا کہ لفظ تعبدون کو حالت رفعی میں ذکر کرنا خطاہے کیونکہ عربی میں یہ قاعدہ ہے کہ جو بھی چیز پوشیدہ ہو وہ ظاہر کی طرح عمل کرتی ہے یعنی ان ناصبہ محذوف بھی مذکور کی طرح عمل کرے گا اور لفظ تعبدون حالت نصبی میں ہی آئے گا[4]۔ امام شوکانی نے اس اعتراض کے جواب میں امام قرطبی کا یہ قول نقل کیا کہ یہ خطا نہیں ہے بلکہ اس میں دونوں صورتیں جائز ہوتی ہیں یعنی جب حروف عاملہ مضمر ہوں تو لفظاً عمل کریں تب بھی جائز ہے اور اگر عامل نہ ہوں تب بھی جائز ہے۔[5] امام شوکانی نے اپنے بیان کردہ اس قاعدہ کی تائید میں طرفہ بن العبد (متوفی 569ء) کا درج ذیل شعر پیش کیا ہے۔

ألا أيها الزاجري أخضر الْوَغَى ... وَأَنْ أَشْهَدَ اللَّذَّاتِ هَلْ أَنْتَ مُخْلِدِي[6]

---

[1] نوری، تسہیل النحو، 47

[2] بقرہ: 83

[3] شوکانی، فتح القدیر: 1/126

[4] تبریزی، شرح القصائد العشر، ص82

[5] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن: 2/13

[6] طرفۃ، دیوان طرفۃ بن العبد، ص25

ترجمہ و تجزیہ

اے مجھے جنگ میں جانے پہ زجر و توبیخ کرنے والے اور لذات میں شریک ہونے پر ابھارنے والے (مجھے بتا) کیا تو ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔ اس شعر میں اصل عبارت "أن أخضر الْوَغَى وَأَنْ أَشْهَدَ اللَّذَّاتِ" تھی، پہلے مصرعے میں ان مصدریہ کو حذف کر دیا اب أخضرَ نصب اور أخضرُ رفع دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ شرح المفصل کے مصنف ابن یعیش کا قول ہے کہ اس شعر میں اصل عبارت "أن أحضر" ہے لیکن جب ان مصدریہ کو حذف کر دیا گیا تو فعل کو رفع دے دیا گیا اگرچہ معناً "أن" یہاں پہ مراد ہے۔ "المراد أن أحضر فلما حذف أن ارتفع الفعل وان كانت مرادة"۔[1] امام زمحشری فرماتے ہیں کہ اس شعر میں أحضر کو أن مضمرہ کے ساتھ منصوب اور مرفوع دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ روی "أحضر" منصوبا بإضمار أن، ومرفوعا على إهمالها۔[2] علامہ ابن منظور اس کی تائید میں فرماتے ہیں کہ جب أن مصدریہ حذف ہو جائے تو نصب اور رفع دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ "كَذَلِكَ إِذَا حذفْتَها، فَإِنْ شِئْتَ نَصَبْتَ، وَإِنْ شِئْتَ رَفَعْتَ"۔[3]

﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

یہاں شطر سے ایک کونہ یا جہت یعنی سمت مراد ہے۔ یہاں شطر حالت نصبی میں ہے اور اس کو نصب دینے والا عامل اس کی حالت ظرفیت ہے۔ اور ظرف ہمیشہ منصوب ہوتی ہے۔[5] مذکورہ معنی اور اعرابی حالت کی دلیل مصنف علیہ الرحمہ نے ابو زنباع جذامی کے درج ذیل شعر سے پکڑی ہے۔

أَقُولُ لِأُمِّ زِنْبَاعَ أَقِيمِي ... صُدُورَ الْعِيسِ شَطْرَ بَنِي تَمِيمِ[6]

ترجمہ و تجزیہ

میں ام زنباع سے کہتا ہوں سفید اونٹوں کے منہ قبیلہ بنی زنباع کی طرف کر کے کھڑے کرو۔ شعر کے آخر میں شَطْرَ بَنِي تَمِيمِ کا مرکب اضافی استعمال ہوا ہے یہاں پہ شطر جہت اور سمت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور یہاں

---

[1] ابن الصانع، شرح المفصل:4/28

[2] زمحشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل:1/159

[3] ابن منظور، لسان العرب:13/32

[4] البقرۃ:144

[5] شوکانی، فتح القدیر:1/178

[6] مرزوقی، شرح دیوان الحماسۃ، ص500

بھی ظرفیت کی بناء پر منصوب ہے۔ اسی طرح درج ذیل شعر بھی امام شوکانی نے بطور دلیل پیش کیا ہے۔

أَلَا مِنْ مُبَلِّغٍ عَمْرًا رَسُولًا ... وَمَا تُغْنِي الرِّسَالَةُ شَطْرَ عَمْرٍو[1]

ترجمہ و تجزیہ

کیا کوئی ایسا نہیں ہے جو عمر کی طرف پیغام رساں بن کر جائے۔ حالانکہ عمرو کو اس پیغام کا کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ دوسرے مصرے میں شطر عمرو کا مرکب اضافی محل استشہاد ہے۔ یہاں پہ بھی شطر جہت اور سمت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور یہاں بھی ظرفیت کی بناء پر منصوب ہے۔ علماء کرام کے درجذیل اقوال بھی اسی معنی پہ شاہد ہیں۔ الجواھر الحسان فی تفسیر القرآن کے مصنف لکھتے ہیں کہ شَطْرَ: نصبٌ على الظرف، ومعناه: نحو، وتلقاء[2] اور لسان العرب میں ہے کہ يُرِيدُ نَحْوَهُ وَتِلْقَاءَهُ[3] اسی طرح المنجد میں شَطْرُه سے مراد نَحْوُه ہے۔[4]

﴿يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

ابن کثیر اور ابو عمرو نے "لَا" کو لاء نفی جنس مانا ہے اور "لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ" کو نصب بغیر تنوین کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ لاء نفی جنس کا اسم منصوب ہوتا ہے۔ باقی قراء نے لاء کو عام لاء نافیہ مانا ہے اور بیع، خلۃ، اور شفاعۃ کو تنوین کے ساتھ مرفوع پڑھا ہے یوم کی صفت کی حیثیت سے۔ امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کلام عرب میں دونوں اقوال کی دلیلیں موجود ہیں۔[6] نصب کے ساتھ بغیر تنوین یعنی لاء کو لاء نفی جنس کے طور پر ذکر کرنے کی مثال حضرت حسان بن ثابت بن منذر بن حرام (متوفی 647ء) کا درج ذیل شعر ہے۔

أَلَا طِعَانٌ ولا فرسان عادية ... إلا تجشؤكم حَوْلَ التَّنَانِيرِ[7]

ترجمہ و تجزیہ

خبر دار نہ کوئی نیزہ اور نہ کوئی عام بہادر (جرات کر سکتا ہے) اگر تنوروں کے پاس تمہاری آوازیں نہ ہوں۔ شعر میں لاَ طعان وَلاَ فرسانَ کے کلمات محل استشہاد ہیں کیونکہ اسم پر لاَ نفی جنس داخل ہے اور طعان اور فرسان اس کا اسم ہونے

---

[1] شوکانی، فتح القدیر: 6/150

[2] ثعالبی، الجواھر الحسان في تفسیر القرآن: 1/328

[3] ابن منظو، لسان العرب: 4/408

[4] علي بن الحسن، المنجد: ص235

[5] بقرہ: 254

[6] شوکانی، فتح القدیر: 1/310

[7] امیل بدیع یعقوب، المعجم المفصل في شواھد العربیۃ، 3/577

کے ناطے بغیر تنوین کے منصوب ہیں۔ مرفوع ہونے کی دلیل شاعر کا درج ذیل شعر ہے۔

وَمَا صَرَمْتُكِ حَتَّى قُلْتِ مُعْلِنَةً ... لَا نَاقَةٌ لِيَ فِي هَذَا وَلَا جَمَلُ[1]

ترجمہ و تجزیہ

میں نے تمہارے ساتھ قطع تعلق تو نہیں کیا کہ تم نے یہ اعلان کر دیا کہ اس (ریوڑ) میں نہ کوئی اونٹ اور نہ کوئی اونٹنی میری ملکیت ہے۔ دوسرے مصرعے میں لَا نَاقَةٌ کو وَلَا جَمَل کے الفاظ تنوین کے ساتھ مرفوع ہیں۔ یہاں لاَ نافیہ ہے۔ اسی طرح درج ذیل اقوال علماء بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر کے مصنف فرماتے ہیں کہ "قرأها ابن كثير، وأبو عمرو بالنصب من غير تنوين[2] أنوار التنزیل وأسرار التأویل کے مصنف فرماتے ہیں کہ "وإنما رفعت ثلاثتها مع قصد التعميم لأنها في التقدير جواب: هل فيه بيع؟ أو خلة؟ أو شفاعة؟ وقد فتحها ابن كثير وأبو عمرو ويعقوب على الأصل"[3]

﴿وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

صاحب تفسیر ''يَعْلَمُهُ'' کی "ہ" ضمیر کے مرجع کے ذکر میں کچھ اس طرح گویا ہیں۔ ضمیر کا مرجع دو چیزیں ہیں نفقہ اور نذر لیکن اس کے باوجود اللہ کریم نے ضمیر واحد ذکر کی ہے۔ کیونکہ اصل عبارت "وَماَ انفقتم من نفقة فان الله يعلمه او نذرتم من نذر فان الله يَعْلَمُهُ" لیکن پھر دوسری عبارت کی موجودگی میں پہلی کو خذف کر دیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اگر عطف أو کے حرف کے ساتھ ہو تو پھر ضمیر واحد اور تثنیہ دونوں جائز ہوتی ہیں۔ جس طرح درجہ ذیل آیات میں ہے۔ ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا﴾[5] اور ﴿وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيئًا﴾[6] اور تثنیہ کی مثال جس طرح درجہ ذیل آیت میں ہے۔ ﴿إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَى بِهِمَا﴾[7] امام شوکانیؒ

---

[1] رائنھرت فایبرت، دیوان الراعي النمیري، ص198

[2] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر: 1/141

[3] بیضاوی، أنوار التنزیل وأسرار التأویل: 1/153

[4] بقرہ: 270

[5] جمعہ: 11

[6] نساء: 112

[7] نساء: 135

آخر میں فرماتے ہیں کہ اگر عطف واؤ کے ساتھ بھی ہو تو بھی دو مرجعوں کے لئے ضمیر واحد ذکر کرنا جائز ہے۔[1] بطور دلیل جاہلی شاعر امرُؤُالقَیس (متوفی 545ء) کا درج ذیل شعر پیش کیا ہے۔

فَتُوضِحَ فَالْمِقْرَاةِ لَمْ يَعْفُ رَسْمُهَا ... لِمَا نسجتها مِنْ جَنُوبٍ وَشَمْأَلِ[2]

ترجمہ و تجزیہ

مقام توضح اور مقراۃ کے نشانات کو شمال و جنوب سے چلنے والی ہواؤں نے نہیں مٹایا۔ توضح اور مقراۃ دو مقامات ہیں اور ضمیر واحد کی ہے۔ اسی طرح حضرت حسان بن ثابت بن منذر بن حرام (متوفی 647ء) کا یہ شعر بھی اسی معنی میں ہے۔

نَحْنُ بِمَا عِنْدَنَا وَأَنْتَ بِمَا ... عِنْدَكَ رَاضٍ وَالرَّأْيُ مُخْتَلِفُ [3]

ترجمہ و تجزیہ

جو ہمارے پاس ہے ہم اس پہ راضی ہیں اور جو آپ کے پاس ہے آپ اس پہ راضی ہیں اور سب کی رائے مختلف ہے۔ اس شعر میں راض دراصل راضون ہے یعنی جمع کی جگہ واحد ذکر کر دیا اور مراجع میں عطف واؤ کے ساتھ ہے۔ امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ صاحب تفسیر ایسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر کے نزدیک بھی اس کا مطلب یہ ہے۔"في الآية إيجاز بليغ إذ التقدير: وما أنفقتم من نفقة فإن الله يعلمها، أو نذرتم من نذر فإن الله يعلمه، فحذف من الأول لدلالة الأخير عليه تجنباً للتكرار المنافي لبلاغة الكلام"۔[4] اور صاحب تفسیر قرطبی کے نزدیک بھی اس کا مطلب یہ ہے "يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ التَّقْدِيرُ: وَمَا أَنْفَقْتُمْ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ وَتَعُودُ الْهَاءُ عَلَى "مَا"[5]

﴿قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام خلیل وسیبویہ اور تمام بصری علماء نحو کے نزدیک "اللَّهُمَّ" دراصل یااللہُ ہے۔ لفظ اللہ کو جب حرف نداء کے بغیر استعمال کیا گیا تو حرف نداء کے بدلے میں اس کے آخر میں م مشددہ کا اضافہ کر دیا گیا۔ حرف نداء میں یاء اور

---

[1] شوکانی، فتح القدیر: 1/333

[2] امرُؤُالقَیس، دیوان امرئ القیس، ص22

[3] حسان، دیوان حسان بن ثابت، ص168

[4] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر: 1/263

[5] قرطبی، تفسیر قرطبی: 1/331

[6] آل عمران: 26

الف چونکہ دو حروف تھے اسی لئے دو میموں کا اضافہ کیا گیا اور "اللَّهُمَّ" کی ہاء پر جو ضمہ ہے وہ منادی مفرد کا اپنا اعراب ہے جو کہ رفع ہی ہوتا ہے۔ امام فراء اور کوفی علماء نحو کا خیال یہ ہے کہ "اللَّهُمَّ" کی اصل "يا اللَّهُ أُمَّنَا بخير" ہے ۔بذریعہ حذف دو کلمات کو خلط ملط کر دیا۔ اور "اللَّهُمَّ" کی ہاء پر جو ضمہ ہے وہ وہ ہے جو امنا میں ہے جب ہمزہ کو حذف کیا گیا تو اس کی حرکت منتقل کر دی گئی۔ کوفی علماء نے دلیل یہ دی ہے میم مشددہ یاء حرف نداء کے مقابلہ میں نہیں ہے کیونکہ کبھی کبھار "اللَّهُمَّ" پر بھی حرف نداء آجاتا ہے۔[1] کوفیوں نے شاعر کا درجہ ذیل قول بطور دلیل پیش کیا ہے کہ اس "اللَّهُمَّ" پر یاء حرف نداء آیا ہے۔ ابو خراش ہذلی متوفی (641ء) کا یہ شعر اس کی مثال ہے۔

إِنِّي إِذَا مَا حَدَثٌ أَلَمَّا ... أقول يا اللهمّ يا اللهمّا[2]

ترجمہ و تجزیہ

بے شک جب بھی مجھے کوئی درد لاحق ہوتا ہے تو میں کہتا ہوں اللہم اللہم۔ اس شعر کے دوسرے مصرعے میں اللہم پر یاء حرف نداء داخل ہے۔ قول فیصل کے طور پہ امام نحاس[3] فرماتے ہیں کہ اس معاملہ میں کوفی خطاء عظیم پر ہیں اور اس معاملے میں درست بات وہی ہے جو امام خلیل فراہیدی اور سیبویہ نے کی ہے۔ امام زجاج فرماتے ہیں جو شعر بطور دلیل پیش کیا گیا ہے وہ قاعدہ شاذہ کے زمرے میں آتا ہے اور یہ معروف نہیں ہے۔[4] امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ صاحب تفسیر أیسر التفاسیر لکلام العلي الكبير فرماتے ہیں کہ اللهُمَّ کی اصل يا الله ہے۔ ثم حذف حرف النداء "يا" وعوض عنه الميم المشددة وهو خاص بنداء الله تعالى۔[5] امام راغب أصفہانی فرماتے ہیں کہ اللهم کی اصل يا الله ہے۔الميمان بدل من ياء، ولا يستعمل ذلك إلا في هذه اللفظة فقط[6]

---

[1] شوکانی، فتح القدیر: 1/ 378

[2] امیل بدیع یعقوب، المعجم المفصل في شواهد العربية، 12/ 82

[3] ابو جعفر احمد بن محمد بن اسماعیل نحاس مصری نحو کے امام اور مفسر قران ہیں۔ نحو میں آپکی مشہور تصنیف التفاحۃ کے نام سے موسوم ہے۔ آپکی وفات 338ھ میں مصر میں ہوئی۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان وابناء الزمان: 1/ 104

[4] شوکانی، فتح القدیر: 1/ 378

[5] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الكبير: 1/ 303

[6] راغب اصفہانی، أبو القاسم الحسین بن محمد، تفسیر الراغب الأصفهاني (جامعة طنطا: كلية الآداب 1999ء) 2/ 489

﴿وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

صاحب تفسیر نے "يُؤَدِّهِ" مین ہ ضمیر مفعول بہ کے اعراب سے متعلق درج ذیل اقوال بیان کئے ہیں۔ ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ ابو عمرو، اعمش، حمزہ وعاصم اور ابو بکر کی روایت کے مطابق یہ سب ہ ضمیر کے سکون پر متفق ہیں۔ جبکہ امام نحاس فرماتے ہیں بعض نحویوں کے نزدیک "ہ" ضمیر کو سکون کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں ہے سوائے ضرورت شعری کے لیکن دوسرے بعض نے تو ضرورت شعری کی بھی اجازت نہیں دی اور مطلقا اس کو ممنوع قرار دیا۔ لیکن امام فراء فرماتے ہیں اہل لغت کا مذہب سکون الھاء کے ساتھ ہے جب "ہ" ضمیر کا ما قبل متحرک ہو جیسے عرب بولتے ضربته ضربا شديدا۔ اور جس طرح انتم اور قمتم میں میم کو ساکن پڑھتے ہیں۔[2] امام فراء نے درجہ ذیل شعرہ ضمیر کے ساکن ہونے پہ بطور دلیل پیش کیا ہے۔

لَمَّا رَأَى أَنْ لَا دَعَهْ وَلَا شِبَعْ ... مَالَ إِلَى أَرْطَاهْ حِقْفٍ فَاضْطَجَعْ[3]

ترجمہ و تجزیہ

جب وہ ریتلے علاقے کے انگور نما پھلوں والے درخت کی طرف متوجہ ہوا تو زمین کی طرف جھک گیا تو اس نے دیکھا کہ اس میں نہ اطمئنان ہے اور نہ بھوک۔ اس شعر کے پہلے مصرعے میں لفظ دَعَهْ اصل میں دَعَةُ ہے لیکن اس کو "ہ" ضمیر کے سکون کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اس طرح آیت میں بھی "يُؤَدِّهِ" کو "ہ" ضمیر کے سکون کے ساتھ پڑھنا جائز ہے۔ امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال مفسرین سے بھی ہوتی ہے۔ صاحب تفسیر البیضاوی فرماتے ہیں کہ قرأ حمزة وأبو بكر وأبو عمرو يؤده إليك بإسكان الهاء[4] صاحب تفسیر البحر المدید في تفسیر القرآن المجید فرماتے ہیں کہ "من قرأ بإسكان الضمير فلأنه أقامه مقام المحذوف فجزمه عوضاً عنه، وقال الفراءمذهب بعض العرب يسكنون الهاء إذا تحرك ما قبلها"۔[5]

---

[1] ال عمران:75

[2] شوکانی، فتح القدیر:1/405

[3] معری، أبو العلاء أحمد بن عبد الله بن سلیمان، رسالۃ الغفران (مصر: مطبعۃ أمین ھندیۃ 1907ء)، ص 142

[4] بیضاوي، تفسیر البیضاوي:2/54

[5] فاسی صوفی، البحر المدید في تفسیر القرآن المجید:1/370

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

صاحب تفسیر لفظ "الْأَرْحَامَ" کی اعرابی حالت کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام نخعی، قتادہ، اعمش اور حمزہ نے اس کا عطف ہ ضمیر مجرور پر کرتے ہوئے اس کو جر کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی نحویوں نے اس کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ بصریوں کے نزدیک تو یہ لحن (غلطی) ہے اس کو جر کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اور کوفیوں کے نزدیک یہ قرات قبیحہ ہے اور مام سیبویہ نے اس قبح کی توجیہ یہ بیان فرمائی ہے کہ ضمیر مجرور تنوین کے مقام میں ہے اور تنوین پر عطف کرنا جائز نہیں ہے۔ امام زجاج اور ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ اسم ظاہر کو اسم مضمر مجرور پر عطف کرنا جائز نہیں سوائے اس کے حرف جر بھی دوبارہ ذکر کیا جائے۔[2] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ ٱلْأَرْضَ﴾[3] اور امام سیبویہ نے اس کو ضرورت شعری کے تحت جائز قرار دیا ہے۔[4] ضمیر مجرور کا عطف اسم ظاہر پر کرنا عربوں کے ہاں جائز ہے۔ جیسا کہ عمرو بن معد یکرب (متوفی 642ء) کے اس شعر میں ہے۔

فاليوم قربت تهجونا وتشتمنا... فَاذْهَبْ فَمَا بِكَ والأيّام من عجب[5]

ترجمہ و تجزیہ

آج تم ہمیں لعن طعن کرنے کے قریب ہو، اس لیے چلے جاؤ، کیونکہ تمہارے اور زمانے کے درمیاں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اس شعر میں بک والایام میں ک ضمیر مجرور پر ایام کا عطف کیا گیا ہے اور دونوں کو ایک حرف جر نے جر دی ہے۔ اسی طرح کا ایک دوسرا شعر بھی ہے جس میں انہوں نے ضمیر مجرور کا عطف اسم ظاہر پر کیا ہے۔ عباس بن مرداس بن ابی عامر (متوفی 639ء) کا شعر اسی معنی میں ہے۔

أَكُرُّ عَلَى الْكَتِيبَةِ لَسْتُ أَدْرِي ... أَحَتْفِي كَانَ فِيهَا أَمْ سِوَاهَا[6]

فَسِوَاهَا: فِي مَوْضِعِ جَرٍّ عَطْفًا عَلَى الضَّمِيرِ فِي فِيهَا، وَمِنْهُ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَجَعَلْنا لَكُمْ فِيها مَعايِشَ وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرازِقِينَ﴾[7]

---

[1] نساء:1

[2] شوکانی، فتح القدیر: 1/480

[3] قصص:81

[4] شوکانی، فتح القدیر: 1/480

[5] مبرد، الکامل فی اللغۃ والأدب: 3/30 عمرو بن معد یکرب

[6] شهاب الدین النویري، أحمد بن عبد الوهاب بن محمد بن عبد الدائم، نهاية الأرب في فنون الأدب (القاهرة: دار الكتب والوثائق القومية 1423ھ)، 3/221

[7] حجر:20

ترجمہ و تجزیہ

اس شعر میں فیھا میں ھا ضمیر مجرور پر سواھا کا عطف کیا گیا ہے۔ لیکن یہ صرف ضرورت شعری کے تحت جائز ہے کوئی عمومی قاعدہ نہیں ہے۔ علماء کرام کے درج ذیل اقوال بھی اسی بات پہ شاہد ہیں۔ امام جزائری أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر فرماتے ہیں کہ وقرئ: الأرحام بالجر عطفاً على الضمير في به، وهو قبيح. إذ لا يعطف على الضمير المجرور إلا إذا أعيد حرف الجر إلا ما كان ضرورة الشعر[1] صاحب تفسیر نسفی فرماتے ہیں کہ على موضع الجار والمجرور كقولك مررت بزيد وعمر أو بالجر حمزة على عطف الظاهر على الضمير وهو ضعيف لأن الضمير المتصل كاسمه متصل والجار والمجرور كشئ واحد فأشبه العطف على بعض الكلمة[2]

﴿يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانی "لِيُبَيِّنَ " کے لام کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کے یہ لام کَيْ ہے اور اس کے بعد ان مصدریہ آتا ہے عرب ان مصدریہ کی جگہ لام کئی ذکر کرتے ہیں جو کہ أن کے معنی میں ہوتا ہے۔ جیسے "أَرَدْتُ أَنْ تَفْعَلَ" کی جگہ "أَرَدْتُ لِتَفْعَلَ"[4] ذکر کرتے ہیں اور اسی طرح قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے ﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِؤُا نُورَ اللَّهِ بِأَفْواهِهِمْ﴾[5] اصل میں "يريدون لأن يطفئوا'' ہے۔ مذکورہ نحوی قاعدہ کی دلیل امام شوکانی نے درجہ ذیل شعر جاہلی سے پیش کی ہے۔

أُرِيدُ لِأَنْسَى ذِكْرَهَا فَكَأَنَّمَا ... تُمَثَّلُ لِي لَيْلَى بِكُلِّ سَبِيلِ[6]

ترجمہ و تجزیہ

میں نے ارادہ کیا کہ اس کی یاد کو بھول جاؤں تو وہ گویارات کو ہر راستے سے میرے سامنے ظاہر ہو گئی۔ اس شعر میں "لانسى" اصل میں "أن أنسى" تھا "أن" مصدریہ کی جگہ لام کَيْ ذکر کر دیا اس طرح آیت میں بھی ليبين دراصل "أن يبين" ہے۔ اسی طرح درج ذیل اقوال علماء بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ فتح البیان فی مقاصد

---

[1] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر:1/433

[2] نسفی، تفسیر النسفي:1/327

[3] نساء:26

[4] شوکانی، فتح القدیر:1/521

[5] صف:8

[6] کثیر عزۃ، دیوان کثیر عزۃ، ص170

القرآن کے مصنف کے نزدیک بھی "اللام هنا لام كي التي تعاقب أن"[1]۔ اور صاحب صفوۃ التفاسیر کے نزدیک اصل عبارت یوں ہے۔"يريد الله أن يفصّل لكم شرائع دينك"۔[2]

﴿وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

"عُدْوَان" کا مطلب ہے حد کو تجاوز کرنا اور ظلم کا مطلب ہے کسی چیز کو غیر موزوں جگہ پر رکھنا۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ عدوان اور ظلم دونوں کا ایک ہی معنی ہے اور تکرار صرف تاکید بیان کرنے کے لئے ہے۔[4] ہم معنی الفاظ کے تکرار کو تاکید کے لئے استعمال کرنے کی مثال دیوان عرب میں موجود ہے اس کی ایک مثال عدی بن زید العبادی التمیمی (متوفی 602ء) کا درج ذیل شعر ہے۔

وألفى قولها كذبا ومينا [5]

ترجمہ وتجزیہ

اس کے قول کو سراسر جھوٹ پایا۔ والمين: بفتح الميم، الكذب،على أنّ عطف المرادف إنما يكون بالواو فإن المين هو الكذب[6] المین میم کے فتح کے ساتھ جب آئے تو اس کا مطلب بھی کذب ہی ہوتا ہے۔ اس شعر میں كذبا ومينا دونوں مترادف الفاظ ہیں اور حرف عطف واؤ کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ اور اس عطف کو عطف مرادف کہا جاتا ہے۔ اور یہ معنی میں قوت پیدا کرنے کے لئے آتا ہے۔ اس طرح آیت میں عدوانا وظلما میں عطف مرادف کی نسبت ہے تاکیدی معنی کے لئے۔ امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ صاحب تفسیر فتح البیان فرماتے ہیں۔"إن معنى العدوان والظلم واحد، وتكريره لقصد التأكيد[7] ایسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر کے مصنف امام جزائری کا نظریہ بھی یہی ہے کی"عُدْوَاناً وَظُلْماً" کا مطلب اعتداء يكون فيه ظالماً ہے۔[8]

---

[1] قنوجی، أبو الطیب محمد صدیق خان، فتح البیان في مقاصد القرآن (بیروت: المكتبة العصريّة 1992ء)، 3/91

[2] صابونی، صفوۃ التفاسیر، ص248

[3] نساء: 30

[4] شوکانی، فتح القدیر: 1/527

[5] شراب، شرح الشواهد الشعرية في أمات الكتب النحوية: 3/238

[6] شراب، شرح الشواهد الشعرية في أمات الكتب النحوية: 3/238

[7] قنوجی، فتح البیان في مقاصد القرآن: 3/96

[8] جزائری، أیسر التفاسیر لكلام العلي الكبیر: 1/465

﴿وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

اس آیت میں ک ضمیر کا مخاطب یا تو پوری انسانیت ہے یا خطاب رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو ہے اور اس سے مراد آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی امت ہے۔ اس صورت میں یہاں امت کا لفظ محذوف ہو گا یعنی اے لوگو تمھیں جو بھی بلا، سختی اور مشکل پیش آتی ہے تو وہ تمھارے گناہوں کی سزا کے طور پر آتی ہے۔ اور امام شوکانیؒ نے ایک قول دوسرا بھی نقل کرتے ہیں کہ فمن نفسک سے پہلے ہمزہ استفہام محذوف ہے۔[2] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔﴿فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بازِغاً قالَ هَذَا رَبِّي﴾[3] أَيْ أَهَذَا رَبِّي- امام شوکانیؒ نے کلام میں ہمزہ استفہام کے محذوف ہونیکی دلیل ابو خراش ہذلی متوفی (641ء) کے درج ذیل شعر جاہلی سے پکڑی ہے۔

رَمَوْنِي وَقَالُوا يَا خُوَيْلِدُ لَمْ تُرَعْ ... فَقُلْتُ وَأَنْكَرْتُ الْوُجُوهَ هُمُ هُمُ[4]

ترجمہ و تجزیہ

انہوں نے مجھے پھینک دیا اور کہا، "اے خویلد، تم گھبراؤ نہیں۔ میں نے (ان) چہروں کو اجنبی پایا تو میں نے کہا کیا یہ وہی لوگ ہیں؟ اس شعر میں هُمُ هُمُ آیا ہے اصل عبارت أَهُمُ هُمُ ہے اور ہمزہ استفہام محذوف ہے۔ امام قرطبی نے بھی اس قول کی تائید کی ہے۔إِنَّ أَلِفَ الِاسْتِفْهَامِ مُضْمَرَةٌ، وَالْمَعْنَى أَفَمِنْ نَفْسِكَ؟[5]

﴿وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

حسن، مالک بن دینار[7] اور ایک جماعت نے اس کو ما قبل الراسخون اور المؤمنون پر عطف کر کے مرفوع پڑھا ہے۔ اور ابن مسعود کے مصحف میں بھی مرفوع ہی ہے۔ یعنی وَالْمُقِيمونَ الصَّلَاةَ- اور جمہور کی قرات میں جو اس کو منصوب پڑھا گیا ہے اس کی توجیہ میں امام سیبویہؒ فرماتے ہیں کہ اس کو نصب مدح کی بناء پر دیا گیا اصل عبارت

---

[1] نساء:79

[2] شوکانی، فتح القدیر:1/565

[3] انعام:77

[4] شعراءہذلیون، دیوان الھذلیین:2/144

[5] قرطبی، تفسیر قرطبی:5/285

[6] نساء:162

[7] ابو یحیی مالک بن دینار بصری کبار تابعین میں سے ہیں۔ آپ چوٹی کے محدث اور صوفی تھے۔ آپ کا وصل 748ء کو بصرہ میں ہوا۔ ذھبی، سیر اعلام النبلاء:5/632

"وأعني الْمُقِيمِينَ" ہے۔ اور یہ تعظیم کی وجہ سے نصب دینے کے قاعدہ کے تحت ہے۔[1] امام شوکانیؒ نے تعظیما نصب کے قاعدہ کی دلیل خرنق بنت ہفان (متوفی 574ء) کے درجہ ذیل اشعار جاہلی سے پکڑی ہے۔

لَا يَبْعَدَنَّ قَوْمَي الَّذِينَ هُمْ ... سُمُّ الْعُدَاةِ وَآفَةُ الْجُزْرِ
النَّازِلِينَ بِكُلِّ مُعْتَرَكٍ ... وَالطَّيِّبُونَ مَعَاقِدَ الْأُزْرِ[2]

ترجمہ وتجزیہ

اے اللہ میرے لوگوں کو ہلاک نہ فرما جو دشمنوں کا زہر اور پیچھے والوں کی آفت ہیں۔ جو ہر جنگ میں اترتے ہیں اور اچھے لوگ عزت کے مقام پر ہی ہوتے ہیں۔ اس شعر میں النَّازِلِينَ کو قاعدہ تعظیم کے تحت مقام مدح میں ہونے کی وجہ سے نصب دی گئی ہے۔ اصل عبارت "وأعني النَّازِلِينَ" ہے۔ حالانکہ ماقبل عبارت بھی مرفوع ہے اور بعد میں الطیبون بھی مرفوع ہے۔ اسی طرح آیت میں بھی ماقبل اور مابعد مرفوع ہونیکے باوجود وَٱلْمُقِيمِينَ ٱلصَّلَوٰةَ کو منصوب پڑھا گیا ہے۔ اس کی تائید میں امام راغب کا قول ہے کہ (بیشک ہر اسم صفت مدح یا ذم کے طور پر استعمال ہوتا ہے اس کو حالت استئناف میں منصوب و مرفوع پڑھنا جائز ہوتا ہے أن كل وصف يجيء على المدح والذم، يصح فيه الاستئناف مرفوعا ومنصوبا[3] اور اسی طرح امام جزائری فرماتے ہیں کہ مدح کی بنا پر نصب دینے کا رواج کلام عرب میں عام ہے والنصب على المدح شائع في كلام العرب[4]

﴿وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں رسلا کو نصب فعل مضمر "ارسلنا" نے دی ہے۔ اور اس کا قرینہ ماقبل آیت میں لفظ اوحینا ہے۔ ایک دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ایسے فعل کی وجہ سے منصوب ہے جس پر "قصصناهم" دلالت کر رہا ہے۔ یعنی عبارت اس طرح ہو گی "وَقَصَصْنَا رُسُلًا"۔[6] فعل مابعد کی دلیل پر ماقبل اسم سے پہلے فعل مضمر کو

---

[1] شوکانی، فتح القدیر: 1/ 619

[2] مرزبانی، أبوعبید اللہ بن محمد بن عمران بن موسی، أشعار نساء، ص106 للخرنق بنت بدر بن هفان أخت طرفة (یہ شعر خرنق بنت بدر بن ہفان دختر طرفہ کا ہے۔)

[3] راغب اصفہانی، تفسیر الراغب اصفہانی: 4/ 226

[4] جزائری، أیسر التفاسیر لكلام العلي الكبير: 1/ 152

[5] نساء: 164

[6] شوکانی، فتح القدیر: 1/ 620

محذوف مان کر اسم کو نصب دینے کے قاعدے کی دلیل دور جاہلی کے ربیع بن ضبع فزاری (متوفی 611ء) کے درج ذیل شعر سے پکڑی گئی ہے۔

أَصْبَحْتُ لَا أَحْمِلُ السِّلَاحَ وَلَا ... أَمْلِكُ رَأْسَ الْبَعِيرِ إِنْ نَفَرَ
وَالذِّئْب أَخْشَاهُ إِنْ مَرَرْتُ بِهِ ... وَحْدِي وَأَخْشَى الرِّيَاحَ وَالْمَطَرَا [1]

ترجمہ و تجزیہ

اب میرے پاس ہتھیار نہیں ہے اور نہ ہی اونٹ کا سر ہے کہ وہ بھاگ جائے۔ اور میں بھیڑیے سے ڈرتا ہوں اگر میں اکیلا اس کے پاس سے گزرتا ہوں، اور میں آندھی اور بارش سے ڈرتا ہوں۔ اس شعر میں الذئب اخشاہ محل استشہاد ہے الذئب کو نصب دی گئی ہے فعل مضمر کی وجہ سے اور اس پر فعل اخشاہ دلالت کر رہا ہے اور وہ ہے اخشی الذئب۔ اس طرح آیت میں "قصصناھم" کی دلیل پر رسلا سے قبل لفظ قصصنا مضمر سمجھ کر رسلا کو نصب دی گئی ہے۔ لیکن تفسیر وسیط اور تفسیر منار نے قول اول یعنی ارسلنا فعل محذوف کی تائید کی ہے پس قول اول زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے۔ وأرسلنا رسلا[2] أَيْ وَأَرْسَلْنَا غَيْرَ هَؤُلَاءِ رُسُلًا آخَرِينَ[3]

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

ابن فارس فرماتے ہیں کہ لاجرم بمعنی لابد اور لامحالہ استعمال ہوتا ہے۔ اور اس کا اصل معنی کسب ہوتا ہے۔ اور امام کسائی اور ثعلب نے "لایجرمنکم" کا مطلب "لایحملنکم" بیان کیا ہے اور یہ متعدی بدو مفعول ہی استعمال کیا جاتا ہے "جَرَمَنِي كَذَا عَلَى بُغْضِكَ أَيْ حَمَلَنِي عَلَيْهِ"۔[5] یجرم بمعنی یحمل کی دلیل عطیہ بن عفیف کے درج ذیل شعر جاہلی سے پکڑی گئی ہے۔

وَلَقَدْ طَعَنْتَ أَبَا عُيَيْنَةَ طَعْنَةً ... جَرَمَتْ فَزَارَةُ بَعْدَهَا أَنْ يغضبوا[6]

---

[1] شُرَّاب، شرح الشواهد الشعرية في أمات الكتب النحوية: 1/485

[2] مجموعة من العلماء، التفسير الوسيط للقرآن الكريم: 2/979

[3] بهاء الدين، تفسير القرآن الحكيم (تفسير المنار): 6/57

[4] مائدہ: 2

[5] شوکانی، فتح القدیر: 2/8

[6] بدر الدين الإربلي، علاء الدين بن عليّ، جواهر الأدب في معرفة كلام العرب (مصر: مطبعة وادي النيل)، ص 182

ترجمہ و تجزیہ

اور تحقیق پہلے آپ نے ابو عیینہ پہ چھرے کا زبردست وار کیا۔ اس کے بعد بنو فزارہ نے جرم کیا جس پہ وہ غضب ناک ہوئے۔ اس شعر میں جَرَمَتْ بمعنی حملت استعمال ہوا ہے اور اس کا مفہوم بھی یہی حملت علی الغضب اور متعدی بدو مفعول سے بھی ہے پہلا مفعول فیہ بَعْدَهَا ہے اور دوسرا مفعول بہ ان یغضبوا ہے اس طرح آیت میں بھی یجرمن بمعنی یحملن استعمال ہوا ہے اور وہاں بھی اس کے دو مفعول ہیں ایک کم ضمیر ہے اور دوسرا ان صدوکم ہے۔ اور اس طرح امام راغب فرماتے ہیں کہ يَجْرِمَنَّكُمْ کا صلہ علی آتا ہے اور یہ یحملن کا معنی دیتا ہے(وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ) بـ علی حملاً علی معنی لا یحملنکم[1] ۔امام رازی نے بھی اس کا معنی لا یحملنکم بیان کیا ہےوَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ یعنی لَا يَحْمِلَنَّكُمْ[2]

﴿فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ اس کو فیری پڑھا گیا ہے یعنی غائب کے صغیہ کے ساتھ۔ اس صورت میں یری کا فاعل اسم موصول الذین ہے اور اس کا مفعول "يُسَارِعُونَ فِيهِمْ" ہے ان مصدریہ کے حذف کے ساتھ۔ یعنی اصل عبارت یوں ہے۔فیری القوم الذین فی قلوبھم مرض ان يُسَارِعُوا فِيهِمْ۔جب ان کو حذف کیا تو فعل کو رفع دے دیا۔[4] اس کی مثال شاعر طرفہ بن العبد (متوفی 569ء) کا درج ذیل شعر ہے۔

ألا أيّهذا اللّائمي أحضر الوغى[5]

ترجمہ و تجزیہ

اس میں اصل عبارت ان احضر الوغی ہے لیکن ان مصدریہ کے خدف کے ساتھ فعل کو رفع دیا گیا ہے۔

﴿إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

اہل علم کے نزدیک لفظ اعلم بمعنی یعلم استعمال ہوا ہے کیونکہ اسم تفضیل اسم ظاہر کو نصب نہیں دے سکتا۔ اور من

---

[1] راغب اصفہانی، تفسیر الراغب اصفہانی:4/293

[2] رازی، مختار الصحاح، ص56

[3] مائدہ:52

[4] شوکانی، فتح القدیر:2/58

[5] طرفہ، دیوان طرفۃ بن العبد، ص25

[6] انعام:117

اسم موصول یہاں پر منصوب ہے۔[1] اس کی مثال درج ذیل شعر میں موجود ہے۔

تحالفت طَيٌّ مِنْ دُونِنَا حِلْفًا ... وَاللَّهُ أَعْلَمُ مَا كنّا لهم خذلا[2]

ترجمہ و تجزیہ

قبیلہ طی نے حلف اٹھالیا یا معاہدہ کرلیا ہمارے بغیر۔ اللہ جانتا ہے ہم ان کے لئے باعث شرم نہیں ہیں۔ اس شعر میں اعلم اسم تفضیل بمعنی یعلم فعل مضارع معروف استعمال ہوا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ دیوان عرب میں اعلم اسم تفضیل بمعنی فعل مضارع استعمال ہونے کی نظیر موجود ہے۔ تفسیر بحر المدید کا مصنف لکھتا ہے آیت میں من موصولہ ہے یا موصوفہ محل نصب میں ہے اور اعلم یہاں یعلم کے معنی میں ہے کیونکہ اسم تفضیل مفعول کو نصب نہیں دیتا اس پر اجماع ہے۔من يضل:موصولة، أو موصوفة في محل نصب بفعل دل عليه أعلم، أي يعلم من يضل، فإن أفعل التفضيل لا ينصب المفعول به إجماعًا.[3] تفسیر قرطبی کا فتوی بھی یہی ہے کہ اعلم بمعنی یعلم ہے إِنَّ" أَعْلَمُ" هُنَا بِمَعْنَى يَعْلَمُ[4]

﴿فَهَل لَّنَا مِن شُفَعَاءَ فَيَشْفَعُوا لَنَا أَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

مفسر نے نُرَدّفنعمل دونوں کو نصب کے ساتھ پڑھنے کا ذکر کیا ہے۔ یعنی معطوف و معطوف علیہ کا ایک اعراب پڑھا ہے۔[6] اس کی دلیل میں امرُ وُالقَیس (متوفی 545ء) کا درج ذیل شعر جاہلی پیش کیا گیا ہے۔

فَقُلْتُ لَهُ لَا تَبْكِ عَيْنُكَ، إِنَّمَا ... نُحَاوِلُ مُلْكًا أَوْ نَمُوت فَنُعْذَرَا[7]

ترجمہ و تجزیہ

تو میں نے اس سے کہا، "تم اپنی آنکھوں کو رونے نہ دو، ہم بادشاہ بننے کی کوشش کریں گے ورنہ ہم مر جائیں گے۔

---

[1] شوکانی، فتح القدیر:2/177

[2] ایضا

[3] فاسي الصوفي البحر المديد في تفسير القرآن المجيد:2/162

[4] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن:7/72

[5] اعراف:53

[6] شوکانی، فتح القدیر:2/240

[7] امرُ وُالقَیس، دیوان امریٔ القیس، ص96

اور ہم معذور ہوں گے۔" اس شعر میں نموت فنعذرا کی عبارت محل استشہاد ہے نعذر کو نصب فاء کی وجہ سے ہے ۔اور نموت کو اس پر عطف کی وجہ سے ہے۔ اس طرح آیت میں بھی نُرَدّفنعمل دونوں کو اسی قاعدہ کے تحت نصب دی گئی ہے۔ قرطبی نے بھی دونوں کے نصب والی قرات نقل کی ہے۔ وقرأ ابن إسحاق أَوْ نُرَدّ فَنَعْمَلَ بالنصب فيهما[1] بیضاوی میں ہے کہ نرد کا نصب فیشفعوا پر عطف کی وجہ سے ہے وقرئ بالنصب عطفاً على فَيَشْفَعُوا[2]

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

أَيَّانَ ظرف زمان ہے اور یہ مبنی بر فتح ہوتی ہے اور اس کا مطلب ہے متی یعنی کب اور یہ ای سے مشتق ہے بعض نے کہا یہ این سے مشتق ہے۔[4] اس شعر میں ایان جملہ کے شروع میں ہونیکے باوجود مفتوح ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا اعراب ہمیشہ فتح ہی ہوتا ہے یعنی مبنی بر فتح ہوتا ہے چاہے یہ جملہ میں جس جگہ بھی آئے۔ یہی وجہ ہے کہ آیت میں بھی اس کا اعراب فتح ہی ہے۔ أي متى وقت قيامها[5] أي متى إرساؤها[6]

﴿وَ يَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ﴾[7] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

علماء نحو کے نزدیک یابی کے بعد الا حرف استثناء نہیں آتا تو یہاں کیسے داخل ہو گیا۔ اس کا جواب امام فراء نے یہ دیا ہے کہ چونکہ کلام میں جحد (نفی) کی ایک طرف موجود ہے لہذا الا حرف استثناء کا ذکر جائز ہے۔ زجاج نے اس کا جواب یہ دیا ہے ابی یابی کے ساتھ کلام میں خدف موجود ہوتا ہے اور اصل عبارت یوں ہے ويابى الله كل شى ء الا ان يتم نوره۔ اس میں ایک قول یہ بھی ہے کہ اس میں منع و امتناع کا معنی موجود ہے پس یہ نفی کے معنی میں ہو گیا ہے اس لئے الا حرف استثناء کا ذکر جائز ہے۔[8] کلام عرب میں ابی کے بعد الا حرف استثناء آنیکی نظیر موجود ہے۔

وَهَلْ لِي أُمٌّ غَيْرُهَا إِنْ تَرَكْتُهَا ... أَبَى اللَّهُ إِلَّا أن أكون لها ابنما[9]

---

[1] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن:7/218

[2] بیضاوی، أنوار التنزیل وأسرار التأویل:3/15

[3] اعراف:187

[4] شوکانی، فتح القدیر:2

[5] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر:2/270

[6] فاسی صوفی، البحر المدید في تفسیر القرآن المجید:7/234

[7] توبہ:32

[8] شوکانی، فتح القدیر:2/404

[9] خفاجی، سر الفصاحة، ص157

ترجمہ وتجزیہ

کیا میری کوئی اور ماں ہے اگر میں اس کو چھوڑ دو۔ اللہ نے ممنوع فرمادیا سوائے اس کے کہ میں اس کا بیٹا ہوں۔ اس شعر میں ابی کا لفظ منع کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ آیت میں یابی سے مراد یمنع ہے اس وجہ سے الا حرف استثناء کا داخل ہونا جائز ہے۔ تفسیر مفاتیح الغیب کے مطابق یابی، لم یرد کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔أَجْرَى أَبَى مَجْرَى لَمْ يُرِدْ[1] روح البیان کے مطابق بھی یابی اللہ بمعنی لا یرید اللہ ہے۔لا يريد الله شيأ[2]

﴿وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

علماء نحو کا اختلاف ہے کہ ما قبل میں دو چیزوں الذھب والفضۃ کا ذکر ہے لیکن ضمیر واحد مؤنث کی مذکور ہے جو کہ مفعول بہ ہے۔ اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں لیکن جس قول کا استشہاد امام شوکانیؒ نے شعراء جاہلی کے کلام سے کیا ہے وہ قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ضمیر پر اکتفاء کیا اور دوسرے کیلئے بھی اس ایک ضمیر کو ہی کافی قرار دیا۔[4] اور یہ کلام عرب میں معروف ہے جیسا کہ عمرو بن امرؤالقیس (متوفی 363ء) کے اس شعر میں ہے۔

نَحْنُ بِمَا عِنْدَنَا وَأَنْتَ بِمَا ... عِنْدَكَ رَاضٍ والرأي مختلف[5]

ترجمہ وتجزیہ

یہاں پر راضون کی جگہ راض واحد پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اور اس میں موجود ضمیر واحد کے ساتھ دونوں پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ پس اسی قاعدہ کے تحت آیت میں دونوں مراجع کیلئے ضمیر واحد پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ تفسیر قرطبی میں بھی ہے کہ معنی واضح ہو تو ایک ہی ضمیر کافی ہوتی ہے "الِاكْتِفَاءُ بِضَمِيرِ الْوَاحِدِ عَنْ ضَمِيرِ الْآخَرِ إِذَا فُهِمَ الْمَعْنَى"[6]

﴿وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾[7] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

نقموا بمعنی عابو اور انکروا استعمال ہوتا ہے الا حرف استثناء ہے اور یہ استثناء مفرغ من اعم العام کی قسم سے

---

[1] رازی، مفاتیح الغیب:16/32

[2] اسماعیل حقی، روح البیان:3/416

[3] توبہ:34

[4] شوکانی، فتح القدیر:2/407

[5] جاحظ، أبو عثمان عمرو بن بحر بن محبوب، البیان والتبیین، 3/69

[6] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن:8/127

[7] توبہ:74

ہے۔[1] شاعر نابغۃ ذبیانی (متوفی 604ء) کا مشہور شعر ہے۔

وَلَا عَيْبَ فِيهِمْ غَيْرَ أَنَّ سُيُوفَهُمْ ... بِهِنَّ فُلُولٌ مِنْ قِرَاعِ الْكَتَائِبِ[2]

ترجمہ و تجزیہ

ان میں کوئی عیب نہیں سوائے اس کے کہ ان کی تلواریں ریت کے ٹیلوں پہ لگنے کی وجہ سے کند ہو گئی ہیں۔اس شعر غیر سیوفھم الخ بھی استثناء مفرغ من اعم العام کی قسم سے ہے لہذا معلوم ہوا عربوں کے ہاں استثناء کی یہ قسم کلام عرب میں مستعمل ہے۔اور آیت میں بھی یہی نوع استعمال کی گئی ہے۔قرطبی میں ہے کہ اصل عبارت لیس ینقمون ہے أَيْ لَيْسَ يَنْقِمُونَ شَيْئًا[3] تفسیر بیضاوی نے بھی اس کو استثناء مفرع من اعم المفاعیل لکھا ہے ۔والاستثناء مفرغ من أعم المفاعيل أو العلل[4]

﴿هُوَالَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

قَدَّرَهُ کی ہُ ضمیر شمس و قمر دونوں کی طرف راجع ہے جو کہ جملہ میں مفعول بہ واقع ہو رہی ہے۔

اس کی مثال یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا﴾[6] اس آیت میں ھا ضمیر تجارۃ اور لھوا دونوں کی طرف راجع ہے۔[7] جیسا کہ اس شعر میں بھی ہے۔

نَحْنُ بِمَا عِنْدَنَا وَأَنْتَ بِمَا ... عِنْدَكَ رَاضٍ وَالرَّأْيُ مُخْتَلِفُ[8]

ترجمہ و تجزیہ

ہم اور تم اس پہ راضی ہیں جو پاس ہے اور رای مختلف ہے۔راض میں ضمیر واحد جبکہ نحن اور انت کے حساب

---

[1] شوکانی، فتح القدیر: 2/437

[2] نابغہ ذبیانی، دیوان النابغۃ الذبیانی، ص44

[3] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن: 8/207

[4] بیضاوی، أنوار التنزیل وأسرار التأویل: 3/89

[5] یونس: 5

[6] جمعہ: 11

[7] شوکانی، فتح القدیر: 2/484

[8] جاحظ، أبو عثمان عمرو بن بحر بن محبوب، البیان والتبیین، ص436

سے راضوان ہونا چاہیے تھا لیکن واحد ضمیر کا ذکر دونوں کو کفایت کرتا ہے۔ تفسیر قرطبی بھی اس کی تائید کرتی ہے۔
فَوَحَّدَ إِيجَازًا وَاخْتِصَارًا[1]

﴿فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ﴾[2] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام نحاس نے شرکاءکم کے منصوب پڑھنے کی وجہ اُدعوا فعل محذوف کے ساتھ بتائی ہے ای اُدعوا شرکاءکم۔ مفسر لکھتے ہیں کہ یہ امرکم کا معطوف علیہ ہے۔ اگرچہ بظاہر یہ عطف جائز نہیں کیونکہ امرکم کا خارج مین وجود نہیں ہے اور شرکاءکم کا جسمانی وجود ہے۔[3] ایسے دو چیزوں کا عطف جائز نہیں ہوتا لیکن کلام عرب میں اس کی مثال عبد اللہ بن زبعری (متوفی 636ء) کے اس شعر میں موجود ہے۔

يَا لَيْتَ زَوْجَكِ فِي الْوَغَى ... مُتَقَلِّدًا سَيْفًا وَرُمْحًا[4]

ترجمہ و تجزیہ

کاش کہ تمہاری بیوی جنگ میں جاتی تلوار اور نیزہ گلے میں لٹکائے ہوئے۔ اس شعر میں سیف کا عطف رمح پر کیا گیا ہے۔ حالانکہ تیر تو گلے میں نہیں لٹکایا جاتا لیکن اس کو تلوار پر محمول کرتے ہوئے عطف کر دیا گیا۔ اس طرح آیت میں بھی امرکم کو شرکاءکم پر محمول کرتے ہوئے عطف کر دیا گیا۔ تفسیر قرطبی نے اس کو عطف علی المعنی قرار دیا ہے۔ هُوَ معطوف على المعنى[5]

﴿رَبَّنَا لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَى أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

المبرد اور زجاج کے قول کے مطابق فلا يؤمنوا کا عطف ليضلوا پر ہے۔ اسی لئے اس سے نون اعرابی حالت نصبی میں ہونے کی وجہ سے محذوف ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ تو نے ان کو نعمتیں دیں تاکہ وہ گمراہ ہوں اور ایمان نہ لائیں لیکن اس پر اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ معطوف اور معطوف الیہ میں مغایرت لازمی ہے جب کہ

---

[1] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن: 8/310

[2] یونس: 71

[3] شوکانی، فتح القدیر: 2/525

[4] شُرّاب، شرح الشواهد الشعرية في أمات الكتب النحوية: 1/251

[5] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن: 8/363

[6] یونس: 88

لیضلوا اور فلا یومنوا کا مطلب تو ایک ہی ہے۔ فراء، کسائی اور ابو عبیدہ کا قول ہے کہ یہ فلا یومنوا سے پہلے لاء نہی ہے اور دعا کے معنی میں ہے اور اصل عبارت یوں ہو گی اللَّهُمَّ فَلَا يُؤْمِنُوا۔[1] اس کا استشہاد میمون بن قیس بن جندل بن شراحیل بن عوف بن سعد بن ضُبیعہ المعروف اعشی قیس (متوفی 629ء) کے درجہ ذیل شعر جاہلی سے کیا گیا ہے۔

فَلَا يَنْبَسِطْ مِنْ بَيْنِ عَيْنَيْكَ مَا انْزَوَى ... وَلَا تَلْقَنِي إِلَّا وَأَنْفُكَ رَاغِمُ[2]

ترجمہ وتجزیہ

تمہاری آنکھوں کے سامنے اسکا جدا ہونا خوشی کا باعث نہ ہو۔ تو مجھے نہیں ملے گا مگر اس حالت میں کہ تمھاری ناک خاک آلود ہو گی۔ اس شعر میں فَلَا يَنْبَسِطْ اور وَلَا تَلْقَنِي دونوں لاء نہی کے ساتھ دعائیہ اور انشائیہ جملے ہیں پس آیت میں بھی فلا یومنوا دعائیہ جملے کے طور پر استعمال ہوا ہو یہ ممکن ہے۔ اس بات کی تائید امام قرطبی اور زمحشری نے بھی بالترتیب فرمائی ہے۔هُوَدُعَاءٌ، فَهُوَ فِي مَوْضِعِ جَزْمٍ[3] دعاء بلفظ النهی[4]

﴿قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَحِمَ﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

مفسرین نے لکھاہے کہ اس آیت میں استثناء متصل کے طور پر پڑھنا بھی جائز ہے۔ اس معنی میں کہ عاصم بمعنی معصوم کے استعمال ہو یعنی اسم فاعل اسم مفعول کی جگہ استعمال ہو یعنی لا معصوم الیوم من امر الله الا من رحمہ۔[6]

اسی طرح ماء دافق بمعنی مدفق ہے۔﴿خُلِقَ مِنْ مَاءٍ دَافِقٍ﴾[7]﴿عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ﴾[8] اصل میں عیشہ مرضیہ ہے۔ جرول بن اَوس بن مالک اَبوملیکۃ العبسی المعروف الحطیئۃ (متوفی 674ء) کے درج ذیل شعر جاہلی میں بھی اس کی دلیل موجود ہے۔

---

[1] شوکانی، فتح القدیر:2/532

[2] اعشی قیس، دیوان الاعشی، ص201

[3] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن:8/375

[4] زمحشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل:2/365

[5] ہود:43

[6] شوکانی، فتح القدیر:2/567

[7] طارق:6

[8] حاقۃ:21

دَعِ الْمَكَارِمَ لَا تَنْهَضْ لِبُغْيَتِهَا ... وَاقْعُدْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الطَّاعِمُ الْكَاسِي[1]

ترجمہ و تجزیہ

بزرگی کے لبادے کو چھوڑ اس کے فتنے کے باعث کھڑا نہ ہو۔بیٹھا رہے بے شک تجھے (لباس) پہنایا (کھانا) کھلایا جائے گا۔امام شوکانی فرماتے ہیں اصل میں انت المعطم المكسو ہے۔یعنی اسم فاعل اسم مفعول کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔پس آیت میں بھی عاصم بمعنی معصوم استعمال ہوا ہے۔تفسیر البحر المدید نے اس کو استثناء متصل بیان کیا ہے اور عاصم بمعنی معصوم لیا ہے۔ فلا معصوم إلا من رحمه الله فالاستثناء حينئذٍ متصل[2] صاحب تفسیر رازی کا خیال بھی یہی ہے کہ یہاں عاصم بمعنی معصوم ہے۔ وَهُوَ أَنَّ الَّذِي رَحِمَهُ اللَّهُ مَعْصُومٌ[3]

﴿تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

کل حین ظرف ہے اس سے دن اور رات کی ہر ہر ساعت موسم گرما اور سرما کی قید کے بغیر مراد ہے۔
امام نحاس فرماتے ہیں حین ظرف زمان تمام اہل لغت سوائے چند کے نزدیک وقت کا معنی دینے کے لئے آتا ہے اور قلیل اور کثیر دونوں زمانوں پر دلالت کرتا ہے۔[5] جیسا نابغة ذبياني (متوفی 604ء) کے کہ اس شعر سے بھی واضح ہے۔

تُطَلِّقُهُ حِينًا وَحِينًا تُرَاجِعُ[6]

ترجمہ و تجزیہ

کبھی تو اس کو طلاق دے دیتا ہے یعنی چھوڑ دیتا ہے اور کسی وقت تو رجوع کر لیتا ہے۔اس شعر مین حینا ظرف زمان وقت کا معنی دینے کے لیے آیا ہے۔دونوں حینا وقت کا معنی دے رہے ہیں لیکن پہلا حینا قلیل زمانے پر دلالت کرتا ہے اور دوسرا کثیر پر دلالت کرتا ہے اسی طرح آیت میں بھی حین وقت کا معنی دے رہا ہے یعنی ہر وقت اس درخت کا پھل آتا ہے۔لسان العرب کے مطابق بھی حین لفظ وقت کی طرح اسم ہے اور تمام زمانوں کے لئے اس

---

[1] حطیئہ، دیوان الحطیئہ، ص206

[2] فاسی الصوفی، البحر المدید في تفسیر القرآن المجید:2/530

[3] رازی، مفاتیح الغیب:17/352

[4] ابراہیم:25

[5] شوکانی، فتح القدیر:3/127

[6] نابغہ ذبیانی، دیوان النابغة الذبياني، ص34

کا استعمال درست ہے۔ أَن الحِينَ اسْمٌ كَالْوَقْتِ يَصْلُحُ لِجَمِيعِ الأَزمان[1] اس طرح مفردات القران نے بھی اسی بات کی تائید کی ہے۔ الحين وقت[2]

[1] ابن منظور، لسان العرب: 13/134

[2] راغب اصفہانی، المفردات في غريب القرآن، ص138

فصل سوم: مجرورات سے متعلق استشہاد بالشعر

مجرورات یعنی وہ اسماء جن کا اعراب جر ہے، وہ دو ہیں۔ 1، مضاف الیہ 2، مجرور بحرف جر۔ یہ فصل مجرورات سے متعلق استشہاد بالشعر الجاہلی کو بیان کریگی۔

﴿وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام موصوف "روح القدس" کی ترکیب نحوی میں فرماتے ہیں کہ یہ دراصل موصوف کی صفت کی طرف اضافت ہے اس لئے القدس یہاں مجرور ہے۔ یعنی اصل عبارت "الروح المقدسة" ہے یعنی "أيدناه بالروح المقدسة" اور قدس کا مطلب طہارت اور مقدس کا مطلب ہے مطہر یعنی پاکیزہ روح کے ساتھ تائید فرمائی۔ اور اس کے بارے میں قول یہ بھی ہے روح القدس سے مراد جبرائیل امین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدد فرمائی۔[2] امام شوکانی نے روح القدس بمعنی جبرئیل کے معنی کی تائید میں شاعر حضرت حسان بن ثابت بن منذر بن حرام (متوفی 647ء) کا درج ذیل شعر پیش کیا ہے۔

وَجِبْرِيلُ أَمِينُ اللهِ فِينَا ... وَرُوحُ الْقُدُسِ لَيْسَ بِهِ خَفَاءُ[3]

ترجمہ و تجزیہ

اللہ کے امین جبرائیل علیہ السلام اور روح القدس ہم میں موجود ہیں اور یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ اس شعر میں روح القدس سے مراد جبرائیل امین ہیں۔ یعنی اصل عبارت یوں ہے "وجبريل امين الله وروح القدس" یعنی امین اللہ اور روح القدس دونوں اسم جبریل کی صفات ہیں۔ یہاں بھی موصوف کی صفت کی طرف اضافت ہے اس لئے القدس یہاں مجرور ہے۔ اسی طرح درج ذیل حدیث مبارکہ اور اقوال علماء بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "روح الْقُدس" سے مراد جبرائیل امین ہیں۔ ((روح الْقُدس جِبْرِيل))[4] علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ أَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ کا مطلب ہے کہ ہم نے ان کو جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے قوت عطا فرمائی۔ "قويناه بجبريل عليه السلام"۔[5] اور لسان العرب میں بھی روح

---

[1] بقرہ: 87

[2] شوکانی، فتح القدیر 1/129

[3] حسان، دیوان حسان بن ثابت، ص 20

[4] سیوطی، عبد الرحمن بن أبي بکر، جلال الدین، الدر المنثور، (دار الفکر: بیروت)، 1/213

[5] آلوسی، روح المعاني في تفسیر القرآن العظیم والسبع المثاني: 1/316

القدس سے مراد جبرائیل امین ہیں۔"فَهُوَ جِبْرِيلُ، عَلَيْهِ السَّلَامُ"[1] تاج العروس میں بھی روح القدس کے معنی روحِ طہارت اور جبرائیل امین درج ہیں۔"رُوحُ الطَّهَارَةِ، وهو جِبْرِيلُ عليه السلامُ"۔[2]پس معلوم ہوا روح القدس کی ترکیب دراصل الروح المقدسة ہے جو اسم جبرئیل کی صفات ہیں۔

﴿وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

مصنف علیہ الرحمہ نے "حُبه" کی ہ ضمیر مجرور کے درجہ ذیل مختلف مراجع ذکر کیے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں یہ ضمیر مال کی طرف راجع ہے۔یعنی آیت کا مطلب یہ ہے کہ مال کی محبت کے باوجود وہ مال عطا کرتا ہے۔ جیسا کہ ﴿لَن تَنَالُوا ٱلْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ﴾[4]میں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ہ ضمیر مجرور کا مرجع الْإِيتَاءِ ہے یعنی وہ بندہ خرچ کرنے کی محبت میں ان کو مال عطا کرتا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ہ ضمیر کا مرجع اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات ہے یعنی وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں مال عطا کرتا ہے۔ سوائے اللہ کی محبت کے اور کوئی غرض نہیں ہوتی۔[5]یہی مضمون اس آیت میں بھی بیان ہوا ہے﴿ وَيُطْعِمُونَ ٱلطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِۦ﴾[6]صاحب تفسیر نے تیسرے قول کو زیادہ ترجیح دی ہے یہ بات زہیر بن ابی سلمٰی بن ربعیہ بن رباح مزنی (متوفی 609ء) نے درج ذیل پیرائے میں بیان کی ہے۔

إِنَّ الْكَرِيمَ عَلَى عِلَّاتِهِ هَرِمُ[7]

ترجمہ وتجزیہ

یعنی کریم سخی آدمی اپنے قریبی رشتہ داروں (بھائیوں) کے لئے بوڑھا ہی ہوتا ہے یعنی ان کے لیے فائدہ مند نہیں ہوتا۔ اس شعر کا مفہوم یہ ظاہر کر رہا ہے کہ انسان اپنے رشتہ داروں پر مال خرچ نہیں کرتا۔ یعنی جتنا مرضی سخی لیکن اپنے رشتہ داروں کے لئے اس کی مثال بوڑھے شخص کی ہی ہے۔ یہی بات امام شوکانی نے بھی فرمائی حبہ میں ہ ضمیر کا مرجع رشتہ دار نہیں ہوسکتے کیونکہ ان کی محبت میں مال خرچ کرنا عموماً مشکل ہی ہوتا ہے اس لئے اس کا مرجع اللہ کی ذات ہی اصل قول ہے۔ علماء کرام کے درج ذیل اقوال بھی اسی معنی پہ شاہد ہیں۔ ایسر التفاسیر لکلام العلي

---

[1] ابن منظور، لسان العرب:2/463

[2] زبیدی، تاج العروس:8/407

[3] بقرہ:177

[4] ال عمران:92

[5] شوکانی، فتح القدیر:1/199

[6] انسان:8

[7] زہیر، دیوان زہیر بن اَبِي سلمی، ص38

الکبیر میں مذکور ہے کہ "يصح أن يكون على حب الله لا على شيء آخر"۔[1] اللباب فی علوم الکتاب میں مذکور ہے کہ "الضمير في "حبه" لله تعالى۔"[2]

﴿نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَإِلَهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَهًا وَاحِدًا﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

صاحب تفسیر فتح القدیر اٰبائِک کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن یعمر[4] اور ابو رجاء العطاردی[5] نے اس کو اَبِیک پڑھا ہے۔ اس قرأت کی صورت میں ترکیب نحوی کے عتبار سے اس کی درج ذیل دو صورتیں ہوں گی۔

جب "إله" ابیک پڑھیں گے تو لفظ "أبی" واحد ہے لہذا اس کا عطف بیان بھی واحد ہو گا۔ یعنی اس سے مراد صرف ابراھیم علیہ السلام ہوں گے۔[6] اور اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام کا عطف "أبیک" کے اوپر علیحدہ ہو گا۔ اگرچہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے حقیقی والد اسحاق علیہ السلام ہیں اور ابراہیم علیہ السلام ان کے جد اعلیٰ ہیں لیکن ابراہیم علیہ السلام کی عظمت شان کی وجہ سے ان کا ذکر پہلے کیا۔ اور حضرت اسماعیل کو ابی اس لئے کہا کہ عرب چچا کو بھی اب کہتے ہیں[7]۔

"أبیک" جمع مذکر سالم ہے اب اس لیے ابرہیم، اسماعیل اور اسحاق، تینوں اسماء اَبیک کا عطف بیان ہوں گے۔[8] امام شوکانی نے اَ بیک میں لفظ اَبی کے جمع مذکر سالم ہونے کی دلیل دور جاہلی کے درج ذیل شعر سے پکڑی ہے۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَّ أَصْوَاتَنَا ... بَكَيْنَ وَفَدَيْنَنَا بِالْأَبِينَا[9]

[1] أبو بکر الجزائري، أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر: 1/151

[2] سراج الدین، اللباب في علوم الکتاب: 20/22

[3] بقرہ: 133

[4] ابو سلیمان یحیی بن یعمر عدوانی بصری کا سن وفات 746ء ہے۔ آپ مشہور امام لغت ہیں۔ زرکلی، اعلام: 8/177

[5] عمران بن ملحان تمیمی بصری کبار مخضرمین میں سے ہیں۔ فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا۔ آپکی کنیت ابو رجاء ہے۔ آپکا شمار محدثین کی جماعت میں ہوتا ہے۔ ایضا

[6] بیضاوی، أنوار التنزیل وأسرار التأویل: 1/108

[7] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن: 2/138

[8] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن: 2/138

[9] شراب، شرح الشواهد الشعریة في أمات الکتب النحویة، 3/257

ترجمہ و تجزیہ

جب میدانِ جنگ میں عورتوں نے ہماری آوازوں کو واضح طور پر پہچان لیا تو ازراہِ شفقت وہ ہمارے اوپر رونے لگیں۔ اور ان میں سے ہر ایک یہ کہنے لگی کہ میرا باپ تمہارے اوپر فدا ہو۔ علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ اس شعر میں الأبينا، أب کی جمع مذکر سالم ہے۔ جمع أب معرب إعراب جمع التصحيح۔[1] اس شعر میں الْأَبِينَا کا لفظ استعمال ہوا ہے جو کہ أبون سے حالت جری میں اَبین جمع مذکر سالم کا صیغہ ہے۔ اس کے آخر میں الف ضرورت شعری کے تحت آیا ہے۔ آیت میں اصل میں یہ لفظ ابون سے حالت جری میں اَبین تھا تو اصل عبارت أبينك بنتی ہے لیکن اضافت کے باعث نون جمع حذف کر دیا گیا۔ اسی طرح درج ذیل اقوال علماء بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔

علامہ اندلسی تفسیر بحر المحیط میں فرماتے ہیں کہ الہ أَبِيكَ والی قرات کی صورت میں أَبِيكَ کا لفظ جمع ہو گا اور اس کا نون اضافت کی وجہ سے گر گیا ہے۔ کیونکہ "أَبٌ" کی جمع حالت نصبی اور جری میں "أَبِينَ" آتی ہے اور حالت رفعی میں "أَبُونَ" آتی ہے۔[2] علامہ رازی مختار الصحاح میں فرماتے ہیں کہ أَبِيكَ اصل میں أَبِينَكَ ہے۔ اس کا نون جمع اضافت کی وجہ سے حذف ہو گیا ہے۔[3]

﴿يَسْئَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرامِ قِتالٍ فِيهِ قُلْ قِتالٌ فِيهِ كَبِيرٌ﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانی اس آیت کی تفسیر ترکیب نحوی سے شروع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قِتالٍ فِيهِ، حالت جری میں الشَّهْرِ الْحَرامِ سے بدل اشتمال ہے۔ یعنی اس کو جر دینے والا عامل قتال ہے یعنی بدل اشتمال اعراب میں اپنے مبدل منہ اسم کا تابع ہوتا ہے۔ امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ اس کے بدل اشتمال ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اصل میں جو شہر حرام کے بارے میں سوال ہے وہ صرف اس میں جنگ و جدل کے جائز و ناجائز ہونے کے اعتبار سے ہے۔ امام زجاجؒ فرماتے ہیں کہ اس عبارت کا معنی یہ ہے۔ اے محبوب ﷺ لوگ آپ ﷺ سے حرمت والے مہینے میں

[1] زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل: 1/ 193

[2] اندلسی، البحر المحیط فی التفسیر: 1/ 642

[3] رازی، مختار الصحاح، 1/ 12

[4] بقرہ: 217

جنگ و جدل کے متعلق پوچھتے ہیں۔[1] امام شوکانیؒ نے قتال فیہ کے بدل اشتمال ہونے کی دلیل درج ذیل شعر جاہلی سے پکڑی ہے۔

فَمَا كَانَ قَيْسٌ هَلْكُهُ هَلْكَ وَاحِدٍ ... وَلَكِنَّهُ بُنْيَانُ قَوْمٍ تهدّما[2]

ترجمہ و تجزیہ

قیس کی ہلاکت و وفات ایک بندے کی ہلاکت نہیں بلکہ اس کی ہلاکت سے قوم کی بنیادیں ہل گئی ہیں۔اس شعر میں لفظ ھُلکہ محل استشہاد ہے کیونکہ بدل اشتمال بن رہا ہے قیس سے۔یعنی اس کو رفع دینے والا عامل قیس ہے کیونکہ بدل اشتمال اعراب میں اپنے مبدل منہ اسم کا تابع ہوتا ہے۔اسی طرح درج ذیل اقوال علماء بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔امام قرطبی کا مؤقف کچھ اس طرح ہے "قِتَالٍ بَدَلُ اشْتِمَالٍ"۔[3] امام طبری کے مطابق اصل عبارت یوں ہے "يَسْأَلُونَكَ عَنْ قِتَالٍ، فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ"۔[4]

﴿وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام خلیل اور سیبویہ نے "كَأَيِّنْ" کی اصل کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ یہ دراصل "أيّ" ہے اور اس پر کاف تشبیہ داخل ہے اور کاف تشبیہ کو اس پر ثبت کر دیا گیا اس لئے یہ ہمیشہ حالت جری میں ہوتا ہے۔اور اس ترکیب کے بعد یہ کم استفہامیہ کے معنی میں ہو گیا اور مصاحف میں اس کو نون کے ساتھ لکھا جاتا ہے کیونکہ یہ ایک ایسا کلمہ ہے جسکو اپنی اصل سے منتقل کر دیا گیا ہے تو معنی کے تغیر کی وجہ لفظ میں تغیر کیا گیا ہے۔اس کی مشہور چار لغات ہیں ایک لغت اس کی "كَأَيِّنْ" ہے یاء کی تشدید کے ساتھ دوسری لغت كأيں یعنی کعین کی طرح ہے اس کا یاء ساکن ہے۔تیسری لغت "کئین" یعنی ہمزہ مکسورہ کے بعد یاء ساکن ہے۔اور چوتھی لغت "كائن" جیسا کہ کاعن ہے اور اس کو کثیر نے پڑھا ہے۔لیکن چاروں لغات کے اعتبار سے اس کی اعرابی حالت جری ہی ہے۔[6] اس چوتھی لغت کی دلیل کے طور پر امام شوکانی نے زھیر بن أبي سلمی (متوفی 609ء) کا درج ذیل شعر پیش کیا ہے۔

---

[1] شوکانی، فتح القدیر: 1/249

[2] جاحظ، أبو عثمان عمرو بن بحر بن محبوب، البیان والتبیین، 2/238

[3] قرطبی، تفسیر قرطبی: 3/44

[4] طبری، تفسیر طبری: 2/544

[5] ال عمران: 146

[6] شوکانی، فتح القدیر: 1/442

وَكَائِنْ تَرَى مِنْ مُعْجِبٍ لَكَ شَخْصُهُ ... زِيَادَتُهُ أَوْ نَقْصُهُ فِي التَّكَلُّمِ[1]

ترجمہ و تجزیہ

کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جنکی شخصیت آپ کو پسند آئیگی لیکن انکی اچھائی یا برائی ان کے تکلم سے ظاہر ہوتی ہے۔ شعر کے شروع میں لفظ کائن بروزن کا عن استعمال ہوا ہے جو کہ حالت جری میں ہے۔ اور یہی قرأت ابن کثیر کی بھی ہے۔ اسی طرح درج ذیل اقوال علماء بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔

امام راغب فرماتے ہیں کہ بمعنى كم، وأصله أي دخله الكاف، والنون فى آخره هو التنوين [2] امام جزائری فرماتے ہیں کہ كأَيِّن أصله أيْ، دخلت الكاف عليها وصارت بمعنى كم، وأثبت التنوين نوناً على غير قياس، وقرأ ابن كثير: وكائن، على وزن فاعل[3]

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

صاحب تفسیر لفظ "الْأَرْحَام" کے اعراب کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام حمزہ وغیرہ نے اس کو جر کے ساتھ پڑھا ہے۔ بصریوں کے نزدیک تو یہ لحن (غلطی) ہے۔ اس کو جر کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں ہے اور کوفیوں کے نزدیک یہ قرات قبیحہ ہے اور مام سیبویہ نے اس قبح کی توجیہ یہ بیان فرمائی ہے کہ ضمیر مجرور تنوین کے مقام میں ہے اور تنوین پر عطف کرنا جائز نہیں ہے۔ امام زجاج اور ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ اسم ظاہر کو اسم مضمر مجرور پر عطف کرنا جائز نہیں سوائے اس کے حرف جر بھی دوبارہ ذکر کیا جائے[5] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ ٱلْأَرْضَ﴾[6] اور امام سیبویہ نے اس کو ضرورت شعری کے تحت جائز قرار دیا ہے۔[7] ضمیر مجرور کا عطف اسم ظاہر پر کرنا عربوں کے ہاں جائز ہے۔ جیسا کہ عمرو بن معدیکرب (متوفی 642ء) کے اس شعر میں ہے۔

فَالْيَوْمَ قَرَّبْتَ تَهْجُونَا وَتَمْدَحُنَا ... فَاذْهَبْ فَمَا بِكَ والأيّام من عجب[8]

---

[1] زہیر، دیوان زہیر بن أبي سلمی، ص 71 زہیر

[2] راغب اصفہانی، تفسیر الراغب اصفہانی: 3/896

[3] جزائری، البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید: 1/417

[4] نساء: 1

[5] شوکانی، فتح القدیر: 1/480

[6] قصص: 81

[7] شوکانی، فتح القدیر: 1/480

[8] شُرّاب، شرح الشواهد الشعرية في أمات الكتب النحوية: 1/131

ترجمہ و تجزیہ

اس شعر میں لک والایام میں ک ضمیر مجرور پر ایام کا عطف کیا گیا ہے اور دونوں کو ایک حرف جر نے جر دی ہے۔اسی طرح کا ایک دوسرا شعر بھی ہے جس میں شاعر نے ضمیر مجرور کا عطف اسم ظاہر پر کیا ہے۔أَكُرُّ عَلَى الْكَتِيبَةِ لَسْتُ أَدْرِي ... أَحَتْفِي كَانَ فِيهَا أَمْ سِوَاهَا[1]فَسِوَاهَا: فِي مَوْضِعِ جَرٍّ عَطْفًا عَلَى الضَّمِيرِ فِي فِيهَا

ترجمہ و تجزیہ

اس شعر میں فیھا میں ھا ضمیر مجرور پر سواھا کا عطف کیا گیا ہے اس لئے یہ بات ثابت ہوگئی کی عربوں کے ہاں ضمیر مجرور پر اسم ظاہر کا عطف اگرچہ ضرورت شعری کے تحت ہے جائز ہے لیکن ایک معروف چیز ضرور ہے۔

﴿يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ﴾[2]میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانی "لِيُبَيِّنَ" کے لام مجرور کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کے یہ لام کَيْ ہے اور اس کے بعد ان مصدریہ محذوف ماناجاتاہے۔عرب لام کئی ذکر کرتے ہیں جو کہ تعلیل کے معنی میں ہوتا ہے۔جیسے "أَرَدْتُ أَنْ تَفْعَلَ" کی جگہ " وَأَرَدْتُ لِتَفْعَلَ"اور یہ لام فعل کی ظاہری اعرابی حالت کو جری، جزمی میں لے جاتاہے [3]اور اس طرح قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِؤُا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ﴾[4]ای يريدون لأن يطفئوا''۔یہ اصل میں یطفئون تھالام کئی نے اسکے آخر سے نون اعرابی جو حالت رفعی کو ظاہر کرتا ہے کو حذف کر دیا۔مذکورہ نحوی قاعدہ کی دلیل امام شوکانی نے درج ذیل شعر جاہلی سے پیش کی ہے۔

أُرِيدُ لِأَنْسَى ذِكْرَهَا فَكَأَنَّمَا ... تُمَثَّلُ لِي لَيْلَى بِكُلِّ سَبِيلِ[5]

ترجمہ و تجزیہ

میں نے ارادہ کیا کہ اس کو یاد کرنا بھول جاؤں تو وہ گویارات کو ہر راستے سے میرے سامنے ظاہر ہوگئی۔اس شعر میں "لانسی" اصل میں "أن أنسى" تھا"أن"مصدریہ کی جگہ لام کَيْ ذکر کر دیا جس نے اس کی حالت رفعی کو زائل کر دیا۔اس طرح آیت میں بھی لیبین اصل "أن أبين" ہے۔اسی طرح درج ذیل اقوال علماء بھی اس بات کی

---

[1] مستعصمی، محمد بن آیدمر، الدر الفرید وبیت القصید (بیروت: دار الکتب العلمیة2015ء)،12/4

[2] نساء:26

[3] شوکانی، فتح القدیر:521/1

[4] صف:8

[5] کثیر عزۃ، دیوان کثیر عزۃ، ص170

تائید کرتے ہیں۔ فتح البیان في مقاصد القرآن کے مصنف امام قنوجی کے نزدیک بھی "اللام هنا لام كي التي تعاقب أن"[1]- اور امام صابونی کے نزدیک اصل عبارت یوں ہے-"يريد الله أن يفصّل لكم شرائع دينك"-[2]

﴿بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام جوہری فرماتے ہیں کہ الاصیل عصر کے بعد سے مغرب تک کا وقت ہوتا ہے۔ اس کی جمع اصل اور اصال بھی آتی ہے اور اصائل بھی آتی ہے۔[4]

لَعَمْرِي لَأَنْتَ الْبَيْتُ أَكْرَمُ أَهْلُهُ ... وَأَقْعَد فِي أَفَنَائِهِ بِالْأَصَائِلِ[5] وأَجْلسُ فی أَفْيائِهِ بالأَصائِل

ترجمہ و تجزیہ

مجھے قسم ہے کہ آپ وہ گھر ہیں جس کے باسی بہت باعزت لوگ ہیں۔اور اس گھر کے احاطہ میں عصر کے وقتوں میں بیٹھا جاتا ہے۔ اس شعر میں لفظ اصائل آیا ہے جو کہ اصیل کی جمع ہے۔ اس طرح اصل کی جمع اصال بھی ہے جو کہ آیت میں استعمال ہوئی ہے۔ معجم الوسیط میں الاصیل کا معنی عصر سے مغرب تک کا وقت بیان کیا گیا ہے۔ الأصِيل: الغشيّ أو الوقت من العصر إلى المغرب.[6] المفردات فی غریب القرآن کے مطابق اصیل کی جمع اصل اور اصال آتی ہے۔فجمع الأصيل أصل وآصال[7]

﴿مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَى وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ﴾[8] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

الْأَصَمِّ اور السَّمِيعِ کی اعرابی حالت مجرور ہے انکا عامل ک حرف تشبیہ ہے۔ ان سے ما قبل واوٴ عاطفہ ہے اور یہ صفت کا عطف صفت پر کرنے کے لئے ہے یعنی الاصم کا عطف الْأَعْمَى (صفت) پر ہے اور السمیع کا عطف البصیر

[1] قنوجی، فتح البیان في مقاصد القرآن:3/91

[2] صابونی، صفوۃ التفاسیر، ص248

[3] اعراف:205

[4] شوکانی، فتح القدیر:2/320

[5] شعراء ہذیلیون، دیوان الھذلیین:1/141

[6] أديب اللجمي، شحادة الخوري، البشير بن سلامة-عبد اللطيف عب-نبيلة الرزاز، المعجم المحيط، ص334

[7] راغب اصفہانی، المفردات في غریب القرآن، ص11

[8] ھود:24

(صفت) پر ہے یہ عطف الصفہ علی الصفہ ہے۔[1] چونکہ صفت اول کا اعراب جر ہے اس لئے اس کے تمام معطوفات کا اعراب بھی جر ہی ہو گا۔اس کی نظیر کلام عرب میں،وجود ہے۔

إِلَى الْمَلِكِ الْقَرمِ وَابْنِ الْهُمَامِ[2]

ترجمہ وتجزیہ

قابل تعظیم اور بہادر بادشاہ کی طرف۔اس مصرعے میں ابن الھمام بمعنی الشجاع کا عطف القرم بمعنی المعظم کے اوپر ہے۔یہ دونوں صفتین ہیں اور انکا اعراب الملک کی متابعت میں جر ہے۔یہاں یہ عطف الصفہ علی الصفہ واقع ہوا ہے۔پس معلوم ہوا کہ صفت کا عطف صفت پر کرنا عربوں کے ہاں معلوم و معروف تھا۔صاحب التحریر والتنویر لکھتے ہیں کہ الاصم کا عطف اعمی پر اور سمیع کا عطف بصیر پر ہے۔ وَالْوَاوُ فِي قَوْلِهِ: وَالْأَصَمِّ للْعَطْف على كَالْأَعْمى عَطَفَ أَحَدَ الْمُشَبَّهَيْنِ عَلَى الْآخَرِ. وَكَذَلِكَ الْوَاوُ فِي قَوْلِهِ: وَالسَّمِيعِ لِلْعَطْفِ عَلَى الْبَصِيرِ.[3] تفسیر بیضاوی نے اس کو عطف الصفتہ علی الصفتہ کہا ہے۔العاطف لعطف الصفة على الصفة[4]

﴿اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

العمد سے مراد ستون ہیں۔یعنی آسمان بغیر ستون کے کھڑے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے ستون ہیں لیکن ہمیں نظر نہیں آتے زجاج کے مطابق العمد سے مراد اللہ کی وہ قدرت ہے جس نے آسمانوں کو ٹھہرایا ہوا ہے اور قدرت ہمیں نظر نہیں آتی۔اس کو عُمُد بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں یہ عمود کی جمع ہے۔[6] جیسا کہ نابغة ذبياني (متوفی 604ء)کا یہ شعر ہے۔

وخبرالجِنّ! إنِّي قد أَذِنْتُ لهمْ... يَبْنُونَ تدمر بِالصُّفَاحِ وَالْعُمُدْ[7]

---

[1] شوکانی، فتح القدیر:2/558

[2] امیل بدیع یعقوب، المعجم المفصل في شواهد العربية،7/15

[3] ابن عاشور، محمد الطاهر، التحرير والتنوير:12/41

[4] بیضاوی، أنوار التنزيل وأسرار التأويل:3/132

[5] رعد:2

[6] شوکانی، فتح القدیر:3/77

[7] نابغہ ذبیانی، دیوان النابغة الذبياني، ص21

ترجمہ و تجزیہ

اور جنوں سے کہو کہ میں نے ان کو اجازت دے دی ہے کہ تدمر شہر کو پتھر کی سلوں اور ستونوں کے ساتھ تعمیر کریں۔ جنوں کے بارے میں نے سنا ہے انہوں نے (حضرت سلیمان کے لئے) تدمہ شہر بنایا تھاصفاح اور ستونوں کے ساتھ۔ اس شعر میں لفظ عمد عمود کی جمع کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ اس کی تائید تفسیر ایسر التفاسیر میں بھی ہے۔ العمد جمع عمود[1] تفسیر بحر المدیدے عمد کو بھی عمود کی اسم جمع قرار دیا ہے۔ وعَمَدٍ:اسم جمع عمود،[2]

﴿مِنْ وَرَائِهِ جَهَنَّمُ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

یہاں وراء حالت جری میں ہے اور بمعنی بعد کے استعمال ہوا ہے یعنی اسکے بعد جہنم ہے اور یہاں مراد ہے کہ اس کی ہلاکت کے بعد جہنم کا عذاب ہے۔[4] اس معنی کی دلیل نابغة ذبياني (متوفی 604ء) کا یہ شعر ہے۔

حَلَفْتُ فَلَمْ أَتْرُكْ لِنَفْسِكَ رِيبَةً ... وَلَيْسَ وَرَاءَ اللّهِ لِلْمَرْءِ مَذْهَبُ[5]

ترجمہ و تجزیہ

میں نے قسم اٹھائی تا کہ تمہارے دل میں کوئی شک نہ چھوڑوں اور اللہ کے بعد تو آدمی کے لئے کوئی جائے رفتن نہیں ہے۔ اس شعر میں وراء اللہ بمعنی بعد اللہ استعمال ہوا ہے۔ اس طرح آیت میں وراء بمعنی بعد ظرف زمان کے طور پر بطور مجاز استعمال ہوا ہے۔ لسان العرب نے وراء کا معنی خلف یعنی بعد کیا ہے۔ والوَرَاءُ: الخَلْفُ[6] تفسیر بیضاوی نے اس کا معنی ان کی زندگی کے بعد کیا ہے۔ قيل من وراء حياته[7]

﴿وَعَلَى اللّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ﴾[8] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

منھا کی ھاء ضمیر مجرور السبیل کی طرف راجع ہے اور السبیل بمعنی الطریق ہے۔ کیونکہ الطریق مذکر و مونث

---

[1] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر:3/5

[2] فاسی الصوفی، البحر المدید في تفسیر القرآن المجید:3/6

[3] ابراہیم:16

[4] شوکانی، فتح القدیر:3/120

[5] نابغہ ذبیانی، دیوان النابغة الذبياني، ص72

[6] ابن منظور، لسان العرب:1/193

[7] بیضاوی، تفسیر البیضاوی:3/342

[8] نحل:09

دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ اس کا استشہاد مفسر نے امرُؤُالقَیس (متوفی 545ء) کے اس شعر سے کیا ہے۔

وَمِنَ الطَّرِيقَةِ جَائِرٌ وَهُدًى ... قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهُ ذُو دَخَلَ[1]

ترجمہ و تجزیہ

اور راستے میں ظالم بھی ہے اور ہدایت کرنے والا بھی ہے وہ راستے کا ارادہ کرنے والا بھی ہے اور داخل ہونے والا بھی ہے۔ اس شعر میں الطریقہ مبتدا کی خبر جائز مذکر ہے کیونکہ الطریقہ مذکر و مونث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہی بات تفسیر قرطبی میں بھی درج ہے کہ سبیل یہاں طریق کے معنی میں ہے اور یہ مذکر و مونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ والسبيل بمعنى الطريق، يُذكر ويؤنث، وأُنِّثَ هنا[2] پس ثابت ہوا کہ آیت میں ھا ضمیر مجرور کا مرجع سبیل بمعنی طریق ہونا درست ہے۔

---

[1] امرُؤُالقَیس، دیوان امرئ القیس، ص144

[2] رازی، مفاتیح الغیب:19/ 178

باب پنجم: آیات کی بلاغی توضیح کیلئے استشہاد بالشعر

فصل اول: علم معانی سے متعلق استشہاد بالشعر

فصل دوم: علم بیان سے متعلق استشہاد بالشعر

فصل سوم: علم بدیع سے متعلق استشہاد بالشعر

باب پنجم کا تعارف

اس مقالے کا باب پنجم بلاغی قواعد کی وضاحت کیلئے استشہاد بالشعر الجاہلی پر مشتمل ہے۔ علم بلاغت سے مراد وہ فن ہے جس کے ذریعے ہم معنی کو خوبصورت الفاظ کے ذریعے سامع تک پہنچا سکتے ہیں۔ علم بلاغت کی تین مشہور شاخیں ہیں۔ اسی اعتبار سے اس باب کو چار فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس باب کی فصل اول مباحث علم المعانی، فصل دوم مباحث علم البیان اور فصل سوم مباحث علم البدیع کو بالتفصیل بیان کرے گی۔

فصل اول: علم معانی سے متعلق استشہاد بالشعر

علم معانی سے مراد علم بلاغت کی وہ شاخ ہے جس میں الفاظ کے محل استعمال اور معانی کے درست اور موزوں ہونے سے بحث کی جاتی ہے۔ اس علم میں جملے کو خبر وانشاء کے اعتبار سے پرکھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس علم کے تحت فصل و وصل اور ایجاز (کسی موضوع کو کم سے کم ممکنہ حرفوں میں ادا کرنا)، اطناب (کلام کو ضرورۃ طول دینا)، مساوات (الفاظ و معانی کی برابری) اور قصر (مخصوص طریقے سے ایک امر کو دوسرے کے ساتھ خاص کرنا) کے اصول بھی کلام میں خوبصورتی لانے کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ اس فصل میں علم معانی کے اعتبار سے استشہاد بالشعر الجاہلی کی بحوث ذکر کی جائیں گی۔

﴿الم﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانی کے بقول یہ حروف ان اسماء پر دلالت کرتے ہیں جو ان سے ماخوذ ہیں۔ مثلاً حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ لفظ (الف) اللہ تعالیٰ اور (لام) جبریل علیہ السلام پر اور م حضرت محمد ﷺ پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ مُرُوجِهَا نَعَمْ وَشَاءُ حروف بالترتیب انہی اسماء سے لیے گئے ہیں۔ زجاج کے قول کے مطابق ان میں سے ہر ایک حرف اپنا الگ معنی دیتا ہے۔ علم المعانی کی زبان میں اسکو ایجاز حذف کا نام دیا جاتا ہے۔ اور عرب لوگ ایجاز حذف کے قاعدے کو اپنی عام زبان میں استعمال کرتے تھے۔[2]۔ امام شوکانی نے اس کی دلیل میں یہ رجزیہ شعر پیش کیا ہے۔

فَقُلْتُ لَهَا قِفِي فَقَالَتْ قَافِ[3] يريد قد وقفتُ[4]

---

[1] بقرہ:1

[2] شوکانی، فتح القدیر:1\35

[3] نجم الدین، محمد بن الحسن الرضي الإستر اباذي، شرح شافية ابن الحاجب مع شرح شواهده للعالم الجليل عبد القادر بغدادی صاحب خزانة الأدب (بیروت: دار الکتب العلمیۃ 1975ء)، 4/ 271

[4] اندلسی، سمط اللآلي في شرح أمالي القالي: 1/ 743

ترجمہ و تجزیہ

میں نے اسکو کہا کہ ٹھہر جاؤتو وہ بولی "ق"، یعنی ٹھہر گئی۔ پس ثابت ہوا جس طرح مذکورہ شعر جاہلی میں "ق" سے مراد پورا لفظ (قفت) ہے اسی طرح "الم" سے بھی قاعدہ ایجاز حذف کے تحت پورے بمعنی الفاظ کی طرف اشارہ ہے جس کی مثال حضرت ابن عباس کے قول مذکور میں موجود ہے۔ اس کی تائید میں امام قرطبی بھی فرماتے ہیں کہ عرب لوگ حروف مقطعات کی زبان میں بات کرتے تھے[1]۔ اورامام بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہ بھی جائز ہے کہ "الم" میں ان کلمات کی طرف اشارہ ہو جو ان سے مرکب ہیں۔[2] اسی طرح حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ((كَفَى بِالسَّيْفِ شَا، يُرِيدُ أَنْ يَقُولَ: شَاهِدًا)) یہاں شا سے مراد شَاهِدًا ہے۔[3] بحثِ مذکور سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث مبارکہ، امام قرطبی اور امام بیضاوی بھی امام شوکانی کے ایجاز حذف کے بیان کے مؤید ہیں۔

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانی فرماتے ہیں "حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ" سے مراد یہ ہے کہ موت کے اسباب اور علامات کا ظاہر ہونا۔[5] یعنی دراصل عبارت یوں ہے "اذا حضراحد کم اسباب الموت وعلاماته"۔ یعنی یہاں مضاف محذوف ہے اور مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام رکھ دیا گیا ہے۔ ایسا کرنا علم المعانی کے قاعدہ ایجاز حذف کے تحت عین بلاغت ہے۔ اس کی نظیر میں علامہ موصوف نے عنترہ بن شداد بن العبسی المصری (608ء) کا درج ذیل شعر پیش کیا ہے۔

وَإِنَّ الْمَوْتَ طَوْعُ يَدِي إذا ...ما وصلت بنانها بالهندوان[6]

ترجمہ و تجزیہ

بے شک موت (کے اسباب) میرے مطیع ہیں جب میں ہندوانی تلوار کے ساتھ اس کی انگلیوں کے پوروں تک پہنچ جاتا ہوں۔ اس شعر کے شروع میں لفظ الموت سے اسباب الموت مراد ہیں کیونکہ انسان کے ہاتھ میں موت

---

[1] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن: 1\155

[2] بیضاوی، أنوار التنزیل وأسرار التأویل: 1/ 90

[3] عبد الرزاق ، أبو بكر عبد الرزاق بن همام بن نافع الحميري ،المصنف (القاهرة : دارالتاصیل2015ء)، باب الرَّجُلِ يَجِدُ عَلَى امْرَأَتِهِ رَجُلًا، ح 19005 (غریب)

[4] بقرہ: 180

[5] شوکانی، فتح القدیر: 1/ 204

[6] عنترہ، دیوان عنترۃ بن شداد، ص 220

نہیں بلکہ اسباب موت تک انسان کی رسائی ہے اور وہ اگلے مصرعے میں تلوار کا ذکر کر رہا ہے۔ تلوار موت نہیں دیتی بلکہ موت اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے تلوار صرف موت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ پس معلوم ہوا یہاں موت سے پہلے اسباب کا لفظ ایجاز حذف کے قاعدہ کے تحت محذوف ہے۔ اس طرح آیت میں بھی یہی معنی مراد ہے یعنی اسباب و علامات الموت۔ امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ امام زمحشری فرماتے ہیں کہ اس سے مراد "ظهرت أمارات الموت" ہے۔[1] ایسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر کا مصنف لکھتا ہے کہ "المراد من الموت هنا: أسبابه۔"[2]

﴿قُلْ فِيهِما إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُما أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِما﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ "الخمر و الميسر" کا گناہ بڑا ہے لیکن ساتھ ساتھ منافع بھی ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ الخمر کا سب سے بڑا نقصان یہ ھیکہ یہ عقل صحیح کو فاسد کر دیتی ہے پھر انسان سے وہ کام سرزد ہوتے ہیں جو فاسد عقل والے کرتے ہیں مثلاً باہم گالم گلوچ، لڑائی جھگڑا اور فضول اور بے ہودہ گفتگو کرنا، نمازوں کا چھوٹ جانا وغیرہ رہی بات جوئے کی تو یہ انسان کو فقر وفاقہ اور مال کے ضیاع کی طرف لے جاتا ہے اور اس سے دشمنی اور قلبی وحشت پیدا ہوتی ہے۔ جہاں تک تعلق ہے شراب کے فوائد کا اس میں تجارتی فوائد اور وقتی خوشی اور چستی اور قوت قلبی وغیرہ اس کے علاوہ اصلاح معدہ اور قوت باہ میں اضافہ بھی شامل ہے۔[4] اس آیت میں علم المعانی کا قاعدہ اطناب استعمال ہوا ہے۔ إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنافِعُ لِلنَّاسِ میں ابہام تھا کہ گناہ زیادہ ہے یا نفع زیادہ ہے۔ وَإِثْمُهُما أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِما کی عبارت کو رفع ابہام کے لئے بطور اطناب ذکر کر دیا۔ شعراء عرب نے بھی شراب کے مفاسد و منافع کا ذکر اپنے اشعار میں کیا ہے۔ امام شوکانی نے المخبّل ربيعة بن عوف بن قتال بن انف الناقة القريعي السعدي (متوفی 637ء) درج ذیل اشعار بطور استشہاد پیش کئے ہیں۔

فإذا شَرِبْتُ فَإِنَّنِي ... رَبُّ الْخَوَرْنَقِ وَالسَّدِيرِ
وَإِذَا صَحَوْتُ فَإِنَّنِي ... رَبُّ الشُّوَيْهَةِ وَالْبَعِيرِ[5]

---

[1] زمحشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل: 1/223

[2] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر: 1/157

[3] بقرہ: 219

[4] شوکانی، فتح القدیر: 1/253

[5] شهاب الدين النويري، نهاية الأرب في فنون الأدب، 4/105

جب میں شراب پیتا ہوں تو خود کو الخورنق اور السدیر (فارسی محلات) کا مالک سمجھتا ہوں اور جب عقل نشے سے صحیح ہوتی ہے تو بکری اور اونٹ کا مالک ہوتا ہوں۔ ایک اور شاعر حضرت حسان بن ثابت بن منذر بن حرام (متوفی 647ء) لکھتے ہیں۔

وَنَشْرَبُهَا فَتَتْرُكُنَا مُلُوكًا ... وَأُسْدًا مَا يُنَهْنِهُنَا اللِّقَاءُ[1]

ہم اس (شراب) کو پیتے ہیں تو یہ ہمیں (ہمارے گمان میں) بادشاہ اور شیر بنادیتی ہے جو (دشمن کو) ہمارے ساتھ جنگ سے روکتی ہے۔ قیس بن عاصم منقری کہتا ہے۔

رَأَيْتُ الْخَمْرَ صَالِحَةً وَفِيهَا ... خِصَالٌ تُفْسِدُ الرَّجُلَ الْحَلِيمَا

فَلَا وَاللّٰهِ أَشْرَبُهَا صَحِيحًا ... وَلَا أَشْفِي بِهَا أَبَدًا سَقِيمَا

وَلَا أُعْطِي بِهَا ثَمَنًا حَيَاتِي ... وَلَا أَدْعُو لَهَا أَبَدًا نَدِيمَا[2]

ترجمہ و تجزیہ

میں نے شراب صالح دیکھا ہے لیکن اس میں ایسی خصلتیں ہیں جو حلیم آدمی کو بھی خراب کر دیتی ہیں۔ اللہ کی قسم اس کو میں تندرست حالت میں ہی پیتا ہوں اور کبھی بھی بیمار آدمی کو بطور شفا نہیں بلاتا۔ اور نہ ہی اس کو میں آپنی زندگی بطور قیمت دیتا ہوں اور نہ اس کی خاطر ہمیشہ کے لئے خود کو شرابی کہلواتا ہوں۔ دونوں اشعار میں شراب کے فوائد بھی بیان کئے گئے لیکن نقصانات زیادہ بیان ہوئے ہیں۔ یہ تمام اشعار اطناب کی قسم سے ہیں کیونکہ ان میں شراب کے فوائد و نقصانات کا ذکر ہے لیکن بطور رفع ابہام نقصانات زیادہ ذکر کئے گئے ہیں۔

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

"اللغو"لغا یلغوا لغواًاورلغی یلغی لغیاً سے مصدر ہے یعنی باب نصر ینصر سے ناقص واوی ہے اور ضرب یضرب سے ناقص یائی آتا ہے۔ اس سے مراد وہ کلام ہے جس سے کوئی دلیل نہ پکڑی جائے یا وہ کلام جس میں کوئی بھلائی نہ ہو۔ یعنی وہ ساقط کلام مراد ہے جو کسی شمار میں نا ہو۔ پس یمین لغو سے مراد وہ قسم ہے جس کو کسی شمار میں نہیں لایا جاتا اور اسی سے ایک ترکیب بولی جاتی ہے کہ اللغوفی الدیۃ سے مراد اونٹ کا وہ چھوٹا بچہ ہے جو دیت میں شمار نہیں کیا جاتا۔[4] اس آیت میں ایجاز قصر ہے کہ مختصر الفاظ مگر کثیر معانی کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہیں۔ اللغو بظاہر

---

[1] حسان، دیوان حسان بن ثابت، ص19

[2] عسکری، ابوہلال الحسن بن عبد اللہ بن سھل بن سعید بن یحیی بن مھران، الأوائل، ص50

[3] بقرہ:225

[4] شوکانی، فتح القدیر:1/263

ایک لفظ ہے لیکن ہر قسم بے فائدہ گفتگو کو یا چیز یا کام کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے۔ اس معنی کی دلیل صاحب تفسیر نے أبو الشعثاء عبد الله بن رؤبة بن لبيد بن صخر السعدي التميمي المعروف عجاج (متوفی 715ء) کے درج ذیل شعر جاہلی سے پکڑی ہے۔

وَرُبَّ أَسْرَابِ حَجِيجٍ كُظَّمِ ... عَنِ اللَّغَا ورفث التّكلّم [1]

ترجمہ و تجزیہ

پرندوں کے شور و غل کرنے والے اکثر جھنڈ بے مقصد اور بے ہودہ گفتگو سے خاموش ہیں۔ اس شعر میں "كظم عن اللغا" سے مراد یہ ہے کہ وہ بے مقصد چیز کے بارے میں گفتگو نہیں کرتے۔ یہ شعر بھی ایجاز قصر کی عمدہ مثال ہے۔ امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ صاحب تفسیر بغوی فرماتے ہیں کہ اللغو كل ساقط مُطْرَحٍ مِنَ الْكَلَامِ لَا يُعْتَدُّ بِهِ[2] اور صاحب لسان العرب فرماتے ہیں کہ اللَّغْو واللَّغا: السَّقَط وَمَا لَا يُعتدّ بِهِ مِنْ كَلَامٍ وَغَيْرِهِ وَلَا يُحصَل مِنْهُ عَلَى فَائِدَةٍ ولا نَفْعٍ[3]

﴿لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

قول جمہور کے مطابق "سِنَةٌ" سے مراد النعاس یعنی وہ اونگھ کی حالت مراد ہے جو نیند سے پہلے ہوتی ہے۔ آنکھیں بوجھل اور بند ہونا شروع ہوتی ہیں یہی حالت دل تک پہنچتی ہے تو اسکو نیند کہتے ہیں۔ سنۃ، نعاس اور نوم میں درجہ ذیل فرق ہے۔ السنۃ کا تعلق سر سے ہے۔ النعاس کا تعلق آنکھ کے ساتھ ہے یعنی اونگھ آنکھ میں آتی ہے۔ النوم، جب قلب بھی سو جائے تو اس حالت کو نیند کہتے ہیں۔ سنۃ کے ساتھ عقل مفقود نہیں ہوتی جب کہ حالت نوم میں عقل مفقود ہوتی ہے۔ آیت میں سنۃ کو پہلے اور نوم کو بعد میں اس لئے ذکر کیا کہ سنۃ وجود میں بھی پہلے ہے۔ امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں جب یہ کہا جائے کہ اس ذات کو اونگھ نہیں آتی تو بدرجہ اولی نیند نہیں آتی ہو گی تو اس صورت نوم کا ذکر بطور تکرار کیا ہے۔ امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ جب اونگھ کی حالت دفعۃً قلب و آنکھ پر وارد ہو تو اس کو نوم کہتے ہیں اس صورت میں سنۃ کا وجود ہی نہیں ہو گا۔ پس سنۃ کی نفی نوم کی نفی کو لازم نہیں آتی۔[5] بلاغت کی رو سے لفظ نوم عام

---

[1] مغربي، أبو القاسم الحسين بن علي بن الحسين، أدب الخواص في المختار من بلاغات قبائل العرب وأخبارها وأنسابها (الرياض: دار اليمامة للبحث والترجمة والنشر 1980ء)، ص123 (یہ شعر عجاج کا ہے۔)

[2] بغوی، تفسیر بغوی: 1/295

[3] ابن منظور، لسان العرب: 15/250

[4] بقرہ: 255

[5] شوکانی، فتح القدیر: 1/311

ہے جو اونگھ اور نیند دونوں کو شامل ہے جبکہ سنۃ کا لفظ خاص ہے جو صرف اور صرف اونگھ کا معنی دیتا ہے۔ پس آیت میں خاص کے بعد عام کو ذکر کیا گیا ہے، مضمون کی مزید وضاحت کے لئے۔ علم بلاغت کی زبان میں اس اسلوب کلام کو اطناب کہتے ہیں۔ اور عربوں کا طریق بھی اس بات پر شاہد ہے یعنی سنۃ خاص کے بعد نوم عام کو ذکر کر کے دونوں کی نفی اکٹھی کرتے ہیں۔ سنۃ خاص کے بعد نوم عام ذکر کرنے کی دلیل امام شوکانی نے درج زہیر بن ابی سلمٰی بن ربعیہ بن رباح مزنی (متوفی 609ء) کے ذیل شعر جاہلی سے پکڑی ہے۔

وَلَا سِنَةٌ طَوَالَ الدَّهْرِ تَأْخُذُهُ ... وَلَا يَنَامُ وَمَا فِي أَمْرِهِ فَنَدُ[1]

ترجمہ و تجزیہ

نہ ہی لمبی اونگھ آتی ہے اس کو اور نہ ہی وہ سوتا ہے اور نہ اس کے معاملے میں کوئی خطاء واقع ہوتی ہے۔ شاعر نے اس شعر میں سنۃ خاص کے بعد نوم عام کو ذکر کر کے دونوں کی نفی اکٹھی کی ہے اور یہی اطناب ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف سنۃ خاص کی نفی نوم عام کی نفی کو مستلزم نہیں ہے۔ دونوں الگ الگ حالتیں ہیں اور دونوں کی الگ الگ نفی لازم ہے۔ اسی طرح درج ذیل اقوال علماء بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ لسان العرب کے مصنف فرماتے ہیں کہ "السِّنَةُ: نُعاسٌ يبدأُ فِي الرأْس، فإِذا صَارَ إِلى الْقَلْبِ فَهُوَ نَوْمٌ"۔[2] **الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل کے مصنف فرماتے ہیں کہ** "السنة: ما يتقدّم النوم من الفتور الذي يسمى النعاس"۔[3]

﴿وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

صاحب تفسیر "يَعْلَمُهُ" کی "ہ" ضمیر کے مرجع کے ذکر میں کچھ اس طرح گویا ہیں۔ ضمیر کا مرجع دو چیزیں ہیں نفقہ اور نذر لیکن اس کے باوجود اللہ کریم نے ضمیر واحد ذکر کی ہے۔

کیونکہ **اصل عبارت** "وَماَ انقفتم من نفقة فان الله يعلمه او نذرتم من نذر فانالله يَعْلَمُهُ" ہے **لیکن** پھر دوسری عبارت کی موجودگی میں پہلی کو خذف کر دیا۔ دوسرا قول امام نحاس کا ہے کہ اگر عطف أو کے حرف کے ساتھ ہو تو پھر ضمیر واحد اور تثنیہ دونوں جائز ہوتی ہیں۔ جس طرح درجہ ذیل آیات میں ہے ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا

---

[1] ایضا:6/110

[2] ابن منظور، لسان العرب:13/449

[3] زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل:1/299

[4] بقرہ:270

إِلَيْهَا﴾[1] اور ﴿وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيئًا﴾[2] اور تثنیہ کی مثال جس طرح درجہ ذیل آیت میں ہے ۔﴿إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَى بِهِمَا﴾[3] امام شوکانیؒ آخر میں فرماتے ہیں کہ اگر عطف واؤ کے ساتھ بھی ہو تو بھی دو مرجعوں کے لئے ضمیر واحد ذکر کرنا جائز ہے۔[4] دراصل ان تمام آیات میں ایجاز حذف کا قاعدہ جاری ہو رہا ہے جیسا کہ اوپر مذکور بھی ہوا۔ ایجاز حذف کی مثال دینے کے لئے بطور دلیل امرُؤُالقَیس (متوفی 545ء) کا درجہ ذیل شعر پیش کیا گیا ہے۔

فَتُوضِحَ فَالْمِقْرَاةِ لَمْ يَعْفُ رَسْمُهَا ... لِمَا نسجتها مِنْ جَنُوبٍ وَشَمْأَلِ[5]

ترجمہ و تجزیہ

مقام توضح اور مقراۃ کے نشانات کو شمال و جنوب سے چلنے والی ہواؤں نے نہیں مٹایا۔ توضح اور مقراۃ دو مقامات ہیں اور ضمیر واحد کی ہے۔ اصل عبارت فتوضح لم یعف رسمھا فالمقراۃ لم یعف رسمھا۔ لیکن پہلا لم یعف رسمھا ایجاز حذف کے تحت لفظا محذوف کر دیا گیا دوسرے پر اکتفاء کرتے ہوئے۔ اسی طرح قیس بن خطیم (متوفی 620ء) کا یہ شعر بھی اسی معنی میں ہے۔

نَحْنُ بِمَا عِنْدَنَا وَأَنْتَ بِمَا ... عِنْدَكَ رَاضٍ وَالرَّأْيُ مُخْتَلِفُ [6]

ترجمہ و تجزیہ

جو ہمارے پاس ہے ہم اس پہ راضی ہیں اور جو آپ کے پاس ہے آپ اس پہ راضی ہیں اور سب کی رائے مختلف ہے۔ اس شعر میں نحن بما عندنا کے بعد راضون مسند لفظا ایجاز حذف کے قاعدہ کے تحت محذوف ہے۔ امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ صاحب تفسیر أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر کے نزدیک بھی اس کا مطلب یہ ہے۔"في الآية إيجاز بليغ إذ التقدير: وما أنفقتم من نفقة فإن الله يعلمها، أو نذرتم من نذر فإن الله يعلمه، فحذف من الأول لدلالة الأخير عليه تجنباً للتكرار المنافي لبلاغة الكلام"۔[7]

---

[1] جمعۃ:11

[2] نساء:112

[3] نساء:135

[4] شوکانی، فتح القدیر:1/333

[5] امرُؤُالقَیس، دیوان امریٔ القیس، ص22

[6] رفاعی، أحمد مطلوب أحمد الناصري الصيادي، أساليب بلاغية، الفصاحة-البلاغة-المعاني (الكويت: وكالة المطبوعات 1980ء)، ص164

[7] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر:1/263

اور صاحب تفسیر قرطبی کے نزدیک بھی اس کا مطلب یہ ہے "يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ التَّقْدِيرُ: وَمَا أَنْفَقْتُمْ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ"[1]

﴿وَلَا تَسْأَمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ﴾[2] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

مفسر نے "تسئموا" کا معنی "تملوا" بیان کیا ہے یعنی تم نہ اکتاؤ لکھنے سے۔ امام احفش فرماتے ہیں کہ کلام عرب میں سئمت، أسأم، سامته اور ساما کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔[3] اس آیت میں علم المعانی کے اعتبار سے مساوات ہے یعنی معانی الفاظ کے برابر اور الفاظ معانی کے برابر ہیں۔ امام موصوف نے اس پر زہیر بن ابی سلمیٰ بن ربعیہ بن رباح مزنی (متوفی 609ء) کے درجہ ذیل شعر جاہلی سے استشہاد کیا ہے۔

سَئِمْتُ تَكَالِيفَ الْحَيَاةِ وَمَنْ يَعِشْ ... ثَمَانِينَ حَوْلًا لَا أَبَا لَكَ يَسْأَمِ [4]

ترجمہ و تجزیہ

میں زندگی کی تکالیف سے اکتا گیا ہوں اور جو آدمی اسی سال زندہ رہے گا وہ لا محالا اکتائے گا۔ اس شعر میں لفظ سئمت اور یسأم دونوں اکتانے کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کی آیت میں بھی لفظ تسأموا، تملوا کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور یہ شعر بھی مساوات کی قسم سے ہے۔ تفسیر أیسر التفاسیر کے مصنف فرماتے ہیں کہ وَلَا تَسْأَمُوا کا مطلب لا تضجروا أو تملوا ہے۔[5] تفسیر بیضاوی کے مصنف فرماتے ہیں کہ وَلَا تَسْأَمُوا کا مطلب ولا تملوا ہے۔[6] لسان العرب میں ہے کہ سَئِمَ الشيءَ کا مطلب مَلَّ ہے اور اسی سے رَجُلٌ سَؤُومٌ ہے۔[7]

﴿لَيْسُوا سَوَاءً مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ﴾[8] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانی "أُمَّةٌ قَائِمَةٌ" کی تفسیر میں درج ذیل اقوال ذکر کرتے ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ امام اخفش کے مطابق اصل عبارت من اہل الکتاب "ذو أُمَّةٍ" ای "أهل طريقة حسنة" یعنی لفظ أُمَّةٍ بمعنی طریقہ اور دین کے ستعمال

[1] قرطبی، تفسیر القرطبي: 1/331

[2] بقرہ: 282

[3] شوکانی، فتح القدیر: 1/347

[4] ابن الأثیر الکاتب، نصر اللہ بن محمد بن محمد بن عبد الکریم الشیبانی، الجامع الکبیر في صناعة المنظوم من الکلام والمنثور (مطبعة المجمع العلمي 1375ھ)، ص 120

[5] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر: 1/274

[6] بیضاوی، تفسیر البیضاوي: 1/580

[7] ابن منظور، لسان العرب: 12/280

[8] ال عمران: 113

ہوا ہے اور اس سے پہلے لفظ ذو محذوف ہے۔ یعنی یہاں مضاف بطور ایجاز حذف محذوف ہے۔[1] أُمَّةٍ بمعنی طریقہ اور دین اور اس سے پہلے لفظ ذو ہونے کی مثال شاعر نابغة ذبیاني(متوفی 604ء) کے درج ذیل شعر سے پیش کی گئی ہے۔

حلَفْتُ، فلم أترُكْ لنفسِكَ رِيبةً، ... وهلْ يأثَمَنْ ذو أُمةٍ، وهوَ طائعُ؟ [2]

ترجمہ و تجزیہ

اس شعر میں لفظ ذو امۃ اهل دین اور طریقہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور اس کا قرینہ یا ثمن اور طائع ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عبارت میں حذف ہے اور اصل عبارت یہ ہے کہ "من أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ وَأُخْرَى غَيْرُ قَائِمَةٍ "دوسرے کو ترک کر دیا صرف پہلے حصے پر اکتفاء کرتے ہوئے۔ بلاغت کی زبان میں اسکو ایجاز حذف کہتے ہیں۔ حذف عبارت کا استشہاد ابو ذؤیب خویلد بن خالد الہذلی(متوفی 654ء) کے درجہ ذیل شعر جاہلی سے کیا گیا ہے۔[3]

عَصَيْتُ إِلَيْهَا الْقَلْبَ إِنِّي لِأَمْرِهَا ... مُطِيعٌ فَمَا أَدْرِي أَرُشْدٌ طِلَابُهَا؟[4] أَرَادَ أَرُشْدٌ أَمْ غَيٌّ؟

ترجمہ و تجزیہ

میں نے اس کی طرف مائل ہونے سے دل کی نافرمانی کی اور بے شک میں اس کے حکم کی اطاعت کرنیوالا ہوں۔ لیکن یہ نہیں جانتا کہ اس کی طلب کرنا درست معاملہ ہے یا غلط۔ اس شعر میں حذف عبارت ہے اصل عبارت یوں ہے "أَرُشْدٌ طِلَابُهَا أَمْ غَيٌّ؟ عبارت کے ایک حصہ کو ذکر کر دیا اور دوسرے کو حذف کر دیا پہلے حصے پر اکتفا کرتے ہوئے۔ اس طرح آیت میں بھی پہلے حصہ عبارت پر اکتفا کرتے ہوئے دوسرے حصے کو حذف کر دیا۔ علماء کرام کے درج ذیل اقوال بھی اسی معنی پہ شاہد ہیں۔ المفردات فی غریب القرآن کے مصنف کے نزدیک اس کا مطلب "ذو طريقة واحدة" ہے۔[5] اسی طرح تفسیر قرطبی کے مصنف کے نزدیک بھی اس کی اصل عبارت "مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ ذُو أُمَّةٍ، أَيْ ذُو طَرِيقَةٍ حسنة ہے۔[6] پس ثابت ہو گیا کہ آیت میں حذف موجود ہے۔

---

[1] شوکانی، فتح القدیر: 1/427

[2] نابغہ ذبیانی دیوان النابغة الذبياني، ص35

[3] شوکانی، فتح القدیر: 1/428

[4] رافعی، تاریخ آداب العرب: 1/241

[5] راغب اصفہانی، المفردات في غريب القرآن، ص23

[6] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن: 4/175

﴿وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

قاری حمزہ اور کسائی نے اسکو "وقتلواوقاتلوا" پڑھاہے ترتیب بدل کر۔ اور یہ طریقہ عربوں کے ہاں رائج ہے ۔[2] اس آیت میں وصل ہے لیکن ترتیب ملحوظ نہیں ہے۔ اور ایجاز حذف بھی ہے کہ اصل عبارت یوں ہے "قاتلوابعضهم وقتلوابعضهم۔ اس کی مثال شوکانیؒ نے نمر بن تولب (متوفی 635ء) کے ایک مصرعہ سے دی ہے۔

تَصَابَى وَأَمْسَى عَلَاهُ الْكِبَرْ أَيْ: قَدْ عَلَاهُ الْكِبَرُ۔[3]

ترجمہ و تجزیہ

وہ بیمار ہو گیا اور بوڑھا ہو گیا۔ اس شعر میں واو مطلق جمع کے لئے ہے۔ اسی طرح آیت میں بھی قاتلوا اور قتلوا کے درمیان جو واو ہے یہ مطلق جمع کرنے کے لئے ہیں یہاں کوئی ترتیب ملحوظ نہیں ہے۔ اور یہاں مراد یہ ہے کہ انہوں نے جہاد کیا اور بعض کافروں کو قتل کیا اور ان میں سے بعض شہید ہو گئے۔[4] اس کی مثال امْرُؤُالقَيْس (متوفی 545ء) کے درج ذیل شعر میں موجود ہے۔

فَإِنْ تَقْتُلُونَا نُقَتِّلْكُمُ[5]

ترجمہ و تجزیہ

اگر تم ہمیں (بعض کو) قتل کرو گے ہم (بعض) تمہیں قتل کریں گے۔ اس شعر میں ان تقتلونا شرط ہے اور نقتلکم جزاء ہے قاعدہ یہ ہے کہ پہلے شرط کا وجود واقع ہو جائے تب جزاء واقع ہوتی ہے۔ لیکن یہاں یہ ترتیب مراد نہیں ہے بلکہ یہاں بھی قاعدہ ایجاز حذف کے تحت معنی یہ ہے "ان تقتلوابعضنا نقتل بعضکم" اسی طرح آیت میں بھی یہ مراد ہے کہ انہوں ان کے بعض لوگوں کو قتل کیا اور بعد میں ان میں سے بعض شہید کر دیئے گئے۔ اسی طرح درج ذیل اقوال علماء بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ امام بغوی فرماتے ہیں کہ وَقَاتَلَ مَنْ بَقِيَ مِنْهُمْ، وَمَعْنَى قَوْلِهِ وَقُتِلُوا أَيْ: قُتِلَ بَعْضُهُمْ، تَقُولُ الْعَرَبُ قَتَلْنَا بَنِي فُلَانٍ وَإِنَّمَا قَتَلُوا بَعْضَهُمْ[6] امام بہاؤالدین تفسیر منار میں فرماتے

---

[1] ال عمران:195

[2] شوکانی، فتح القدیر:1/473

[3] امیل بدیع یعقوب، المعجم المفصل في شواهد العربية، ص3/20

[4] شوکانی، فتح القدیر:1/474

[5] امْرُؤُالقَيْس، دیوان امرئ القیس، ص88

[6] بغوی، تفسیر بغوی:1/558

ہیں کہ فَقَدْ قَرَأَهُ حَمْزَةُ بِعَكْسِ التَّرْتِيبِ فِي اللَّفْظِ " وَقُتِلُوا وَقَاتَلُوا "، وَقَالُوا فِيهِ: إِنَّ الْوَاوَ لَا تُفِيدُ تَرْتِيبًا، وَلِأَنَّ الْمُرَادَ أَنَّ الْكُفَّارَ كَانُوا هُمُ الْبَادِئِينَ، فَلَمَّا قُتِلَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أُنَاسٌ قَاتَلُوا الْكُفَّارَ[1] امام نسفی فرماتے ہیں کہ وقتلوا وقاتلوا على التقديم والتأخير حمزة وعلي وفيه دليل على أن الواو لا توجب الترتيب والخبر[2] پس ثابت ہوگیا کہ آیت میں حذف موجود ہے وگرنہ معنی درست نہیں معلوم ہوتا۔

﴿وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

"عُدْوَان" کا مطلب ہے حد کو تجاوز کرنا اور ظلم کا مطلب ہے کسی چیز کو غیر موزوں جگہ پر رکھنا۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ عدوان اور ظلم دونوں کا ایک ہی معنی ہے اور تکرار صرف تاکید بیان کرنے کے لئے ہے۔[4] تاکید کا معنی پیدا کرنے کے لئے الفاظ کی زیادتی اطناب کہلاتی ہے۔ ہم معنی الفاظ کے تکرار کو تاکید کے لئے استعمال کرنے کی مثال دیوان عرب میں موجود ہے اس کی ایک مثال درجہ ذیل مصرعہ ہے۔

وألفى قولها كذبا ومينا [5]

ترجمہ و تجزیہ

والمين: بفتح الميم، الكذب،على أنّ عطف المرادف إنما يكون بالواو فإن المين هو الكذب[6] المین میم کے فتح کے ساتھ جب آئے تو اس کا مطلب بھی کذب ہی ہوتا ہے۔ اس کے قول کو سراسر جھوٹ پایا۔ اس شعر میں كذبا ومينا دونوں مترادف الفاظ ہیں اور حرف عطف واؤ کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ اور اس عطف کو عطف مرادف کہا جاتا ہے۔ اور یہ بطور اطناب معنی میں قوت پیدا کرنے کے لئے آتا ہے۔ اس طرح آیت میں عدوانا و ظلما میں بطور اطناب عطف مرادف کی نسبت ہے تاکید کے معنی کے لئے۔ امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ صاحب تفسیر فتح البیان فرماتے ہیں۔"إن معنى العدوان والظلم واحد، وتكريره لقصد التأكيد[7]، امام جزائری کا نظریہ بھی یہی ہے کی "عُدْوَاناً وَظُلْماً" کا مطلب اعتداء يكون فيه ظالماً ہے۔[8]

---

[1] بہاء الدین، تفسیر القرآن الحکیم (تفسیر المنار):4/252

[2] نسفی، تفسیر نسفی:1/323

[3] نساء:30

[4] شوکانی، فتح القدیر:1/527

[5] شُرّاب، شرح الشواهد الشعرية في أمات الكتب النحوية:3/238

[6] ایضا

[7] قنوجی، فتح البیان في مقاصد القرآن:3/96

[8] جزائری، أيسر التفاسير لكلام العلي الكبير:1/465

﴿وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

اس آیت میں ک ضمیر کے مخاطب یا تو پوری انسانیت ہے یا خطاب رسول ﷺ کو ہے اور اس سے مراد آپ ﷺ کی امت ہے۔ یعنی تمھیں جو بھی بلا، سختی اور مشکل پیش آتی ہے تو وہ تمھارے گناہوں کی سزا کے طور پر آتی ہے۔ امام شوکانیؒ ایک قول دوسرا بھی نقل کرتے ہیں کہ فمن نفسک سے پہلے ہمزہ استفہام محذوف ہے۔[2] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔﴿فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بازِغاً قالَ هَذَا رَبِّي﴾[3] أَيْ أَهَذَا رَبِّي- یہ علم المعانی کی قسم استفہام سے ہے۔ اور ہمزہ استفہام یہاں اپنے اصلی معنی کے بجائے توبیخ کے معنی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ یعنی لفظاً اگرچہ ہمزہ موجود نہیں ہے لیکن معناً موجود ہے۔ امام شوکانیؒ نے کلام میں ہمزہ استفہام کے محذوف ہونیکی دلیل ابو خراش ہذلی متوفی (641ء) کے درجہ ذیل شعر جاہلی سے پکڑی ہے۔

رَمَوْنِي وَقَالُوا يَا خُوَيْلِدُ لَمْ تُرَعْ ... فَقُلْتُ وَأَنْكَرْتُ الْوُجُوهَ هُمُ هُمُ [4]

ترجمہ و تجزیہ

انہوں نے مجھے پھینک دیا اور کہا، "اے خویلد، تم گھبراؤ نہیں۔ میں نے (ان) چہروں کو اجنبی پایا تو میں نے کہا کیا یہ وہی لوگ ہیں؟ اس شعر میں هُمُ هُمُ آیا ہے اصل عبارت أهُمُ هُمُ ہے اور ہمزہ استفہام لفظاً محذوف ہے لیکن معناً موجود ہے۔[5] پس معلوم ہوا کہ کلام عرب میں ہمزہ استفہام کو لفظاً محذوف رکھنے کی مثال موجود ہے اور بلاغیین کے نزدیک یہ ایجاز حذف کہلاتا ہے۔

﴿وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

السنین سے مراد قحط ہے۔ اور یہ اہل عرب کے ہاں معروف ہے کہ جس سال قحط ہو تو اسکو عرب کہتے ہیں"أَصَابَتْهُمْ سَنَةٌ" اور حدیث شریف میں آیا ہے(اللَّهُمَّ اجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ)[7] اسنت القوم کا

---

[1] نساء:79

[2] شوکانی، فتح القدیر:1/565

[3] انعام:77

[4] اندلسی، فصل المقال فی شرح کتاب الأمثال، ص82

[5] شوریٰ:30

[6] اعراف:130

[7] أبو داود، سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير بن شداد، سنن أبي داود (بیروت: المكتبة العصرية) كِتَاب الصَّلَاةِ، بَاب الْقُنُوتِ فِي الصَّلَوَاتِ، ح1442

مطلب ہے قحط میں مبتلا کرنا۔[1] اس آیت میں ایجاز قصر ہے یعنی مختصر الفاظ میں کثیر معانی بیان کر دیئے گئے ہیں۔ مختصر سی عبارت مصر کے معاشی اتار چڑہاؤ کو بیان کر گئی ہے۔ شاعر ابن الزبعری (متوفی 636ء) کا قول ہے کہ

وَرِجَالُ مَكَّةَ مُسْنِتُونَ عِجَافُ[2]

ترجمہ و تجزیہ

مکہ کے لوگ قحط زدہ، لاغر ہیں۔ مُسْنِتُونَ عِجَاف سے مراد قحط میں مبتلا کیا جانا ہے پس ثابت ہوتا ہے کہ آیت میں بھی السِّنِينَ سے مراد قحط ہی ہے۔ المفردات فی غریب القرآن میں لکھا ہے کہ السنۃ کا اطلاق اس سال کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جس میں قحط ہو۔ عبارة عن الجدب وأكثر ما تستعمل السنة في الحول الذي فيه الجدب[3] لسان العرب نے بھی السنین سے مراد القحوط لیا ہے بِالسِّنِينَ؛ أَي بالقُحُوط[4]

﴿فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

الشماتہ کا مطلب دشمن کا اپنے مخالف کو مصائب میں مبتلا دیکھ کر خوش ہونا ہے۔[6] حدیث شریف میں آیا ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ اس طرح دعا فرماتے تھے۔ ((أن النبي صلى الله عليه و سلم كان يستعيذ من سوء القضاء وشماتة الأعداء ودرك الشقاء وجهد البلاء))[7] اس آیت میں لفظاً انشاء طلبی کی قسم نہی استعمال ہوئی ہے۔ اور یہاں ایجاز قصر بھی ہے کیونکہ مختصر عبارت میں کثیر معانی پائے جاتے ہیں۔ یعنی مختصر سی دعا میں ہر قسم کی انفرادی و ریاستی کمزوری و مصیبت سے پناہ مانگ لی۔

یہی بات اَکْثَمُ بن صَيْفِي التميمي (672ء) کا یہ شعر بھی کرتا ہے۔

فَقُلْ لِلشَّامِتِينَ بِنَا أَفِيقُوا ... سَيَلْقَى الشَّامِتُونَ كَمَا لَقِينَا[8]

---

[1] شوکانی، فتح القدیر: 2/270

[2] جاحظ، البخلاء، أبو عثمان عمرو بن بحر بن محبوب الكناني (بیروت: دار الکتب العلمیۃ 2001ء)، 2/204

[3] راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، ص 245

[4] ابن منظور، لسان العرب: 13/501

[5] اعراف: 150

[6] شوکانی، فتح القدیر: 2/283

[7] نسائی، سنن النسائی الکبری، کتاب الاستعاذۃ، باب الاستعاذۃ من درک الشقاء، ح 7928

[8] میدانی، مجمع الامثال: 1/63 اَکْثَمُ بن صَيْفِي التميمي

ترجمہ و تجزیہ

ہمارے مصائب پہ خوش ہونے والوں کو کہہ دو کہ ٹھہرو تمھارے دشمن بھی جلد خوش ہوں جیسا کے ہم نے پایاہے۔اس شعر میں الشَّامِتُونَ سے مراد وہ مخالفین ہیں جو قوم کو مصیبت زدہ دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔ شعر کے پہلے مصرعے میں انشاء طلبی کی قسم امر استعمال ہوئی ہے اور یہاں بھی ایجاز قصر ہے۔ لسان العرب اور مفردات القرآن دونوں میں الشماتۃ کا مطلب دشمن کا خوش ہونا ہے اپنے دشمن کی مصیبت پر۔ الشَّماتة: فَرَحُ الْعَدُوِّ[1] الشماتة الفرح ببلية من تعاديه ويعاديك[2] پس معلوم ہوا دشمن کی خوشی سے پناہ مانگنے کا مطلب ہر قسم کی بھلائی طلب کرنا اور ہر قسم کے مصائب سے پناہ مانگنا ہے۔ایک جملہ لا تشمت اتنے کثیر معانی پر مشتمل ہے۔

﴿مِنْ وَرَائِهِ جَهَنَّمُ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

یہاں وراء بمعنی بعد کے استعمال ہوا ہے یعنی ہلاکت کے بعد جہنم کا عذاب ہے۔[4] یعنی ہ ضمیر سے پہلے لفظ ہلاک یا حیات محذوف ہے۔اس لحاظ سے آیت میں ایجاز حذف ہے۔ مثلاً نابغۃ ذبیانی (متوفی 604ء) کا یہ شعر ہے۔

حَلَفْتُ فَلَمْ أَتْرُكْ لِنَفْسِكَ رِيبَةً ... وَلَيْسَ وَرَاءَ اللهِ لِلْمَرْءِ مَذْهَبُ[5]

ترجمہ و تجزیہ

میں نے قسم اٹھائی تا کہ تمہارے دل میں کوئی شک نہ چھوڑوں اور اللہ کی رحمت کے بعد تو آدمی کے لئے کوئی جائے رفتن نہیں ہے۔ اس شعر میں وراء اللہ اصل میں بعد رحمۃ اللہ ہے۔یعنی لفظ رحمت ایجازاً محذوف ہے۔ اس طرح آیت میں بھی وراء کے بعد لفظ ہلاکت یا حیات محذوف ہے۔لسان العرب نے وراء کا معنی خلف یعنی بعد کیا ہے۔ والوَرَاءُ: الخَلْفُ[6] تفسیر بیضاوی نے اس کا معنی ان کی زندگی کے بعد کیا ہے۔ قيل من وراء حياته[7] پس ثابت ہوا امام بیضاوی بھی یہاں لفظ حیات محذوف مانتے ہیں۔اور یہی ایجاز حذف ہے۔

---

[1] ابن منظور، لسان العرب:2/51

[2] راغب اصفہانی، المفردات في غريب القرآن، ص266

[3] ابراہیم:16

[4] شوکانی، فتح القدیر:3/120

[5] نابغہ ذبیانی دیوان النابغة الذبیاني، ص35

[6] ابن منظور، لسان العرب:1/193

[7] بیضاوی، تفسیر البیضاوی:3/342

فصل دوم: علم بیان سے متعلق استشہاد بالشعر

علمِ بیان کے معنی واضح کرنا اور روشن کرنا کے ہیں۔ یہ کسی بھی تحریر کی نگارش میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اس علم کی بدولت کوئی بھی تحریر فصاحت اور بلاغت کی عکاسی بھی کرتی ہے۔ اس کی چار اہم اقسام ہیں جن میں تشبیہ، استعارہ، کنایہ، مجاز مرسل شامل ہیں۔

تشبیہ: یہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا مادہ شبہ ہے۔ کسی مشارکت کی بنا پر ایک چیز کو دوسری چیز جیسا کہنا تشبیہ کہلاتا ہے۔ اس کے اراکین کی تعداد پانچ ہے۔ اس کی مثال یہ ہے۔ اس کی رنگت چاند کی طرح سفید ہے۔

استعارہ: یہ عربی زبان کا لفظ اس کے معنی ادھار لینا کے ہیں۔ اس میں کسی شخص کو ہو بہو دوسرا کہ دیا جاتا ہے۔ اس کے اراکی کی تعداد چار ہے جس میں مستعار لہ۔ مستعار منہ۔ مستعار اور وجع جامع شامل ہیں۔

کنایہ: یہ بھی عربی سے ہی ماخوز ہے۔ اس کے معنی اشارہ کرنا کے ہیں۔ اس میں اشاروں سے بات کہ دی جاتی ہے اور مجازی طور پر مفہوم واضح کر دیا جاتا ہے۔

مجاز مرسل: اصل میں یہ استعارہ سے تھوڑی الگ قسم ہے۔ اس میں کسی ایک شے کو وجہ مان کر دوسری اشیاء کے متعلق بتایا جاتا ہے۔ اس کی آگے چھ صورتیں ہیں۔ جن میں یہ شامل ہیں۔ جزو بول کر کل مراد لینا۔ کل بول کر جزو مراد لینا۔ سبب بول کر نتیجہ یا مسبب مراد لینا۔ مسبب بول کر سبب مراد لینا۔ ظرف بول کر مظروف مراد لینا۔ اس فصل میں علم بیان سے متعلق استشہاد بالشعر الجاہلی کا جائزہ لیا جائے گا۔

﴿الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو رَبِّهِمْ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

مفسر فرماتے ہیں کہ جمہور مفسرین کے نزدیک ظن یہاں پر یقین کے معنی میں استعمال ہوا ہے[2]۔ جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿إِنِّي ظَنَنْتُ أَنِّي مُلاقٍ حِسابِيَهْ﴾[3] اور ﴿فَظَنُّوا أَنَّهُمْ مُواقِعُوها﴾[4] یہ علم البیان کے قاعدہ مجاز لغوی کے تحت قرینہ کی موجودگی میں جائز ہے بلکہ ایسا کرنا عین بلاغت ہے۔ یہاں پہ قرینہ لفظیہ سابقہ آیت میں موجود لفظ خاشعین ہے جو کہ خالص مومن نمازیوں کی صفت ہے۔ اور مومنوں کو اللہ کی ملاقات کا یقین ہوتا ہے شک

---

[1] بقرہ 46

[2] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن: 1\375

[3] حاقہ: 20

[4] کہف: 53

نہیں ہوتا۔ صاحب تفسیر فتح القدیر شعر جاہلی میں سے درید بن صمہ کا یہ شعر پیش کرتے ہیں جہاں مجاز لغوی کے قاعدہ کے تحت ظن بطور مجاز یقین کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

فَقُلْتُ لَهُمْ ظنّوا بألفي مدجّج ... سراتهم في الفارسيّ المسرّد[1]

ترجمہ وتجزیہ

میں نے ان کو کہا ان کو دو ہزار مسلح افراد یقین کرو اور ان کے قائدین کالے فارسی جھنڈوں کے ساتھ ہیں۔ علامہ ابن منظور کے نزدیک اس شعر میں "ظنوا" بطور مجاز بمعنی "ایقنوا" استعمال ہوا ہے۔[2] اعراب القرآن کے مصنف کا بھی اس بات پر اتفاق ہے کہ ظن یہاں پر مجازا یقین کے معنی میں ہے۔[3] کیونکہ اس کا قرینہ موجود ہے۔ ظاہر ہے شاعر نے ان کو دیکھا ہے اس لیے ان کے جھنڈوں کی قسم بھی بتادی رنگ بھی بتادیا اور قوم بھی بتادی۔ جو چیز دیکھ لے انسان اسکو گمان نہیں بلکہ یقین سے کہا جاتا ہے۔

﴿أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانی فرماتے ہیں نفس سے مراد روح ہے اور یہ اس کا حقیقی معنی ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت فرماتا ہے ﴿اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا﴾[5] الْأَنْفُسَ سے مراد روح ہے[6] یہ بلاغت کی زبان میں حقیقت کہلاتا ہے۔ صاحب تفسیر فتح القدیر اس کی دلیل حذیفہ بن انس الہذلی (615ء) کے اس شعر سے پیش کرتے ہیں۔

نَجَا سَالِمٌ والنفس منه بشدقه ... ولم ينج إلا جفن سيف ومئزرا[7]

ترجمہ وتجزیہ

سالم بچ گیا اور حالت یہ ہے کہ روح اس کے منہ میں ہے۔ اور کچھ بھی نہیں بچا سوائے تلوار کے میان اور شلوار کے۔ پہلے مصرعے میں لفظ نفس، روح کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ امام شوکانی کے اس مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ صاحب لسان العرب لکھتے ہیں اس شعر میں نفس سے مراد روح ہے۔ وَالْمَعْنَى فِيهِ لَمْ

---

[1] اندلسی، فصل المقال في شرح كتاب الأمثال، ص353

[2] ابن منظور، لسان العرب: 13/ 272

[3] اصبہانی، اعراب القران، ص144

[4] بقرہ44

[5] زمر:42

[6] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن: 1\368

[7] شعراء ہذلیین، دیوان الہذلیین: 2/ 22

يَنْجُ سالِمٌ إِلا بِجَفْنِ سيفِه ومئزرِه وَانْتِصَابُ الْجَفْنِ عَلَى الِاسْتِثْنَاءِ الْمُنْقَطِعِ أَي لَمْ يَنْجُ سَالِمٌ إِلا جَفْنَ سَيْفٍ، وَجَفْنُ السَّيْفِ مُنْقَطِعٌ مِنْهُ، وَالنَّفْسُ هَاهُنَا الرُّوحُ[1] امام جوہری بھی نفس سے مراد روح لیتے ہیں۔[2]

امام شوکانی فرماتے ہیں کہ امام قرطبی نے نفس کا ایک معنی خون بتایا ہے۔ اور یہ معنی لینا بلاغت کے اصول مجاز مرسل کے تحت جائز ہے۔[3] اس کی دلیل سموئل بن عادیا(متوفی 560ء) کا درج ذیل شعر ہے جس میں وہ نفس سے مراد خون لیتا ہے۔

تَسِيلُ عَلَى حَدِّ السُّيُوفِ نُفُوسُنَا ... وليست على غير الظّبات تسيل[4]

ترجمہ و تجزیہ

یعنی تلواروں کی دھاروں پر ہمارا خون بہتا ہے۔ اور تلوروں کے علاوہ کسی چیز پر نہیں بہتا۔ نفس کو بطور **مجاز مرسل** خون کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اس کا قرینہ تسیل ہے اور علاقہ سببیت کا ہے کیونکہ تلوار خون کے بہنے کا سبب ہے۔ اسی طرح جوہری نے بھی یہ معنی ذکر کیا ہے۔[5] علامہ ابن منظور کا ایک قول اس معنی کی تائید کرتا ہے "النَّفْس الدَّمُ" ۔[6] نفس کا تیسرا معنی مفسر نے بطور مجاز مرسل جسد بھی بیان کیا ہے[7]۔ نفس بمعنی جسد کی دلیل میں ابو شُرَیح اَوس بن حَجَر (متوفی 625ء) کا درج ذیل شعر پیش کیا گیا ہے۔

نُبِّئْتُ أَنَّ بَنِي سُحَيْمٍ أَدْخَلُوا ... أَبْيَاتَهُمْ تَأْمُورَ نَفْسِ الْمُنْذِرِ[8]

ترجمہ و تجزیہ

مجھے خبر دی گئی ہے کہ بنی سحیم نے اپنے گھروں میں منذر کے جسم کا خون داخل کیا یعنی قتل کر دیا۔ امام شوکانی فرماتے ہیں اس شعر میں تامور کا مطلب خون ہے۔ اور نفس المنذر سے بطور مجاز مرسل جسد المنذر مراد ہے۔[9]

---

[1] ابن منظور، لسان العرب:6/234

[2] جوہری، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ:3/984

[3] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن:1\369

[4] جناجی، حسن بن إسماعیل بن حسن بن عبد الرازق، البلاغۃ الصافیۃ فی المعانی والبیان والبدیع (القاھرۃ: المکتبۃ الأزھریۃ للتراث 2006ء)، ص333

[5] جوہری، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ:3/984

[6] ابن منظور، لسان العرب:6/234

[7] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن:1\369

[8] أوس بن حجر، دیوان أوس بن حجر، ص47

[9] شوکانی، فتح القدیر:1\92

آیت میں نفس سے مراد روح بھی لیا جا سکتا ہے اور بدن بھی کیونکہ نیکی روح اور بدن دونوں سے متعلق ہے۔ مراد ہے۔[1] آیت میں نفس سے مراد روح بھی لیا جا سکتا ہے اور بدن بھی کیونکہ نیکی روح اور بدن دونوں سے متعلق ہے۔

﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا﴾[2] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

مفسر نے لا تَجْزِی کا معنی لا تکفی اور لا تقضی کیا ہے یعنی اس دن سے ڈرو جس دن کوئی نفس دوسرے کو کسی معاملے میں کفایت نہیں کرے گا اور نہ اس کی قضا یعنی بدل بنے گا۔ جب کسی معاملے میں کوئی چیز کسی چیز کا بدل بن جائے تو عرب کہتے ہیں۔"جزى عَنِّي هَذَا الْأَمْرَ يَجْزِي: أَيْ قَضَى، وَاجْتَزَأْتُ بالشيء اجتزاء: أَيِ اكْتَفَيْتُ"۔[3] جزاء کا حقیقی معنی ثواب اور عقاب دینا ہے۔ یہ معنی لینا ممکن نہیں ہے کیونکہ قیامت کے دن کوئی انسان کسی کو اچھی یا بری جزاء نہیں دے سکے گا۔ اس کا دوسرا مجازی معنی ہے کفایت کرنا یا بدلہ بننا۔ بلاغت کے قاعدہ مجاز لغوی کے تحت دوسرا معنی مراد ہے اس کا قرینہ یوما یعنی یوم قیامت ہے۔ تفسیر الوسیط میں ہے کہ آیت کا مطلب ہے کوئی شخص بھی کسی دوسرے شخص کی طرف سے اس کے اوپر عائد شدہ حقوق میں سے کوئی حق ادا نہیں کر سکے گا۔[4] مفسر یجزی بمعنی یکفی اور تقضی کی دلیل ابو حنبل جاریہ بن مر کے اس شعر جاہلی سے اس طرح پیش کرتے ہیں۔

فَإِنَّ الْغَدْرَ فِي الْأَقْوَامِ عَارٌ ... وَإِنَّ الْحُرَّ يُجْزَى بِالْكُرَاعِ[5]

ترجمہ و تجزیہ

دھوکہ دہی اقوام میں بہت بری خصلت سمجھی جاتی ہے۔ اور آزاد آدمی کو ثرید کفایت کر جاتی ہے۔ شرح الشواہد الشعریہ فی امات الکتب النحویہ میں ہے کہ الکراع سے مراد ایک خاص قسم کا جانور ہے کہ جس کا شوربہ بہت لذیذ ہوتا ہے اور اس میں ثرید بنائی جاتی ہے۔ اور اس کے اوپر دودھ اور لہسن ڈالا جاتا ہے اور کبھی کبھار ساتھ گندم کا میدہ بھی ڈالا جاتا ہے۔ اور یہ بہادر آدمی کو پیش کیا جاتا ہے۔ اور یجزی کا معنی "يقنع ويكتفي" بیان کرتے ہیں۔[6] علامہ زبیدی تاج العروس میں فرماتے ہیں اس شعر میں يَجْزَأُ بمعنى يَكْتَفِي ہے۔[7] یعنی یجزی بطور مجاز "یکتفی

---

[1] شوکانی، فتح القدیر: 1\92

[2] بقرہ 48

[3] شوکانی فتح القدیر: 1\97

[4] مجموعة من العلماء، التفسير الوسيط للقرآن الكريم: 1/ 94

[5] شراب، شرح الشواهد الشعرية في أمات الكتب النحوية: 2/ 126

[6] شراب، شرح الشواهد الشعرية في أمات الكتب النحوية 2/ 126

[7] زبیدی، تاج العروس: 1/ 171

و یقضی" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَاقَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

مفسر فرماتے ہیں کبھی کبھار لفظ قوم کا اطلاق صرف مردوں پر ہوتا ہے عورتوں کو چھوڑ کر۔[2] جس طرح اللہ فرماتا ہے۔﴿لا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ﴾[3] ثم قال ﴿وَلا نِساءٌ مِنْ نِساءٍ﴾[4] لفظ قوم کا حقیقی معنی تو مردوزن، بوڑھے ،بچے سب کو شامل ہے لیکن بقول امام شوکانی یہاں صرف بالغ مرد مراد ہیں۔ اسکو بلاغت کی زبان میں مجاز مرسل کہتے ہیں۔ اس کا قرینہ جزئیت کا ہے یعنی بالغ مرد بھی قوم کا جزو ہوتے ہیں یہاں کل بول کر جزو مراد ہے۔ صاحب فتح القدیر اس اصول کی دلیل میں زھیر بن اَبی سلمی (متوفی609ء) کا یہ شعر پیش کرتے ہیں۔

وَمَا أَدْرِي وَسَوْفَ إِخَالُ أَدْرِي ... أَقَوْمٌ آلُ حِصْنٍ أَمْ نِسَاءُ[5]

ترجمہ و تجزیہ

میں نہیں جانتا لیکن عنقریب جان لوں گا کہ آل حصن مرد ہیں یا عورتیں یعنی وعدہ وفا کرتے ہیں یا نہیں۔[6] یعنی شاعر لفظ قوم سے رجال ال حصن مراد لے رہا ہے اصل عبارت شعر یوں ہو گی "أرجال اٰل حِصن أم نساء"۔ یعنی لفظ قوم بول کر صرف مرد مراد لیے ہیں۔ کل بول کر جزو مراد لیا ہے اور یہ مجاز مرسل ہے۔ اور اس کا قرینہ شعر کے آخر میں ام نساء کا لفظ ہے اس صورت میں آیت کا معنی ہو گا کہ "واذقال موسیٰ برِجال قومه یارجال انکم ظلتم---الخ"۔ اسی طرح درج ذیل اقوال بھی اسی کے مؤید ہیں۔ تفسیر الوسیط میں ہے کہ قوم سے مراد صرف مرد ہیں عورتوں کو چھوڑ کر۔[7] وہبہ بن مصطفیٰ ذوہیلی بھی تفسیر المنیر فی العقیدۃ والشریعۃ والمنہج میں اسی قول کی تائید کی میں فرماتے ہیں کہ لفظ قوم مردوں کے ساتھ مختص ہے کیونکہ وہ عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ مضبوط ہیں۔[8]

---

[1] بقرہ54

[2] شوکانی فتح القدیر1\101

[3] الجرات:11

[4] ایضا

[5] زھیر بن اَبی سلمی، دیوان زھیر بن اَبی سلمی، ص13

[6] شراب، شرح الشواھد الشعریۃ فی اَمات الکتب النحویۃ 1/ 76

[7] مجموعۃ من العلماء، التفسیر الوسیط للقرآن الکریم:9/ 1041

[8] وہبہ بن مصطفیٰ زحیلی، التفسیر المنیر فی العقیدۃ والشریعۃ والمنہج، (دمشق: دار الفکر المعاصر1418ھ)،26/ 246

امام جوہری کے نزدیک قوم سے مراد صرف مرد ہیں اور لفظ قوم کا کوئی واحد نہیں آتا۔[1]

﴿خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاسْمَعُوا﴾[2] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

"واسمعوا" کی تفسیر میں فرماتے ہیں یہ باب سَمَعَ يَسمعُ سے فعل امر کا صیغہ ہے اس کا حقیقی مطلب صرف حس سماعت سے کسی چیز کا ادراک کرنا ہے۔ اور سننے کا لازم معنی ہے بات کا جواب دینا اور اطاعت اختیار کرنا[3]۔ اسی طرح" سمع الله لمن حمده "ہے اس میں "سمع" کا لفظ "أجاب اور قبل" کے معنی میں ہے۔ یعنی جس نے بھی اللہ کی حمد بیان کی اللہ نے قبول فرمائی اور اس کی حاجت پوری فرمائی۔ بقول مفسر یہاں اسمعوا بمعنی اطیعو استعمال ہوا ہے۔ ایسا کرنا کنایہ کے اصول کے تحت جائز ہے۔ کنایہ میں اصلی معنی مراد لینا اگرچہ جائز ہوتا ہے لیکن مراد اس لفظ کا لازمی معنی ہوتا ہے۔ اس کی دلیل میں مفسر نے سمیر بن حارث ضبی (متوفی 600ء) کا درج ذیل شعر جاہلی پیش کیا ہے۔

دعوت الله حتّى خفت ألّا ... يَكُونَ اللَّهُ يَسْمَعُ مَا أَقُولُ يعنى يجيب [4]

ترجمہ و تجزیہ

میں نے اللہ سے اتنی مرتبہ دعا کی یہاں تک کہ مجھے خدشہ ہوا شائد اللہ میری دعا کو قبول نہ فرمائے۔ شاعر نے اس شعر میں "يسمع" کا لفظ صرف سننے کے معنی میں استعمال نہیں کیا بلکہ بطور کنایہ اس کے لازم معنی یعنی سن کر قبول کرنے کے معنی میں استعمال کیا ہے اور اس کا قرینہ لفظ دعا ہے کیونکہ دعا کا تعلق قبولیت سے ہوتا ہے صرف اسماع سے نہیں ہوتا۔ تو اصل عبارت بھی یوں ہو گی "يكون الله يجيب ويقبل مَاأقول" اور آیت میں اصل معنی اس طرح ہو گا۔ "خذوا ما اتينكم بقوة وأجيبوا وأطيعوا"۔ امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ علامہ ابن منظور فرماتے ہیں کہ کبھی کبھار "سَمِعْتُ" کنايۃ بمعنی "أَجَبْتُ" بھی استعمال ہوتا ہے۔ عرب کہتے ہیں میری دعا کو سن کا لازمی مطلب ہے میری دعا قبول کر کیونکہ سوال کرنے والے کی غرض اجابت اور قبول سے ہوتی ہے نہ کہ محض سنانے سے۔[5] علامہ زبیدی فرماتے ہیں کہ جب یہ کہا جائے کہ امیر نے فلاں کی بات سن لی تو اس کا مراد اس کا لازمی معنی ہوتا ہے یعنی اس نے اس کی عرضی کو قبول کر لیا یعنی يَسْمَع بمعنی يُجِيبُ استعمال ہوتا ہے اور یہ

[1] جوہری، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ: 5/2016

[2] بقرہ: 93

[3] شوکانی، فتح القدیر: 1/133

[4] علی بن الحسین العلوی، آمالی المرتضی (غرر الفوائد ودرر القلائد)، ص 33

[5] ابن منظور، لسان العرب: 8/163

بطورِ کنایہ ہے۔اور اسی طرح حدیث شریف میں دعا کے الفاظ ہیں۔((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْعُو:اللهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ دُعَاءٍ لَا يُسْمَعُ، وَقَلْبٍ لَا يَخْشَعُ، وَنَفْسٍ لَا تَشْبَعُ))[1] تو یہاں پہ لا يُسْمَعُ سے مراد لا يُعْتَدُّ به و لا يُسْتَجَابُ ہے۔[2] آیت میں اطاعت اور استجابت کو"سمع "کے ساتھ موسوم کیا گیا ہے۔[3]

﴿وَاللّٰهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

بصیر کا لغوی معنی آنکھ سے دیکھنا ہے۔ لیکن صاحب تفسیر فرماتے ہیں کہ یہاں بصیر سے مراد ہے کسی چیز کے بارے میں علم اور خبر رکھنے والی ذات اور یہ بصیر کا لازم معنی ہے۔ اس لئے عرب جب یہ بولتے ہیں کہ ”فُلَانٌ بَصِيرٌ بِكَذَا تو اس سے ان کی مراد اس کا حقیقی معنی نہیں بلکہ لازم معنی "خَبِيرٌ بِهِ“ ہوتا ہے۔[5] یعنی جو آنکھ سے کسی کو دیکھ لے وہ اس سے باخبر ہو جاتا ہے۔ کسی لفظ کے حقیقی معنی مراد لے سکنے کے باوجود اس کے لازم معنی مراد لینا علم البیان کی زبان میں کنایہ کہلاتا ہے اور یہاں بھی کنایہ کا اصول ہی لاگو کیا گیا ہے۔ امام شوکانی نے بصیر کے لازم معنی علیم و خبیر استعمال ہونے کی دلیل علقمۃ الفحل (متوفی 560ء) کے درج ذیل شعر جاہلی سے پکڑی ہے۔

فَإِنْ تَسْأَلُونِي بِالنِّسَاءِ فَإِنَّنِي ... بَصِيرٌ بِأَدْوَاءِ النِّسَاءِ طَبِيبُ[6]

ترجمہ و تجزیہ

اگر تم مجھ سے عورتوں کے بارے میں پوچھو تو بے شک میں عورتوں کی دواؤں کے بارے میں علم اور خبر رکھنے والا طبیب ہوں۔ دوسرے مصرعے میں بصیر کا لفظ عالم اور خبیر کے معنی میں استعمال ہوا ہے جو کہ اس کا لازمی معنی ہے۔ اس کا قرینہ یہ ہے کہ طبیب دوائیوں کے بارے میں علم و خبر رکھنے والا ہوتا ہے نہ کہ صرف ان کو دیکھنے والا ہوتا ہے۔ اس کی تائید میں علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے چھوٹے سے چھوٹے اعمال کا بھی علم رکھنے والا ہے اور وہ ان کو لا محالہ اس کی جزا دے گا۔ یہاں پہ بصر کو علم پر کنایۃ محمول کیا گیا ہے۔ کیونکہ محققین کے نزدیک بعض اعمال کو دیکھا جانا صحیح نہیں ہے۔[7]

[1] طبرانی، سلیمان بن أحمد بن أیوب، المعجم الکبیر (القاهرة: مکتبة ابن تیمیة)، باب ما استعاذ منه النبی صلی اللہ علیہ وسلم ح2270

[2] زبیدی، تاج العروس، 11/227

[3] مظہری، تفسیر مظہری: 1/96

[4] بقرہ: 96

[5] شوکانی، فتح القدیر: 1/135

[6] علقمہ فحل، دیوان علقمہ فحل، ص35

[7] آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی: 1/331

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

جناب محمد بن علی بن محمد الشوکانی "كُتِبَ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کتب کا معنی "فُرِضَ، وَأُثْبِتَ" یعنی اے ایمان والوں تم پر قصاص لازم کرار دیا گیا ہے اور ثابت کر دیا گیا ہے۔[2] کتب کا اصل معنی ہے لکھ دیا گیا اور اس کا لازم معنی ہے فرض کر دیا گیا کیونکہ جو چیز کسی کے لئے لکھ دی جاتی ہے وہ لازما اس کے لئے فرض ہو جاتی ہے یعنی اس کا کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ یہاں کتب بمعنی فرض کنایۃ استعمال ہوا ہے۔ امام شوکانی نے بطور نظیر عمر بن ابو ربیعہ مخزومی کا درج ذیل شعر پیش کیا ہے۔

كُتِبَ الْقَتْلُ وَالْقِتَالُ عَلَيْنَا ... وَعَلَى الْغَانِيَاتِ جَرُّ الذُّيُولِ[3]

ترجمہ و تجزیہ

قتل اور قتال ہمارے اوپر لازم ہے اور گانے والیوں پر اپنے آنچلوں کو گھسیٹنا لازم ہے۔ اس شعر میں لفظ کتب کنایۃ بمعنی فرض استعمال ہوا ہے۔ اس کا قرینہ قتل و قتال کے الفاظ ہیں کیونکہ عرب فطری طور پر لڑاکے تھے اس لئے وہ قتل اور غارت گری کو اپنے اوپر لازم سمجھتے تھے۔ امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ ابن منظور فرماتے ہیں کہ "الكِتابُ يُوضَع مَوْضِعَ الفَرْض"۔[4] اسی طرح اللباب فی علوم الکتاب میں درج ہے کہ "الكتاب جاء في القرآن على وجوه:أحدها: الفرض"۔[5]

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

اس آیت میں یشری بمعنی یبیعُ استعمال ہوا ہے۔ اور بلاغت کے قاعدہ مجاز لغوی کے تحت ایسا ہوتا رہتا ہے۔ کلام فصیح و بلیغ کے اندر اس کی مثال قرآن مجید کی آیت میں بھی ہے۔ ﴿وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ﴾[7] یعنی انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو معمولی قیمت کے عوض بیچ دیا۔ بیع کا اصل معنی ہے استبدال یعنی بدلہ طلب کرنا یا بدل

---

[1] بقرہ:178

[2] ۔شوکانی، فتح القدیر:1/201

[3] عسکری، أبو هلال الحسن بن عبد الله بن سهل بن سعيد بن يحيى بن مهران، الأوائل (طنطا: دار البشیر 1408ھ)، ص315

[4] ابن منظور، لسان العرب:1/699

[5] سراج الدین، اللباب فی علوم الکتاب:1/263

[6] البقرۃ:207

[7] یوسف:20

دینا۔[1] اسی معنی میں سورہ توبہ کی یہ آیت ہے ﴿إِنَّ ٱللَّهَ ٱشْتَرَىٰ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَٰلَهُم بِأَنَّ لَهُمُ ٱلْجَنَّةَ﴾[2] یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو خرید لیا ہے جنت کے عوض۔ آیت میں یشری بطور مجاز لغوی، غیر معنی موضوع لہ کے لئے استعمال ہوا ہے اور وہ یبیع ہے۔ اس کا قرینہ نفسہ ہے کیونکہ اپنے نفس کو کوئی نہیں خریدتا کیونکہ وہ تو پہلے ہی اپنا ہوتا ہے۔ ہاں البتہ اپنے نفس کو بیچا جا سکتا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا آیات میں بھی ہے۔ کلام عرب میں شری بمعنی بیع استعمال ہوتا رہتا ہے اس کی مثال مسیب بن علس (متوفی 600ء) کا درج ذیل شعر ہے:

یعطى بها ثمنا فيمنعها ... ويقول صاحبها أَلَا تَشْرِي[3]

ترجمہ و تجزیہ

اس نے قیمت ادا کر دی تو مالک اس کو روک لیا تو اس کے نئے مالک نے کہا کہ کیا تو نہیں بیچے گا۔ اس شعر میں اَلَا تشری کا لفظ بطور مجاز لغوی اَلَا تبیع کے معنی میں استعمال ہوا ہے کیونکہ پہلے مصرعے میں قیمت دینے کا ذکر ہے کیونکہ قیمت دینے والے کو مشتری کہتے ہیں اور بیچنے والے کو بائع کہتے ہیں۔ اس شعر میں پہلے مصرعے میں مشتری کا ذکر ہے تو لا محالہ دوسرے مصرعے میں بائع کا ذکر ہو گا۔ آیت میں بھی اپنی جانوں کو رضائے الٰہی کے عوض بیچنے والے انسان مراد ہیں اس لئے یہاں یشری بمعی یبیع ہو گا۔ امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ علماء کرام کے درج ذیل اقوال بھی اسی معنی پہ شاہد ہیں۔ امام اسماعیل حقی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد "يبيعها ويبذلها" ہے۔[4] امام زمخشری فرماتے ہیں کہ يَشْرِي نَفْسَهُ سے مراد يبيعها أى يبذلها في الجهاد ہے۔[5] ابن منظور نے شَرَاهُ واشْتَرَاهُ کا معنی باعَه بیان کیا ہے۔[6]

﴿وَلَكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا﴾[7] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

اما شوکانیؒ نے لفظ سِرّ کے مختلف معانی ذکر کئے ہیں ایک معنی جو کہ معروف ہے وہ نکاح ہے۔ اور ایک اور معنی اس کا زنا بھی بیان کیا گیا ہے اور علامہ ابن جریر طبری نے بھی یہی معنی اختیار کیا ہے۔[8] اس آیت میں لفظ سِرًّا میں

---

[1] شوکانی، فتح القدیر 1/ 240

[2] سورۃ توبہ: 111

[3] شُریشی، أبو عباس أحمد بن عبد المؤمن بن موسى القَيْسي، شرح مقامات الحريري (بیروت: دار الکتب العلمیۃ 2006ء)، 1/ 247

[4] إسماعيل حقي، روح البیان: 1/ 234

[5] زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل: 1/ 251

[6] ابن منظور، لسان العرب: 14/ 427

[7] بقرۃ: 235

[8] شوکانی، فتح القدیر: 1/ 287

استعارہ مکنیہ تبعیہ جاری ہوا ہے کیونکہ یہاں سرا کو زنا اور جماع اور نکاح کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔یعنی مشبہ بہ کو محذوف کرکے مشبہ یعنی لفظ سر جو کہ مصدر (شبہ فعل) ہے اسکو اس کے قائم مقام رکھ دیا گیا ہے۔اور تبعیہ اس لئے کہ جس لفظ میں استعارہ جاری ہوا ہے وہ جامد نہیں ہے بلکہ مشتق ہے۔امام شوکانیؒ سر بمعنی زنا کے لئے جرول بن اَوس بن مالک ابوملیکہ العبسی المعروف الحطیئہ (متوفی 674ء) کے درجہ ذیل شعر کو بطور استشہاد پیش کیا ہے۔

وَيَحْرُمُ سِرُّ جَارَتِهِمْ عَلَيْهِمْ ... وَيَأْكُلُ جَارُهُمْ أُنُفَ الْقِصَاعِ[1]

ترجمہ وتجزیہ

ان پر پڑوسن سے زنا حرام ہے درآنحالیکہ ان کا پڑوسی نئے برتن میں کھانا کھاتا ہے۔شعر کے پہلے مصرعے میں لفظ سرّ استعارۃً بمعنی زنا استعمال ہوا ہے۔اس کا ایک معنی جماع بھی ہے۔اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ آپنے آپ کو ان کے سامنے کثیر الجماع ظاہر کرکے ان کو نکاح کی طرف مائل نہ کرو اور امام شافعی نے یہ معنی لیا ہے ۔[2]امام شوکانی نے السّر بمعنی جماع کے لئے امرُؤُالقَیس (متوفی 545ء) کا درج ذیل شعر بطور دلیل پیش کیا ہے۔

أَلَا زَعَمَتْ بَسْبَاسَةُ الْيَوْمَ أَنَّنِي ... كَبِرْتُ وَأَنْ لَا يُحْسِنَ السِّرَّ أمثالي[3]

ترجمہ وتجزیہ

کیا تونے گمان کیا ہے کہ مرورِ ایام کی وجہ سے میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میرا جیسا بندہ اب اچھے طریقے سے جماع نہیں کرسکتا۔اس شعر میں لفظ السّر استعارۃً جماع کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔اسی طرح میمون بن قیس بن جندل بن شراحیل بن عوف بن سعد المعروف اعشی قیس (متوفی 629ء) کا یہ شعر بھی اسی معنی کی تائید کرتا ہے۔

فلن يطلبوا سرّها للغنى ... ولن يسلموها لإزهادها[4]

یعنی کثرت مال کی وجہ سے نکاح (یعنی جماع) نہ طلب کرو اور اس کے قلت مال کی وجہ سے اس کو نہ چھوڑو۔اس شعر میں بھی لفظ سرّ استعارۃً عورت کے ساتھ جماع و نکاح کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔صاحب لسان العرب فرماتے ہیں کہ السِرُّ الزِّنا، والسِرُّ الجماع[5] صاحب تفسیر کشاف فرماتے ہیں کہ والسر وقع كناية عن النكاح الذي هو الوطء[6]

---

[1] علی بن الحسین العلوي، أمالي المرتضى (غرر الفوائد ودرر القلائد)، ص 251

[2] شوکانی، فتح القدیر: 1/ 287

[3] امرُؤُالقَیس، دیوان امرئ القیس، ص 136

[4] اَعشی قیس، دیوان الاعشی، ص 62

[5] ابن منظور، لسان العرب: 4/ 358

[6] ابن منظور، لسان العرب: 4/ 358

﴿ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

یعنی اللہ تعالیٰ ہڈیوں کو گوشت کے ساتھ ایسے ڈھانپ دیتا ہے جیسا لباس کے ساتھ جسم کو ڈھانپا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے لباس کا استعارہ ذکر کیا ہے کہ گوشت ہڈیوں کو لباس کی طرح ڈھانپ لیتا ہے۔[2] آیت میں مجاز لغوی کی قسم استعارہ مکنیہ استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ نکسوھا لحما کو نَستر الجسد باللباس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اور مشبہ بہ کو محذوف کر دیا ہے اور اس کا قرینہ گوشت کے ساتھ جسم کے ڈھانپنے کو ثابت کرنا ہے۔ امام شوکانیؒ نے اس استعارہ کی دلیل ابو عقیل لبید بن ربیعہ عامری (متوفی 661ء) کے درج ذیل شعر جاہلی سے پکڑی ہے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ إِذْ لَمْ يَأْتِنِي أَجَلِي ... حَتَّى اكْتَسَيْتُ مِنَ الْإِسْلَامِ سِرْبَالَا[3]

ترجمہ و تجزیہ

اللہ کا شکر ہے کہ جب تک میں نے اسلام کا چولا نہ پہن لیا اس وقت تک مجھے موت نہیں آتی۔ اس شعر میں شاعر فرماتے ہیں میں نے اسلام کی قمیص پہن لی۔ بظاہر اسلام ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کو لباس کی طرح اوڑھا جائے لیکن بطور استعارہ انہوں نے اسلام قبول کرنے کو عام لباس پہننے کے ساتھ تشبیہ دی اور مشبہ بہ کو حذف کر دیا اور اس کا قرینہ اکتسیت سربالا ہے۔ کیونکہ اسلام بھی انسان کے تمام عیبوں اور گناہوں کو جو حالت کفر میں ہوئے ہوتے ہیں ڈھانپ لیتا ہے اور لباس کی طرح انسان کی نقصان دہ چیزوں سے حفاظت کرتا ہے۔ اسی طرح درج ذیل اقوال علماء بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ تفسیر روح البیان کے مصنف فرماتے ہیں کہ "نسترها به كما يستر الجسد باللباس"۔[4] القاموس الوجیز لمعانی کلمات القرآن الکریم کے مصنف فرماتے ہیں کہ "نكسوها لحماً اى اللباس"۔[5]

﴿لَايَقُومُونَ إِلَّا كَمَايَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

یعنی قیامت والے دن وہ سزا کے طور پر بحالت جنون اٹھائے جائیں گے اہل محشر کے سامنے ذلالت کے

---

[1] بقرہ:259

[2] شوکانی، فتح القدیر: 1/ 321

[3] لَبید، دیوان لبید بن ربیعۃ العامري، ص358

[4] إسماعیل حقی، روح البیان: 1/ 414

[5] مرزا، قاموس الوجیز لمعانی کلمات القرآن الکریم: 1/ 47

[6] بقرہ:275

لئے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہاں تشبیہ مراد ہے کہ حریص آدمی جو ربا کے ذریعے مال و دولت اکٹھی کرتا ہے اس کی مثال مجنون پاگل کی سی ہے۔ کیونکہ مال و دولت جمع کرنے کی حرص اسے اتنا مضطرب کر دیتی ہے کہ اس کے حرکات و سکنات مجنون کی طرح ہو جاتی ہیں۔ جس طرح کہ ایک آدمی جو چلنے میں جلدی کرتا ہے اور اپنی حرکات میں مضطرب ہوتا ہے اس کو کہا جاتا ہے کہ بے شک اس پر جنون طاری ہے۔ یا اس کو جنون نے دبوچ لیا ہے۔[1] یعنی تشبیہ کی عبارت کچھ اس طرح بنے گی۔ ھم کالمجنون او المصروع۔ یعنی یقومون میں واو جمع مشبہ اور المجنون یا مصروع مشبہ بہ۔ یہ تشبیہ مرسل مجمل ہے۔ امام شوکانیؒ نے دوسرا قول یعنی تشبیہ والے معنی کی دلیل میں میمون بن قیس بن جندل بن شراحیل بن عوف بن سعد بن ضُبیعہ المعروف اعشی قیس (متوفی 629ء) کا درجہ ذیل شعر جاہلی پیش کیا ہے۔

وتصبح من غبّ السّرى وكأنّما ... أَلَمَّ بِهَا مِنْ طَائِفِ الْجِنِّ أَوْلَقُ[2]

فَجَعَلَهَا بِسُرْعَةِ مَشْيِهَا وَنَشَاطِهَا كَالْمَجْنُونِ

ترجمہ و تجزیہ

رات کے سفر سے اس نے ایسے صبح کی گویا اس کو جنوں کے گروہ میں سے کسی جن نے چھو کر مجنون کیا ہوا ہے۔ شاعر اپنی اونٹنی کا وصف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اونٹنی پوری رات ایسی چستی اور تیزی کے ساتھ سفر کرتی رہی گویا کسی جن نے اس کو چھو کر مجنون کر دیا تھا اور وہ بحالت جنون چلے جا رہی تھی۔ اس تیز رفتاری کو حالت جنون میں تیز چلنے والی کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ اصل عبارت ھی تسری کالمجنونۃ ہے۔ تصبح میں ھی ضمیر مشبہ اور المجنونۃ مشبہ بہا ہے۔ آیت میں بھی دوسرے قول کے مطابق یہی معنی مراد ہے کہ ربا کے ذریعے مال و دولت جمع کرنے والا ایسی سرعت اور اضطراب دکھاتا ہے گویا وہ مجنوں ہے اور دیوانہ وار مال کے پیچھے دوڑے چلے جا رہا ہے۔ 1 امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ صاحب تفسیر أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے "أما ألفاظ الآية فيحتمل تشبيه حال القائم بحرص وجشع إلى تجارة الربا بقيام المجنون لأن الطمع والرغبة تستفزه حتى تضطرب أعضاؤه كما يقوم المسرع في مشيه يخلط في هيئة حركاته حتى يقال: قد جن هذا[3] اسی طرح صاحب تفسیر قرطبی کے نزدیک بھی اس کا مطلب یہی ہے "أَمَّا أَلْفَاظُ الْآيَةِ فَكَانَتْ تَحْتَمِلُ تَشْبِيهَ حَالِ الْقَائِمِ بِحِرْصٍ وَجَشَعٍ إِلَى تِجَارَةِ الدُّنْيَا بِقِيَامِ الْمَجْنُونِ[4]

---

[1] شوکانی، فتح القدیر: 1/339

[2] اعشی قیس، دیوان الاعشی، ص130

[3] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر: 1/269

[4] قرطبی، تفسیر القرطبي: 3/354

﴿فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

"السفیہ" کمزور بنے ہوئے کپڑے کو کہتے ہیں۔ مفسر فرماتے ہیں اصطلاحا "السفیہ" کی تعریف کچھ یوں ہے۔ سفیہ وہ شخص ہے جس کی حسن تصرف میں کوئی رائے نہ ہو اور وہ چیزوں کا لین دین بطریق احسن نہ کر سکے۔ یعنی ضعیف العقل آدمی کو کمزور بنے ہوئے کپڑے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اہل عرب السفہ کا اطلاق کبھی تو ضعف عقل پر کرتے ہیں اور کبھی کمزور بدن پر کرتے ہیں۔[2] اصل عبارت ھو سفیھا ہے۔ کان میں ھو ضمیر مشبہ اور سفیھا مشبہ بہ ہے۔ یہ تشبیہ بلیغ ہے کیونکہ اداۃ تشبیہ اور وجہ شبہ دونوں محذوف ہیں۔ امام شوکانیؒ نے السفہ بمعنی ضعیف العقل کی دلیل ربیع بن ابو حقیق (متوفی 600ء) کے درج ذیل شعر سے پکڑی ہے۔

نَخَافُ أَنْ تَسْفَهَ أَحْلَامُنَا ... وَنَجْهَلَ الدَّهْرَ مَعَ الْجَاهِلِ[3]

ترجمہ و تجزیہ

ہمیں ڈر ہے کہ کہیں ہمارے نوجوان بیوقوفی نہ کر بیٹھیں اور ہم جاہل اہل زمانہ کے ساتھ جاہل نہ ہو جائیں۔ اس شعر میں "أن تسفه واحد مضارع مونث غائب کا صغیہ ہے اور یہ السفہ سے مشتق ہے۔ اور یہاں یہ کم عقلی کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور اس کا قرینہ اگلے مصرعے میں لفظ جاہل ہے۔ امام شوکانی کے مؤقف کی تائید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ صاحب تفسیر روح البیان کے نزدیک بھی سَفِيهاً بمعنی ناقص العقل ہے[4] صاحب تفسیر أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر کے نزدیک بھی السفیہ سے مراد ایسا شخص ہے جو "لا یحسن التصرفات المالیة"[5] صاحب لسان العرب کے نزدیک بھی السَّفِيهُ کا مطلب "خفيفُ الْعَقْلِ" ہے۔[6]

﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا﴾[7] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

باطل سے مراد وہ چیز ہے جو اصلا صحیح نہ ہو اور اس کا کوئی فائدہ بھی نہ ہو۔ بقول امام شوکانی یہاں باطل کا

---

[1] بقرہ:282

[2] شوکانی، فتح القدیر:1/345

[3] منقذ الکناني، لباب الآداب ص358

[4] اسماعیل حقی، روح البیان:1/440

[5] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر:1/272

[6] ابن منظور، لسان العرب:13/499

[7] ال عمران:191

مطلب ہے زائل ہونے والا، چلا جانے والا۔[1] آیت میں باطل کا مجازی معنی مراد ہے۔اسکو مجاز لغوی کہتے ہیں۔مفسر نے باطل بمعنی زائل کا استشہاد ابو عقیل لبید بن ربیعہ عامری (متوفی 661ء) کے درج ذیل شعر جاہلی سے کیا ہے۔

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهَ بَاطِلُ[2]

ترجمہ و تجزیہ

اللہ کے سوا ہر چیز زائل ہونیوالی ہے۔اس شعر میں باطل اپنے اصل معنی یعنی ناحق کے معنی میں استعمال نہیں ہوا کیونکہ اس سے تو تمام انبیاء اور ادیان کا بطلان لازم آتا ہے۔یہاں پر باطل بمعنی زائل ہے۔اسی طرح علامہ آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی میں بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔الذاهب الزائل الذي لا يكون له قوة وصلابة[3]

﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَى أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

لفظ "حُوبًا" کی تفسیر میں مفسر فرماتے ہیں کہ "الحوب'' استعارہ ہے" الاثم'' سے یعنی گناہ کے کام سے۔ جب کوئی آدمی گناہ کرے تو عرب کہتے ہیں" حاب الرجل يحوب حوبا" اور اس کا لغوی معنی ہے اونٹ کو زجر کرنا گناہ کو بھی استعارۃ حوبا کہہ دیا جاتا ہے کیونکہ اس پر سرزنش کی جاتی ہے۔اس میں تین مشہور قراتیں ہیں۔ایک ضمہ حاء کے ساتھ اور یہ جمہور کی قرات ہے اور امام حسن نے اس کو حاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے اور امام احفش فرماتے ہیں کہ یہ فتح والی قرات بنو تمیم کی ہے اور تیسری قرات "الحاب" ہے اور قاری ابی بن کعب نے اس کو حابا بھی پڑھا ہے مصدر کی بناء پر جس طرح قال کے مصدر کو قالا پڑھا جاتا ہے۔اور تحوب کا مطلب تحزن یعنی غمگین ہونا بھی ہے اور غمگین ہونا گناہ کا لازمی نتیجہ ہے۔پس ثابت ہوا حوبا کا لفظ مشتق ہے اس لئے استعارہ تبعیہ ہو گا اور مشبہ بہ ذنب محذوف ہے اس لئے استعارہ مکنیہ ہے۔[5] "تحوب" بمعنی "تحزن" کا استشہاد طفيل الغنوي (متوفی 609ء) کے درج ذیل شعر جاہلی سے کیا گیا ہے۔

---

[1] شوکانی، فتح القدیر: 1/ 471

[2] لَبید، دیوان لبید بن ربیعۃ العامري، ص 85

[3] آلوسی، روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني: 2/ 370

[4] نساء: 2

[5] شوکانی، فتح القدیر: 1/ 482

فَذُوقُوا كَمَا ذُقْنَا غَدَاةَ محجّر ... من الغيظ في أكبادنا والتّحوّب[1]

ترجمہ وتجزیہ

مقام محجر کی صبح جو غصے اور غم کا ذائقہ اپنے دلوں میں ہم نے چکھا تم بھی وہی ذائقہ چکھو۔ اس شعر لفظ التحوب کا لفظ الغيظ پر معطوف ہے اسی لئے حالت جری میں ہے۔ اور یہاں یہ غم واندوہ کے معنی میں ہے اور اس کا قرینہ لفظ غیظ ہے اور محاورۃ بھی غم وغصہ اکٹھے استعمال ہوتے ہیں۔ مفسرین کے درج ذیل اقوال بھی اسی معنی پہ شاہد ہیں۔ تفسیر الراغب الاَصفہانی میں ہے کہ والحَوب: الإثم لكونه مزجورًا عنه[2] تفسیر نسفی کے مصنف فرماتے ہیں کہ حُوباً کَبِیراً کو ذنبا عظيما کہاہے[3]۔ پس اقوال علماء سے بھی ثابت ہوا کہ حوبا، اثماسے استعارہ ہے۔

﴿أَوْمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

صاحب تفسیر فرماتے ہیں کہ ملکیت کی نسبت دائیں ہاتھ کی طرف کرنیکی وجہ یہ ہے کہ اموال وغیرہ کو اپنے قبضے میں لینے کے لئے انسان دائیں ہاتھ کو ہی استعمال کرتا ہے اس طرح قبضہ دینے کے لئے بھی دائیں ہاتھ کا استعمال ہوتا ہے، اور تمام امور انسان کے دائیں ہاتھ کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔[5] دائیں ہاتھ سے بطور مجاز مرسل قوت و طاقت انسانی مراد ہے۔ علاقہ سببیت کا ہے کیونکہ دایاں ہاتھ طاقت وملکیت کا سبب ہوتا ہے۔ آیت کا مطلب ہوگا جو تمہارے قبضہ میں بطور ملکیت ہو۔ امام شوکانی نے امور انسانیہ کا دائیں ہاتھ کی طرف منسوب ہونے کی مثال الشماخ بن ضرار الذبياني (متوفی 643ء) کے درج ذیل شعر سے دی ہے۔

إِذَا مَا رَايَةٌ نُصِبَتْ لِمَجْدٍ ... تَلَقَّاهَا عَرَابَةُ باليمين[6]

ترجمہ وتجزیہ

جب کوئی جھنڈا بزرگی کے لئے نصب کیا جاتا ہے تو عرابہ اسکو دائیں ہاتھ (یعنی مضبوطی) سے تھام لیتا ہے۔ یہاں بھی یمین مجازا قوت وطاقت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس شعر میں جھنڈا اٹھانے کی نسبت دائیں ہاتھ

[1] طفیل بن عوف، دیوان طفيل الغنوي، ص 11

[2] راغب اصفہانی، تفسیر الراغب الاَصفهاني: 3/ 1083

[3] نسفی، تفسیر نسفی: 1/ 328

[4] نساء: 3

[5] شوکانی، فتح القدیر: 1/ 483

[6] شماخ بن ضرار، دیوان شماخ بن ضرار الذبياني، ص 336

کی طرف کی گئی ہے اسی سے مفسر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس پر انسان مضبوطی سے قبضہ کرتا ہے اس کے لئے لفظ **یمین کا استعارہ استعمال کیا جاتا ہے**۔ وَأَسْنَدَ تَعَالَى الْمِلْكَ إِلَى الْيَمِينِ إِذْ هِيَ صِفَةُ مَدْحٍ، وَالْيَمِينُ مَخْصُوصَةٌ بِالْمَحَاسِنِ لِتَمَكُّنِهَا. أَلَا تَرَى أَنَّهَا الْمُنْفِقَةُ؟ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: (حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ) وَهِيَ الْمُعَاهِدَةُ الْمُبَايِعَةُ، وَبِهَا سُمِّيَتِ الْأَلِيَّةُ يَمِينًا[1]

﴿فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِثْلُهُمْ﴾[2]

میں استشہاد بالشعر الجاہلی

یہ جملہ فعل نہی لا تقعدوا کی علت ہے یعنی اگر تم ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے باز نہ آئے تو تم بھی انہی کی طرح ہو جاؤ گے کفر میں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس مماثلث سے مراد مماثلث کلی نہیں بلکہ جزوی مراد ہے کیونکہ مشابہت کا الزام غلبہ کے حکم میں ہے۔[3] یہ تشبیہ مرسل مجمل ہے۔ تشبیہ کے لئے ضروری نہیں کہ مشبہ، مشبہ بہ کے ساتھ تمام صفات میں شریک ہو بلکہ کسی ایک صفت میں شریک ہونا بھی تشبیہ کے لئے کافی ہے۔ اور اس کی دلیل طرفہ بن العبد (متوفی 569ء) کے درجہ ذیل شعر سے پکڑی گئی ہے۔

وَكُلُّ قَرِينٍ بِالْمُقَارَنِ يقتدي[4]

ترجمہ و تجزیہ

ہر دوست اپنے دوست کی اقتدا کرتا ہے۔ اس شعر میں بھی یہی کہا گیا ہے کہ دوست اپنے دوست کی اقتدا کرتا ہے۔ اب اس اقتداء سے اقتداء کلی مراد نہیں ہے بلکہ جزوی ہے لیکن مشابہت کا حکم غلبہ پر لگتا ہے۔ اسی طرح درج ذیل اقوال علماء بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ هَذِهِ الْمُمَاثَلَةُ لَيْسَتْ فِي جَمِيعِ الصِّفَاتِ، وَلَكِنَّهُ إِلْزَامٌ شُبِّهَ بِحُكْمِ الظَّاهِرِ مِنَ الْمُقَارَنَةِ-"[5] اسی طرح علامہ آلوسی کا قول ہے کہ " تعليل للنهي غير داخل تحت التنزيل-"[6]

---

[1] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن:5/20

[2] نساء:140

[3] شوکانی، فتح القدیر:1/607

[4] طرفہ، دیوان طرفۃ بن العبد، ص32

[5] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن:5/418

[6] آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی:3/166

﴿يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

عقدتم کو تشدید و تخفیف دونوں قراتوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اور اس کو عاقدتم بھی پڑھا گیا ہے۔ عقد کی دو قسمیں ہیں ایک حسی ہے جیسے رسی کو گانٹھ مارنا اور دوسری حکمی ہے۔ جیسی عقد بیع یعنی بیع کے فیصلے کی مضبوط گرہ لگانا یا پکی قسم کھانا یا وعدہ کرنا۔ عقد کا حقیقی معنی ہے گرہ لگانا لیکن بطور مجاز پختہ عزم کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہ مجاز لغوی ہے یہاں اس کا حقیقی معنی لینا ممکن نہیں ہے۔ اس کا قرینہ الایمان ہے کیونکہ قسم کو گانٹھ لگانا ممکن نہیں اس کا پختہ عزم ہی کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ عقد بیع اور عقد یمین۔ شاعر جرول بن اَوس بن مالک اَبوملیکۃ العبسی المعروف الحطیئۃ (متوفی 674ء) نے اپنے شعر مین پختہ عہد اور وعدہ کرنے کو مجازا عقد سے تعبیر کیا ہے۔

قَوْمٌ إِذَا عَقَدُوا عَقْدًا لِجَارِهِمُ ... شَدُّوا الْعِنَاجَ وشدّوا فوقه الكربا[2]

ترجمہ و تجزیہ

وہ ایسی قوم ہے کہ جب وہ اپنے ہمسائے سے عہد کرتے ہیں تو گرہ کو مضبوط باندھتے ہیں اور اس کے اوپر بوجھ ڈال دیتے ہیں۔ یعنی قوم اذا عھد و عھد الجارھم ہے۔ اس شعر میں عقد کا لفظ بطور مجاز لغوی عہد کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ پس آیت مین لفظ عقد، عہد کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ابن منظور نے بھی عقد کا مطلب معاہدہ اور میثاق لکھا ہے العَقْد نَقِيضُ الحَلِّ والمعاقَدَة المعاهَدة وَالْمِيثَاقُ[3] امام جزائری فرماتے ہیں اس کا مطلب ہے تمھارا اپنے دل سے کسی چیز کے کرنے یا نہ کرنے کا عزم کرنا ہے عقدتم الأيمان: عزمتم عليها بقلوبكم بأن تفعلوا أو لا تفعلوا[4]۔ بحث مذکور سے ثابت ہو گیا کہ لفظ عقد مجازا عہد کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

﴿قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ استعارہ ہے اور اس سے مراد بحر و بر کی سختیاں ہیں۔ امام نحاس کا قول ہے کہ عرب مصائب والام والے دن کو یوم مظلم کہتے ہیں اور انتہائی تکلیف دہ دن کو یوم ذوكواكب کہتے ہیں۔[6] آیت میں استعارہ

---

[1] مائدہ:89

[2] حطیئہ، دیوان الحطیئۃ، ص128

[3] ابن منظور، لسان العرب:3/297

[4] جزائری، اَیسر التفاسیر لکلام العلي الكبير:2/7

[5] انعام:63

[6] شوکانی، فتح القدیر:2/143

تصریحیہ ہے کیونکہ مشبہ بہ، ظلمات مذکور ہے اور مشبہ مصائب محذوف ہے۔ اس کی نظیر میں عمرو بن شاس (متوفی 680ء) کا درجہ ذیل شعر پیش کیا گیا ہے۔

بَنِي أَسَدٍ هَلْ تَعْلَمُونَ بَلَاءَنَا ... إِذَا كَانَ يَوْمٌ ذُو كَوَاكِبَ أَشْنَعَا [1]

ترجمہ و تجزیہ

اے بنی اسد کیا تم ہماری مصیبت سے واقف ہو جب یوم ذو کواکب یعنی مصیبتوں والے دن نے ہمیں پریشان کیا۔ اس شعر میں یوم ذو کواکب کا استعارہ تصریحیہ مصائب والام سے لیا گیا ہے۔ اس طرح ایسر التفاسیر میں بھی ہے کہ یہ بحر و بر کی سختیوں سے کنایہ ہے ظلمات البر والبحر: كناية عن شدائدهما[2] قرطبی میں بھی ظلمات سے مراد سختیاں لی گئی ہے ظُلُماتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ أَيْ شَدَائِدِهِمَا[3]

﴿وَلِبَاسُ التَّقْوَى ذَلِكَ خَيْرٌ﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانی فرماتے ہیں کہ وَلِبَاسُ التَّقْوَى کی ترکیب بطور استعارہ استعمال ہوئی ہے اور اس سے مراد ورع اور اللہ کی نافرمانیوں سے بچنا ہے اور خشیۃ الٰہی مقصود ہے۔[5] یعنی یہ استعارہ تصریحیہ ہے کیونکہ یہاں مشبہ خشیۃ اللہ محذوف ہے۔ اس استعارہ کی نظیر یہ شعر ہے۔

تَغَطَّ بِأَثْوَابِ السَّخَاءِ فَإِنَّنِي ... أَرَى كُلَّ عَيْبٍ وَالسَّخَاءُ غِطَاؤُهُ[6]

ترجمہ و تجزیہ

تو نے سخا کے کپڑے پہن لیے بے شک میری رائے یہ ہے کہ تمام عیبوں کو (صفت) سخاوت ڈھانپ لیتی ہے۔ أَثْوَاب السَّخَاءِ کا استعارہ کثرت سخاوت اور عادی سخی کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ پس ثابت ہوا ہے کہ لباس التقوی بھی استعارہ ہے جو کہ خشیت الٰہی اور ورع نفس کے لئے استعمال ہوا ہے۔ تفسیر البحر المدید میں ہے کہ اس سے مراد خشیت الٰہی ہے اور لباس کے لیے بطور استعارہ استعمال ہوا ہے لباس التَّقْوى وهي خشية الله تعالى، أو الإيمان،

---

[1] بغدادی، محمد بن المبارک بن محمد بن میمون، منتهى الطلب من أشعار العرب (بیروت: دار صادر 1999ء)، 8/51

[2] جزائری، أيسر التفاسير لكلام العلي الكبير: 2/72

[3] القرطبي، الجامع لأحكام القرآن: 7/8

[4] اعراف: 26

[5] شوکانی، فتح القدیر: 2/225

[6] المبرد، محمد بن یزید بن عبد الأكبر الثمالی الأزدي، الفاضل (القاهرة: دار الكتب المصرية 1421ھ)، ص 43

واستعار لها اللباس[1] کشاف کی یہ بات بھی اسی بات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔لِباسُ التَّقْوى ولباس الورع والخشية من الله تعالى[2]

﴿ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

لغت میں عرش کا معنی سریر الملک ہے لیکن یہاں عرش کا معنی بیان کرتے ہوئے امام شوکانیؒ لکھتے ہیں اس سے مراد ملک، سلطنت اور عزت بھی مراد لی جاتی ہے۔[4] اس لحاظ سے عرش کنایہ ہے ملک و سلطنت سے۔اس بات کی وضاحت زہیر بن ابی سلمٰی بن ربعیہ بن رباح مزنی (متوفی 609ء) کے اس شعر کی مدد سے بھی کی جاسکتی ہے۔

تَدَارَكْتُمَا عَبْسًا وقد ثلّ عرشها ... وذبيان إذ زلّت بأقدامها النَّعْلُ[5]

اس طرح عتبی بن الحارث التیمی کا یہ شعر ہے کہ

إِنْ يَقْتُلُوكَ فَقَدْ ثَلَلْتُ عُرُوشُهُمْ ... بعتيبة بن الحرث بْنِ شِهَابِ[6]

ترجمہ و تجزیہ

اگر وہ تم سے جنگ سے کریں تو میں نے ان کی سرداری کو منہدم کر دیا ہے عتیبہ بن الحارث بن شہاب کی صورت میں۔تم دونوں نے عبس و ذبیان کا تدارک کیا درآنحالیکہ انکی سرداری منہدم ہوگئی جب ان کے پاؤں سے جوتا پھسل گیا۔پہلے شعر میں ثلّ عرشها سے مطلب انکی بادشاہت و سرداری منہدم ہوگئی۔اور دوسرے شعر کا ترجمہ یہ ہے اگر وہ تم سے جنگ سے کریں تو میں نے ان کی سرداری کو منہدم کر دیا ہے عتیبہ بن الحارث بن شہاب کی صورت میں۔اس میں عروشھم سے مراد سرداران قبیلہ ہیں۔پس ثابت ہوا کہ لغت عرب میں لفظ عرش بادشاہت، سرداری کے معنی میں بھی کنایۃً استعمال ہوتا ہے۔لیکن آیت میں یہ معنی مراد لینا ممکن نہیں ہے۔تفسیر بحر المدید کے مطابق عرش سے مراد ایک عظیم جسم ہے جو تمام اکوان کو محیط ہے اس کو عرش کا نام دیا گیا اس کی بلندی اور بادشاہ کے تخت کے ساتھ تشبیہ کی وجہ سے والعرش: جسم عظيم محيط بالأكوان. سمي به لارتفاعه، وللتشبيه بسريرالملك[7] بلکل یہی بات بیضاوی میں بھی مذکور ہے والعرش الجسم المحيط بسائر الأجسام سمي به لارتفاعه، أو للتشبيه بسرير

---

[1] فاسی صوفی، البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید: 2/207

[2] زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل: 2/97

[3] اعراف: 54

[4] شوکانی، فتح القدیر: 2/241

[5] زمخشری، المستقصی فی أمثال العرب: 2/34

[6] ابن اثیر، المثل السائر فی أدب الکاتب والشاعر: 1/293

[7] فاسی صوفی، البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید: 2/223

الملك[1]

﴿جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا﴾[2] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ابلیس حضرت حواء علیھا السلام کے پاس آیا ہے اور عرض کی اگر بچہ پیدا ہوا تو اس کا نام حارث رکھنا تو آپ علیھا السلام نے اس کا نام عبد الحارث رکھ دیا تو یہ شرک فی التسمیہ تھا نہ کہ شرک فی العبادۃ۔ عبد نام کے ساتھ رکھنے سے مطلب یہ نہیں ہوتا کہ انسان اس کا بندہ یا غلام بن گیا بلکہ سبب نجات اور اگلے کی عزت کی خاطر خود کو عبد فلان کہہ دیا جاتا ہے۔[3] ایسا کرنا مجاز لغوی کہلاتا ہے یعنی کسی لفظ کو غیر معنی موضوع لہ میں استعمال کرنا۔ جیسا کہ حاتم الطائي (578ء) کے اس شعر جاہلی میں ہے۔

وَإِنِّي لِعَبْدُ الضَّيْفِ مَا دَامَ ثَاوِيًا ... وَمَا فِي إِلَّا تِلْكَ مِنْ شِيمَةِ الْعَبْدِ[4]

ترجمہ و تجزیہ

اور میں اس وقت تک مہمان کا خادم ہوں جب تک وہ مہمان ہے اور یہ بندے کے کردار کی خوبی کے سوا کچھ نہیں۔ اس شعر میں حاتم طائی نے خود کو عبد الضیف کہہ دیا مہمان کو عزت و شرف بخشنے کے لئے۔ یعنی جس طرح غلام اپنے آقا کی خدمت کرتا ہے اسی طرح شاعر بھی اپنے مہمان کی خدمت کرتا ہے۔ معلوم ہوا یہاں لفظ عبد اپنے حقیقی معنی میں استعمال نہیں ہوا بلکہ مجازی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ بلاغت کی زبان میں اسکو مجاز لغوی کہتے ہیں۔ اس کا قرینہ لفظ ضیف ہے کیونکہ مہمان میزبان کا مالک نہیں ہوتا اور علاقہ مشابہت کا ہے جو غلام اور خدمت گزار کے درمیان ہوتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ عبد الحارث نام رکھنے سے حقیقی معنی مراد نہیں ہوئے بلکہ مجازی معنی مراد ہوتے ہیں۔ لیکن علماء نے امام شوکانی کی اس بات سے اتفاق نہیں کیا جیسا کی تفسیر قرطبی میں ہے کہ نَحْوَ هَذَا مَذْكُورٌ مِنْ ضَعِيفِ الْحَدِيثِ، فِي التِّرْمِذِيِّ وَغَيْرِهِ. وَفِي الْإِسْرَائِيلِيَّاتِ كَثِيرٌ لَيْسَ لَهَا ثَبَاتٌ[5] یعنی بیٹے کا نام عبد الحارث رکھنے والی بات ترمذی وغیرہ نے ضعیف حدیث کے طور پر نقل کی ہے۔ اور اس کی طرح کی بے سروپا باتیں اسرائیلیات میں بہت ہیں۔

---

[1] بیضاوی، أنوار التنزیل وأسرار التأویل: 3/26

[2] اعراف: 190

[3] شوکانی، فتح القدیر: 2/313

[4] حاتم، ابن عبد اللہ بن سعد بن الحشرج بن أمرئ القیس، دیوان حاتم الطائي، ص19

[5] قرطبی، تفسیر القرطبي: 7/338

﴿وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

زجاج کہتے ہیں کہ بَنَان، بَنَانَةٌ کی جمع ہے۔ اور اس کا مطلب ہے انگلیاں اور دیگر اعضاء۔ لفظ بنان "أَبَنَّ الرَّجُلُ بِالْمَكَان" کے جملہ سے مشتق ہے یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب انسان کسی مکان میں قیام کرے یہ اس لئے بولا جاتا ہے کیونکہ وہ بندہ اس مکان میں وہ کام کرتا ہے جو اقامت اور حیات کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے یہاں اس سے مراد صرف ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کے اطراف مراد ہیں۔ ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کے اطراف بول کر پورا انسان مراد ہے کیونکہ ہاتھ اور پاؤں کے بغیر انسان ناکارہ ہے۔ اور یہ مجاز مرسل ہے جزو بول کر کل مراد ہے۔[2] اس کا استشہاد عنترہ بن شداد بن العبسی المصری (608ء) کے درج ذیل شعر سے کیا گیا ہے۔

وكان فتى الْهَيْجَاءِ يَحْمِي ذِمَارَهَا ... وَيَضْرِبُ عِنْدَ الْكَرْبِ كُلَّ بَنَانِ[3]

اور غصیلا لڑکا اس کی ڈھال کی حفاظت کر رہا تھا اور تکلیف میں ہر جوڑ کو مار رہا تھا۔ عنترہ بن شداد بن العبسی المصری (608ء) کا یہ شعر بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔

وَإِنَّ الْمَوْتَ طَوْعُ يَدِي إِذَا مَا ... وَصَلْتُ بَنَانَهَا بِالْهِنْدُوَانِي[4]

ترجمہ و تجزیہ

بے شک موت (کے اسباب) میرے مطیع ہیں جب میں ہندوانی تلوار کے ساتھ اس کی انگلیوں کے پوروں تک پہنچ جاتا ہوں۔ پہلے شعر میں شاعر نے کل بنان کی ترکیب استعمال کی ہے۔ اس کا حقیقی معنی انگلیوں کے اطراف ہی ہیں لیکن بطور مجاز مرسل اس سے مراد پورا انسان ہے۔ یہاں بھی جزو بول کر کل مراد ہے۔ تفسیر صفوۃ التفاسیر اور ایسر التفاسیر میں بھی بنان بمعنی انگلیاں ہی استعمال ہوئی ہیں۔ أي اضربوهم على أطراف الأصابع یعنی انکو انگلیوں کے اطراف پہ مار کر جنگ کرنے سے عاجز کر دو۔ إذا ضربت أصابعه تعطَّل عن القتال فأمكن أسره وقتله[5] یعنی ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں پہ مارو تاکہ وہ تلوار سے مارنے کے قابل نہ رہیں۔ أي أطراف اليدين والرجلين حتى لا يستطيعوا ضرباً بالسيف[6]

---

[1] انفال:12

[2] شوکانی، فتح القدیر:2/333

[3] یوسی، زہر الأکم في الأمثال والحکم:1/320

[4] عنترۃ، دیوان عنترۃ بن شداد، ص220

[5] صابونی، صفوۃ التفاسیر:1/461

[6] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر:2/290

﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

غنیمت کا حقیقی معنی دشمن سے مال مویشی کا حاصل ہونا ہے۔ لیکن اس کے بعد مجازا یہ لفظ دشمن سے ملنے والی تمام اشیاء کے بارے میں استعمال ہونے لگا۔ اور کبھی کبھار تو یہ لفظ بطور مجاز ہر اس چیز کے بارے میں استعمال ہوتا ہے جو کہ کوشش کے ساتھ حاصل کی گئی ہو۔[2] یہ مجاز لغوی ہے۔ مصنف نے اس معنی کا استدلال امرُؤُ القَیس (متوفی 545ء) کے درجہ ذیل شعر جاہلی سے کیا ہے۔

وَقَدْ طَوَّفْتُ فِي الْآفَاقِ حَتَّى ... رَضِيتُ مِنَ الْغَنِيمَةِ بِالْإِيَابِ[3]

ترجمہ و تجزیہ

میں نے آفاق کا سفر کیا یہاں تک کہ میں مال و دولت کے حصول سے واپسی پر راضی ہو گیا۔ اس شعر میں لفظ غنیمت مجازا بطور کوشش و محنت سے حاصل کی ہوئی ہر قسم کی دولت کے لئے استعمال ہوا ہے چاہے وہ مال مویشی ہوں یا دیگر سامان زیست جنگ کر کے ملے یا بغیر جنگ کے۔ امام راغب کا بھی یہی مؤقف ہے یہ بطور مجاز استعمل في كل مظفور به من جهة العدى وغيرهم[4] یعنی پھر یہ ہر حاصل شدہ چیز کے لئے استعمال ہونے لگا چاہے وہ دشمن سے ملے یا کسی اور سے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ الْغَنِيمَةُ فِي اللُّغَةِ مَا يَنَالُهُ الرَّجُلُ أَوِ الْجَمَاعَةُ بِسَعْيٍ[5] غنیمت کا لغوی معنی یہ ہے کہ آدمی یا جماعت جو بھی چیز کوشش سے حاصل کرے۔

﴿وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

الجنوح کا مطلب میلان اور جھکاؤ ہے۔ عرب میں مشہور کہاوت ہے کہ جنح الرجل یعنی آدمی دوسرے آدمی کی طرف مائل ہوا۔ اور پسلیوں کو بھی جوانح کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ بھی اندر کی طرف مڑی ہوتی ہیں۔ اور جنحت الابل عرب اس وقت کہتے ہیں جب اونٹ دوڑتے ہوئے اپنی گردن کو جھکالیتا ہے۔[7] اور یہ کنایہ ہے امن و

---

[1] انفال:41

[2] شوکانی، فتح القدیر:2/353

[3] امرُؤُالقَیس، دیوان امریٔ القیس، ص79

[4] راغب اصفہانی، المفردات في غریب القرآن، ص33

[5] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن:8/1

[6] انفال:61

[7] شوکانی، فتح القدیر:2/367

آشتی سے۔ اس کی دلیل نابغۃ ذبیانی (متوفی 604ء) کا درجہ ذیل شعر جاہلی ہے۔

جَوَانِحُ قَدْ أَيْقَنَّ أَنَّ قَبِيلَهُ ... إِذَا مَا الْتَقَى الْجَمْعَانِ أَوَّلَ غَالِبٍ[1]

ترجمہ و تجزیہ

صلح کا ہاتھ بڑھانے والوں کو یقین ہو گیا کہ جب دو لشکر آمنے سامنے ہوں گے تو اسکا قبیلہ پہلے غالب آجائے گا۔ اس شعر میں جوانح سے کا اصل معنی پرندے کے پر ہیں کیونکہ ان کے یہ پر ان کے پہلو کی طرف جھکے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہاں مجازاً صلح کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ پس معلوم ہوا الجنوح میلان اور جھکاؤ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ابن منظور صاحب نے بھی یہی بات کی ہے کہ یہاں یہ صلح اور امن کے معنی میں ہے۔ أَي إِن مَالُوا إِليك فَمِلْ إِليها[2] یعنی اگر وہ آپ کی طرف خیر کی نیت سے مائل ہوں تو آپ بھی انکی طرف جھکاؤ اختیار کریں۔ المحیط فی اللغہ میں ہے کہ وإذا مالَتْ النَاقَةُ على أَحَدِ شِقَّيْها يُقالِ جَنَحَتْ[3] یعنی جب اونٹنی اپنے ایک پہلو کی طرف جھکے تو اسوقت جنحت کا لفظ بولتے ہیں۔ امام راغب صاحب فرماتے ہیں کہ أي مالوا من قولهم جنحت السفينة أي مالت إلى أحد جانبيها[4]

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

أَسْرَى اسیر کی جمع ہے جیسے قتلی قتیل کی جمع ہے اور جرحی، جریح کی جمع ہے اور اسیر کی جمع اساری بھی آتی ہے اور یہ الاسر سے ماخوذ ہے۔ الاسر کا مطلب ہے القد یعنی رسی یا پھندہ جس کے ساتھ کسی چیز کو باندھا جاتا ہے۔ بطور مجاز مرسل علاقہ سببیت کی بنا پر قیدی کو ہی اسیر کہہ دیا گیا کیونکہ ہر قیدی کو اسی رسی کے ساتھ باندھا جاتا تھا۔ بعد میں یہ لفظ مطلقاً قیدی کے لئے استعمال ہونا شروع ہو گیا اگرچہ اس کو رسی کے ساتھ نا بھی باندھا گیا ہو۔[6] جیسا کہ اعشی قیس (متوفی 629ء) کا مشہور شعر جاہلی ہے۔

وقيّدني الشّعر في بيته ... كما قيّد الْأَسَرَاتُ الْحِمَارَا[7]

---

[1] نابغہ ذبیانی، دیوان النابغۃ الذبیانی، ص43

[2] ابن منظور، لسان العرب: 2/428

[3] صاحب بن عباد، المحیط فی اللغۃ: 1/181

[4] راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، ص100

[5] انفال: 67

[6] شوکانی، فتح القدیر: 2/371

[7] دینوری، الشعر والشعراء، ص252

ترجمہ و تجزیہ

شعر نے مجھے اس کے گھر میں قید کر دیا جیسے رسیوں کے ساتھ گدھوں کو باندھا جاتا ہے۔ پہلے مصرعے میں قید کا لفظ بطور مجاز مرسل باندھنے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے اگرچہ بظاہر شاعر کو باندھا نہیں گیا اور دوسرے مصرعے میں الاسرات کا لفظ رسیوں اور پھندوں کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ پس معلوم ہوا الاسر کا حقیقی معنی رسی ہے لیکن بطور مجاز مرسل علاقہ سببیت کی بنا پر اس کا اطلاق اس رسی سے بندھی چیز پر بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح تفسیر ایسر التفاسیر میں لکھا ہے کہ اسری اسیر کی جمع ہے۔ اسیر وہ ہے جو جنگی قیدی ہو اور عادۃ اسکو رسیوں سے باندھا جاتا تھا پس اس وجہ سے ہر جنگی قیدی پر اسیر کا اطلاق کر دیا گیا۔ أسرى: جمع أسير وهو من أخذ في الحرب يشد عادة بإسار وهو قيد من جلد فأطلق لفظ الأسير على كل من أخذ في الحرب[1]۔ تفسیر قرطبی میں ہے کہ وَكَانُوا يَشُدُّونَ الْأَسِيرَ بِالْقَدِّ وَهُوَ الْإِسَارُ، فَسُمِّيَ كُلُّ أَخِيذٍ وَإِنْ لَمْ يُؤْسَرْ أَسِيرًا[2] یعنی قیدی کو رسیوں سے باندھا جاتا تھا پس ہر قیدی پر مجازا اسیر کا اطلاق ہو گیا اگرچہ اس کو رسی سے نہ بھی باندھا گیا ہو۔

﴿وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

یہاں ارحام سے مراد قرابت داری کے تمام رشتے مراد ہیں۔ اس میں ہر قسم کی قرابت داری شامل ہے۔ اور ایک قول یہ بھی مجازا یہاں الارحام سے مراد سارے رشتے مراد نہیں بلکہ صرف عصبات شامل ہیں۔ لغت عرب میں جب وصلتك رحم بولتے ہیں تو وہ اس سے قرابت الام مراد نہیں لیتے۔[4] یہاں بطور مجاز صرف عصبات والے تمام رشتے مراد ہیں۔ جیسا کہ اس شعر سے واضح ہو جاتا ہے۔

ظَلَّتْ سُيُوفُ بَنِي أَبِيهِ تَنُوشُهُ ... لِلَّهِ أَرْحَامٌ هُنَاكَ تَشَقَّقُ[5]

ترجمہ و تجزیہ

اس کے بھائیوں کی تلوار تیز ہوتی رہی اللہ کے بنائے ہوئے رشتے وہاں ٹوٹ گئے۔ اس شعر میں بنو ابیہ یعنی باپ کی اولاد مطلب بھائیوں کے درمیان تلوار چل گئی۔ اگلے مصرعے میں اسی رشتے کے لئے ارحام کا لفظ استعمال

---

[1] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلی الکبیر:2/328

[2] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن:8/45

[3] انفال 75

[4] شوکانی، فتح القدیر:2/376

[5] امیل بدیع یعقوب، المعجم المفصل فی شواھد العربیۃ، ص5/163

کرتا ہے یعنی بھائیوں کے لئے بھی ارحام ہی استعمال ہوا ہے۔ پس معلوم ہوا عرب ارحام سے قرابت الام مراد نہیں لیتے۔ پس آیت کو حقیقی معنی پر محمول کریں تو تمام رشتہ دار مراد ہوں گے اور قرین قیاس بھی یہی ہے لیکن اگر مجازی معنی مراد لیں تو صرف عصبات یعنی باپ کی طرف سے رشتے شامل ہونگے۔ قرطبی اور اضواء البیان کے مطابق بھی آیت میں عصبات مراد ہیں۔ والمراد بها ها هنا الْعَصَبَاتُ دُونَ الْمَوْلُودِ بِالرَّحِمِ[1] الْمُرَادُ بِذَوِي الْأَرْحَامِ الْعُصْبَةُ خَاصَّةً[2]۔ پس معلوم ہوا کہ یہاں مجازی معنی ہی مراد ہے۔ اسی کو مجاز لغوی کہتے ہیں۔

﴿قَاتَلَهُمُ اللَّهُ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

قَاتَلَهُمُ اللَّهُ کنایہ ہے لعنهم الله سے۔ یعنی اللہ نے ان پہ لعنت فرمائی۔[4] جیسا کہ عبید بن الابرص الاسدی (متوفی 550ء) کے اس شعر میں ہے۔

قَاتَلَهَا اللَّهُ تَلْحَانِي وَقَدْ عَلِمَتْ ... أَنِّيَ لِنَفْسِي إِفْسَادِي وَإِصْلَاحِي[5]

ترجمہ و تجزیہ

اللہ اس پہ لعنت کرے وہ مجھے ملامت کرتی ہے، حالانکہ مجھے اپنے لیے اچھا برا معلوم ہے۔ اس شعر میں قاتلها الله بمعنی لعنها الله بطور کنایہ استعمال ہوا ہے کیونکہ قاتلها الله کا حقیقی معنی مراد لینا مشکل ہے یہاں پر۔ امام جزائری بھی اسی کے مؤید ہیں۔ قاتلهم الله: أي لعنهم الله لأجل كفرهم یعنی اللہ نے ان پر کفر کی وجہ سے لعنت فرمائی[6] لسان العرب میں بھی ہے کہ قاتل یہاں قتال بین اثنین کے معنی میں نہیں ہے۔ أَي لَعَنَهم أَنَّى يُصْرَفون، وَلَيْسَ هَذَا بِمَعْنَى القِتال الَّذِي هُوَ مِنَ المقاتلة وَالْمُحَارَبَةِ بَيْنَ اثْنَيْنِ[7]

﴿التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ﴾[8] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

السائحون کنایہ ہے الصائمون سے۔ یہی جمہور مفسرین کی رائے ہے۔ اس طرح قول باری تعالیٰ ہے

---

[1] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن: 8/58

[2] شنقیطی، أضواء البیان في إیضاح القرآن بالقرآن: 2/106

[3] توبہ: 30

[4] شوکانی، فتح القدیر: 2

[5] اسدی، عبید بن الأبرص بن حنتم بن عامر بن مالک، دیوان عَبید بن الأبرص (دار الکتاب العربي 1994ء)، ص 45

[6] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر: 2/359

[7] ابن منظور، لسان العرب: 11/549

[8] توبہ: 112

﴿عَابِدَاتٍ سَائِحَاتٍ﴾[1] السائح کا لفظی مطلب تو زمین میں سیاحت کرنے والا کے ہیں کہ صائم کو سائح اس لیے کہتے ہیں کہ صائم بھی مسافر کی طرح تمام لذات بدنی کو ترک کر دیتا ہے۔[2] پس معلوم ہوا کہ صائم، سائح کا لازم معنی ہے جیسا کہ عبد مَناف بْن عَبْدُ الْمُطلب بن ہاشم (متوفی 619ء) کے اس شعر جاہلی میں بھی ہے۔

وبالسّائحين لا يذوقون قطرة ... لربّهم والذاكرات العوامل[3]

ترجمہ و تجزیہ

قسم ہے روزہ داروں کی جو افطار کا ذائقہ نہیں چکھتے اپنے رب کی رضا کے لئے۔۔۔ الخ اس شعر میں حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ نے السائحین سے کنایۃ روزہ دار مراد لیا ہے اور اس کا قرینہ فطرۃ کا لفظ ہے جو افطار پر دلالت کرتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ لفظ السائح کلام عرب میں کنایۃ اروزہ دار کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اسی لئے آیت میں بھی یہ لفظ لایا گیا ہے۔ تفسیر بیضاوی اور ایسر التفاسیر نے بھی بالترتیب اس کا معنی صائم بیان کیا ہے۔ السائحون: أي الصائمون[4] السَّائِحُونَ الصائمون[5]

﴿أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

قدم صدق سے مراد منزل صدق ہے۔ امام زجاج فرماتے ہیں کہ قدم صدق سے مراد درجہ عالیۃ ہے یعنی قدم صدق بطور کنایہ استعمال ہوا ہے جو عالی مرتبہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔[7] اس کی نظیر أبو نصر أحمد بن حاتم کے درجہ ذیل شعر ہے۔

لَكُمْ قَدَمٌ لَا يُنْكِرُ النَّاسُ أَنَّهَا ... مَعَ الْحَسَبِ الْعَالِي طَمَتْ عَلَى الْبَحْرِ[8]

ترجمہ و تجزیہ

تمھارا ایسا مرتبہ ہے جسکا انکار لوگ نہیں کرسکتے اس کے ساتھ عالی حسب و نسب کے مالک ہیں جو سمندر پر

---

[1] تحریم:5

[2] شوکانی، فتح القدیر:2/465

[3] امیل بدیع یعقوب، المعجم المفصل في شواهد العربية، 6/550

[4] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر:2/428

[5] بیضاوی، أنوار التنزیل وأسرار التأویل:3/99

[6] یونس:2

[7] شوکانی، فتح القدیر:2/480

[8] باہلی، أبو نصر أحمد بن حاتم، دیوان ذي الرمة شرح أبي نصر باہلی روایۃ ثعلب 1982ء)، ص 2/972

بھی غالب ہے۔ اس شعر میں قدم بطور کنایہ مرتبہ و مقام کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لغت عرب میں یہ کنایہ معروف تھا جسکو قران نے بیان کیا ہے۔ اس طرح لسان العرب میں اس کا معنی (كناية) بلند مرتبہ بیان کیا گیا ہے۔ قَدَمُ الصدقِ الْمَنْزِلَةُ الرفيعةُ[1]

﴿فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ﴾[2] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

مفسرین نے بدن کا معنی بیان کرنے میں اختلاف کیا ہے بدن سے یا تو بغیر روح کے جسم مراد ہے، یا پھر بدن سے مراد ذرہ یعنی فوجی لباس مراد ہے اور عرب ذرہ کو بھی بدن کہتے ہیں۔[3] یہ مجاز مرسل ہے اور علاقہ محلیت کا ہے۔ محل یعنی جسم بول کر ذرہ یعنی حال مراد ہے۔ جیسا کہ کعب بن مالک (متوفی 672ء) کے اس شعر میں ہے۔

تَرَى الْأَبْدَانَ فِيهَا مُسْبَغَاتٍ ... عَلَى الْأَبْطَالِ وَالْيَلَبَ الْحَصِينَا[4]

ترجمہ و تجزیہ

تو اس (جنگ میں) رنگی برنگی زرعوں کو دیکھے گا۔ بہادروں اور گھوڑوں کے اوپر۔ اس شعر میں الابدان بول کہ ذرہیں مراد لی گئی ہیں یہ بلاغت کے معروف قاعدہ مجاز مرسل کے تحت ہے۔ اسی طرح شاعر عمرو بن معدیکرب (متوفی 642ء) کا یہ شعر ہے۔

وَمَضَى نِسَاؤُهُمُ بِكُلِّ مَفَاضَةٍ ... جَدْلَاءَ سَابِغَةٍ وَبِالْأَبْدَانِ[5]

ترجمہ و تجزیہ

اس شعر میں بھی بالابدان کا عطف مَفَاضَة پر ہے اور اس سے مراد زرہیں ہیں۔ لیکن آیت میں مجازی معنی آیت میں مجازی معنی لینا درست نہیں ہے کیونکہ فرعون کا جسم بغیر روح کے دریافت ہو چکا ہے اور اس آیت کو حقیقی معنی پر ہی محمول کیا جائے گا مجازی معنی کی طرف التفات جائز نہیں ہے۔ اگرچہ تفسیر قرطبی و کشاف کا بھی بالترتیب یہی نظریہ ہے۔ الْبَدَنُ الدِّرْعُ الْقَصِيرَةُ[6] بدرعك[7]

---

[1] ابن منظور، لسان العرب: 12/466

[2] یونس: 92

[3] شوکانی، فتح القدیر: 2/534

[4] انباری، شرح القصائد السبع الطوال الجاھلیات، ص414

[5] نعمان، شعر الفتوح الإسلامیة في صدر الإسلام، ص195

[6] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن: 8/380

[7] زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل: 2/368

﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

فالنار موعدہ کا مطلب ہے وہ لا محالہ اہل نار میں سے ہوں گے مطلق نار کو موعد ذکر کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس آگ میں عذاب کی اتنی ساری قسمیں ہونگی کہ جن کا احاطہ ان کے اوصاف بیان کرنے کے ساتھ ممکن نہیں ہے۔ پس صرف نار ذکر کر دیا اور اس سے مراد صرف آگ کا عذاب نہیں بلکہ اور بھی بہت سارے عذاب ہیں۔[2] یہ بلاغت کے مشہور اصول مجاز مرسل کے تحت ہے کہ جزو بول کر کل مراد لیا ہے جیسا کہ حضرت حسان بن ثابت بن منذر بن حرام (متوفی 647ء) کے اس شعر میں بھی ہے۔

أَوْرَدْتُمُوهَا حِيَاضَ الْمَوْتِ ضَاحِيَةً ... فَالنَّارُ مَوْعِدُهَا وَالْمَوْتُ لَاقِيهَا[3]

ترجمہ و تجزیہ

تم اسے موت کی وادی میں لے آئے علی الاعلان، پس اب جہنم اس کا ٹھکانہ ہے، اور موت اس سے ملنے والی ہے۔ فالنار موعدھا کی ترکیب میں نار ذکر کر کے مراد تمام قسم کے عذاب ہیں جو کہ اللہ نے کافروں کے لئے تیار رکھے ہیں یعنی انکی کی ایک قسم آگ کا ذکر کر کے تمام قسم کے عذاب مراد ہیں۔ معلوم ہوا کہ آیت میں مجاز مرسل کے جس قاعدہ بلاغی کے تحت نار ذکر کر کے تمام قسم کے عذاب مراد ہیں یہ قاعدہ عرب شعراء کے ہاں پہلے سے معروف تھا۔

﴿حَتَّى إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

مفسرین نے "فارالتنور" کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھاہے یہ عذاب کے آجانے کی تمثیل ہے جس طرح عرب حمی الوطیس بطور تمثیل استعمال کرتے ہیں جنگ کے بھڑک اُٹھنے کے لئے۔[5] یہ استعارہ تصریحیہ ہے۔ چشمے کے جوش کے ساتھ ابلنے کو تندور کے بھڑکنے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اور مشبہ کو محذوف رکھا گیاہے۔ اس کا استشہاد حضرت حسان بن ثابت بن منذر بن حرام (متوفی 647ء) کے درج ذیل شعر جاہلی سے کیا گیاہے۔

تَرَكْتُمْ قِدْرَكُمْ لَا شَيْءَ فِيهَا ... وَقِدْرُ الْقَوْمِ حَامِيَةٌ تَفُورُ[6]

---

[1] ہود:17

[2] شوکانی، فتح القدیر:2/555

[3] حسان، دیوان حسان بن ثابت، ص253

[4] ہود:40

[5] شوکانی، فتح القدیر:2/565

[6] حسان، دیوان حسان بن ثابت، ص117

ترجمہ و تجزیہ

تم نے اپنی ہنڈیا کو چھوڑ دیا اس میں کچھ بھی نہیں ہے۔ اور قوم کی ہنڈیا جوش کیساتھ بھڑک رہی ہے۔ اس شعر میں تفور قدر القوم کو بطور استعارہ تصریحیہ بیان کیا گیا ہے جنگ کے بھڑک اُٹھنے کے لئے۔ یہاں بھی مشبہ محذوف ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب لوگ بعض جملے بطور استعارہ بیان کرتے تھے کسی معروف معنی کو بیان کرنے کے لئے۔ مفاتیح الغیب نے بھی اسکو بطور استعارہ لیا ہے سرعت کا معنی دینے کے لئے۔ جَعَلُوا هَذِهِ اللَّفْظَةَ اسْتِعَارَةً فِي السُّرْعَةِ[1] تفسیر قرطبی میں ہے کہ فارالتنور حضور عذاب کی تمثیل ہے اس طرح جب جنگ بھڑک اٹھے تو فارت قدر القوم بولا جاتا ہے۔ مَعْنَى" فارَ التَّنُّورُ" التَّمْثِيلُ لِحُضُورِ الْعَذَابِ وَيُقَالُ: فَارَتْ قِدْرُ الْقَوْمِ إِذَا اشْتَدَّ حَرْبُهُمْ،[2]

﴿أَلَا بُعْدًا لِعَادٍ قَوْمِ هُودٍ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

بُعْدًا کا لفظ بطور کنایہ ہلاکت کی بد دعا کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جب کوئی بندہ ہلاک ہو جائے تو اس کے لئے بعد یبعد بعدا کی ترکیب استعمال کی جاتی ہے۔[4] امام شوکانی نے اس کی دلیل میں خرنق بنت ہفان (متوفی 574ء) اور نابغة ذبیاني (متوفی 604ء) کے درج ذیل اشعار جاہلی ذکر کئے ہیں۔

لَا يَبْعَدَنَّ قَوْمَي الَّذِينَ هُمْ ... سُمُّ الْعُدَاةِ وَآفَةُ الْجُزُرِ

فَلَا تَبْعُدَنَّ إِنَّ الْمَنِيَّةَ مَنْهَلٌ ... وَكُلُّ امْرِئٍ يَوْمًا بِهِ الْحَالُ زَائِلِ [5]

ترجمہ و تجزیہ

اے اللہ میرے لوگوں کو ہلاک نہ فرما جو دشمنوں کا زہر اور پیچھے والوں کی آفت ہیں۔ تو ہلاک نہ ہو بے شک موت راستے کی ایک گھاٹی ہے اور ہر شخص کی حالت ایک دن زائل ہو جانے والی ہے۔ دونوں اشعار میں لایبعدن اور لا تبعدن کے صیغے فعل نہی بانون تاکید ثقیلہ ہیں اور کنایۃ دعائیہ کلمات کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ تفسیر بحر المدید نے اسکو (بطور کنایہ) قوم عاد کے لئے ہلاکت کی بد دعا قرار دیا ہے۔ اللهم لا تبعدن ولایبعدن۔ یعنی اللہ تمھیں یا

---

[1] رازی، مفاتیح الغیب: 8/353

[2] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن: 9/34

[3] ہود: 60

[4] شوکانی، فتح القدیر: 2/574

[5] جاحظ، أبو عثمان عمرو بن بحر بن محبوب الکناني، البرصان والعرجان والعمیان والحولان، ص 544

انھیں ہلاک نہ کرے۔اس طرح تفسیر ایسر التفاسیر نے بھی اس کا معنی قوم عاد کے لئے ہلاکت ہو لکھا ہے۔أي هلاكاً لعاد دعا عليهم بالهلاك[1] پس معلوم ہوا کہ بعدا مصدر اور اس کے استقاقات بطور کنایہ بد دعا کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

﴿وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ ﴾[2] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

شرا اور اشترى خریدنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور بیچنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ خریدنا حقیقی معنی ہے اور بیچنا مجازی معنی ہے [3] لیکن یہاں یہ مجازی معنی میں استعمال ہوا ہے اور یہ بلاغت کی قسم مجاز لغوی ہے۔اس کی مثال الشماخ بن ضرار الذبیانی(متوفی 643ء) کا یہ شعر ہے۔

فَلَمَّا شَرَاهَا فَاضَتِ الْعَيْنُ عَبْرَةً[4]

ترجمہ و تجزیہ

جب اس نے اسکو بیچا تو آنکھ بہہ پڑی بطور عبرت۔ اس شعر میں شراھا بمعنی بیچنا ہے یہ اس کا مجازی معنی ہے۔ امام شوکانی فرماتے ہیں اس آیت شروہ بمعنی باعوہ یعنی اہل قافلہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بیچ دیا۔ اس صورت میں شروہ کا کلمہ مجازی معنی یعنی باعوہ کے معنی میں استعمال ہو رہا ہے۔أي باعوه بثمن ناقص[5] وشَرَاهُ واشْتَرَاهُ: باعَه[6] أي باعوه[7]

﴿اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ﴾[8] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

العمد سے مراد ستون ہیں۔یعنی آسمان بغیر ستون کے کھڑے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے ستون ہیں لیکن ہمیں نظر نہیں آتے زجاج کے مطابق العمد سے مراد اللہ کی وہ قدرت ہے جس نے آسمانوں کو ٹھہرایا ہوا ہے اور قدرت

---

[1] فاسی صوفی، البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید:2/538

[2] یوسف:20

[3] شوکانی، فتح القدیر:3/16

[4] شماخ بن ضرار، دیوان شماخ بن ضرار الذبیانی، ص190

[5] جزائری، آیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر:2/601

[6] ابن منظور، لسان العرب:14/427

[7] جوہری، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ:6/2391

[8] رعد:2

ہمیں نظر نہیں آتی۔ اسکو عُمُد بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں یہ عمود کی جمع ہے۔[1] اس آیت میں استعارہ مکنیہ ہے یعنی آسمان کو چھت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور مشبہ بہ محذوف کر دیا گیا ہے۔ اور اس کا قرینہ عمد یعنی ستون ہیں۔ نابغة ذبياني (متوفی 604ء) کے اس شعر سے بھی واضح ہوتا ہے۔

وَخَبِّرِ الجِنَّ أَنِّي قَدْ أَذِنْتُ لَهُمْ ... يَبْنُونَ تدمر بِالصُّفَاحِ وَالْعُمُدْ[2]

ترجمہ و تجزیہ

اور جنوں سے کہو کہ میں نے ان کو اجازت دے دی ہے کہ تدمر شہر کو پتھر کی سلوں اور ستونوں کے ساتھ تعمیر کریں۔ جنوں کے بارے میں نے سنا ہے انہوں نے (حضرت سلیمان کے لئے) تدمر شہر بنایا تھا صفاح اور ستونوں کے ساتھ۔ اس شعر میں لفظ عمد عمود کی جمع کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ اس کی تائید تفسیر ایسر التفاسیر میں بھی ہے۔ العمد جمع عمود[3] تفسیر بحر المدید نے عمد کو بھی عمود کا اسم قرار دیا ہے۔ وعَمَدٍ: اسم جمع عمود[4]

﴿أَفَلَمْ يَيْأَسِ الَّذِينَ آمَنُوا﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

افلم ييأس بمعنی افلم يعلم اور یہ قبیلہ نخع کی لغت ہے اور امام صحاح کے مطابق یہ قبیلہ ہوازن کی لغت ہے۔ امام زجاج کہتے ہیں کہ ییاس بمعنی یعلم یہاں بطور کنایہ استعمال ہوا ہے کیونکہ اليائس من الشيئ یہ جانتا ہے کہ وہ چیز نہیں ہوگی۔ یعنی کسی چیز سے مایوس ہونے کا لازم معنی ہے کہ انسان اس چیز کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ چیز اس کے لئے نہیں ہے۔ اس کی مثال لفظ رجاء کا خوف کے معنی میں استعمال ہونا اور لفظ نسیان کا ترک کے معنی میں استعمال ہونا ہے کیونکہ رجاء خوف کو اور نسیان، ترک کرنے کے معنی کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے یعنی لازم ہے۔[6] اس کا استشہاد رباح بن عدی کے درج ذیل شعر سے کیا گیا ہے۔

أَلَمْ يَيْأَسِ الْأَقْوَامُ أَنِّي أَنَا ابْنُهُ ... وَإِنْ كُنْتُ عَنْ أَرْضِ الْعَشِيرَةِ نَائِيَا[7]

---

[1] شوکانی، فتح القدیر: 3/77

[2] نابغہ ذبیانی، دیوان النابغة الذبياني، ص 21

[3] جزائری، أيسر التفاسير لكلام العلي الكبير: 3/5

[4] فاسی صوفی، البحر المديد في تفسير القرآن المجيد: 3/6

[5] رعد: 31

[6] شوکانی، فتح القدیر: 3/100

[7] انباری، شرح القصائد السبع الطوال الجاهليات، ص 567

ترجمہ و تجزیہ

کیا اہل قبیلہ نے ابھی تک یہ نہیں جانا کہ میں اس (قبیلہ) کا بیٹا ہوں اگرچہ میں اپنے خاندان کی سرزمین سے دور بھی ہوں۔ اس شعر میں ییاس کنایۃ بمعنی یعلم استعمال ہوا ہے اور اسی طرح سحیم بن وثیل یربوعی (متوفی 680ء) کا یہ شعر بھی ہے کہ

أَقُولُ لَهُمْ بِالشِّعْبِ إِذْ يَأْسِرُونَنِي ... أَلَمْ تيأسوا أنِّي ابن فارس زهدم[1]

ترجمہ و تجزیہ

میں ان کو کہتا ہوں جب وہ مجھے وادی میں قیدی بنا رہے ہیں۔ کیا تم کو نہیں معلوم کہ میں فارس کا بیٹا زہدم ہوں۔ اس شعر میں افلم تیاسوا کنایۃ بمعنی الم تعلموا استعمال ہوا ہے۔ لسان العرب اور مختار الصحاح نے بھی اسکو علم کے معنی میں ذکر کیا ہے۔ يَيْأَسُ *بِمَعْنَى عَلِم لُغَةً للنَّخَع[2] وَيَئِسَ أَيْضًا بِمَعْنَى عَلِمَ فِي لُغَةِ النَّخَعِ[43] پس معلوم ہوا کہ کلام عرب میں ییاس بمعنی یعلم بطور کنایہ استعمال ہوتا رہتا ہے پس آیت میں بھی یہ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

﴿لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ﴾[5] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

یعنی ان کی آنکھیں انکی طرف نہیں لوٹتی۔ اور طرف کا اصلی معنی ہے پلکوں کی حرکت اور آنکھ کو طرف اس لئے کہہ دیا جاتا ہے کیونکہ پلکیں آنکھ کا حصہ ہیں۔[6] اور مجاز مرسل کا اصول ہے کہ جز بول کر کل مراد لیا جا سکتا ہے۔ اس کی نظیر عنترہ بن شداد بن العبسی المصری (608ء) کے اس شعر میں بھی ہے۔

أَنَغْضَ طرفى رَأْسَهُ وَأَقْنَعَا ... كَأَنَّمَا أَبْصَرَ شَيْئًا أَطْمَعَا[7]

ترجمہ و تجزیہ

اس نے اپنے سر کی آنکھوں کو جھکایا اور راضی ہو گیا جیسے اس نے کچھ دیکھا ہو اور اس کا لالچ کیا ہو۔ اس شعر

---

[1] انباری، شرح القصائد السبع الطوال الجاهليات، ص567

[2] ابن منظور، لسان العرب:6/260

[3] مختار الصحاح، ص348

[4] بیضاوی، تفسیر البیضاوی:3/330

[5] ابراہیم:43

[6] شوکانی، فتح القدیر:3/138

[7] دمیري، حیاۃ الحیوان الکبری:2/494

میں عنترہ نے طرفی بول کر آنکھ مراد لی ہے۔ یہ مجاز مرسل ہے۔ پس آیت میں بھی جزو بول کر کل مراد لیا گیا ہے۔ یعنی پلک بول کر آنکھ مراد ہے۔ صاحب لسان العرب اور صحاح بھی طرف بمعنی عین پر متفق نظر آتے ہیں۔

الطَّرْفُ: طرْفُ الْعَيْنِ والطَّرْفُ اسْمٌ جَامِعٌ لِلْبَصَرِ[1] الطَرَفُ: العينُ[2]

﴿وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

لفظ نعم اور الانعام کا اکثر اطلاق اونٹوں پر ہوتا ہے (اور یہی اس کا حقیقی معنی ہے)۔ لیکن مجازا الانعام سے مراد اونٹ، گائے اور بکریاں بھی ہیں۔ اس کا اطلاق جانوروں کے مجموعہ پر تو ہوتا ہے لیکن اکیلے غنم یعنی بھیڑ بکریوں پر نہیں ہوتا۔[4] اس لحاظ سے یہ مجاز لغوی ہے۔ اس کا استدلال حضرت حسان بن ثابت بن منذر بن حرام (متوفی 647ء) کے درجہ ذیل شعر سے کیا گیا ہے۔

وَكَانَتْ لَا يَزَالُ بِهَا أَنِيسٌ ... خِلَالَ مُرُوجِهَا نَعَمٌ وَشَاءُ[5]

ترجمہ و تجزیہ

کھلے میدانوں میں اونٹ اور بکریاں ہمیشہ اس کے ساتھ رہیں۔ اس شعر میں شاء کا عطف نعم پر کیا گیا ہے اس لئے اس شعر میں نعم سے مراد خاص طور پر اونٹ ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ لفظ اصل میں اونٹ کا معنی دیتا ہے لیکن بطور مجاز اس کا اطلاق تمام جانوروں پر کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح تفسیر بیضاوی میں بھی اس سے مراد اونٹ، گائے اور بکریاں ہیں۔ الإبل والبقر والغنم[6] تفسیر رازی کے مطابق بھی اس کا اطلاق اونٹ، گائے اور بکریاں پر ہوتا ہے، لیکن اکثر یہ لفظ اونٹ پر ہی صادق آتا ہے۔ الْأَنْعَامُ ثَلَاثَةٌ: الْإِبِلُ. وَالْبَقَرُ. وَالْغَنَمُ. وَأَكْثَرُ مَا يَقَعُ هَذَا اللَّفْظُ عَلَى الْإِبِلِ[7]

---

[1] ابن منظور، لسان العرب: 213/9

[2] جوہری، الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية: 1393/4

[3] النحل: 5

[4] شوکانی، فتح القدیر: 178/3

[5] حسان، دیوان حسان بن ثابت، ص 18

[6] بیضاوی، تفسیر البیضاوی: 386/3

[7] رازی، مفاتیح الغیب: 175/19

﴿فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوتِهَا﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

ذلت قدم کنایہ ہے مستقیم الحال آدمی کے لئے جب وہ کسی شر میں جا پڑے کیونکہ بظاہر بھی جب انسان کا قدم پھسلے تو لازماً انسان ایک حالت سے دوسرے حالت میں منتقل ہو جاتا ہے یعنی حالت خیر سے حالت شر کی طرف۔ جب کوئی بندہ کسی معاملے میں غلطی کرے تو اس کے لئے زلت قدمہ کا جملہ بولا جاتا ہے۔[2] اس کنایہ کی مثال اس شعر میں موجود ہے۔

تَدَارَكْتُمَا عَبْسًا وَقَدْ ثُلَّ عَرْشُهَا ... وَذِبْيَانُ قَدْ زَلَّتْ بِأَقْدَامِهَا النَّعْلُ[3]

ترجمہ و تجزیہ

تم نے عبس کو پایا کہ ان کا عرش یا حکومت زائل ہو گئی۔اور ذیبان کے پاؤں سے جوتا پھسل گیا۔یعنی انکا استحکام زائل ہو گیا۔ زلت باقدامھا لنعل کنایہ ہے بری حالت اور ذلت اور رسوائی کو بیان کرنے کے لیے۔ پس معلوم ہوا کہ ذلت قدم کا کنایہ بری حالت کو بیان کرنے کے لئے آتا ہے اور قرآن نے بھی اس کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔ قرطبی نے بھی بیان کیاہے کہ یہ استعارہ اس مستقیم الحال آدمی کے لئے جو کسی بڑے شر میں مبتلا ہو کر اس میں گر جائے۔ وَهَذِهِ اسْتِعَارَةٌ لِلْمُسْتَقِيمِ الْحَالِ يَقَعُ فِي شَرٍّ عَظِيمٍ وَيَسْقُطُ فِيهِ[4] صاحب تفسیر مظہری نے بھی لکھاہے کہ عرب اس بندے کے لئے زلت قدمہ کی ترکیب استعمال کرتے ہیں جو عافیت کے بعد مصیبت میں پڑھ جائے یا سلامتی کے بعد تباہی میں گھر جائے۔والعرب يقول لكل مبتلى بعد عافية او ساقط فى ورطة بعد سلامة زلّت قدمه او المعنى فتزل قدم عن الصراط المستقيم[5]

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

وکیل بمعنی کفیل بطور مجاز لغوی استعمال ہوا ہے یعنی ہم نے آپ ﷺ کو ان پر کفیل بنا کر نہیں بھیجا کہ ان کی وجہ سے آپ ﷺ کا موخذاہ ہو۔[7]

---

[1] نحل:94

[2] شوکانی، فتح القدیر:3/229

[3] میدانی، مجمع الامثال:1/322

[4] قرطبی، تفسیر القرطبی:10/172

[5] مظہری، تفسیر مظہری:5/367

[6] بنی اسرائیل:54

[7] شوکانی، فتح القدیر:3/280

ذَكَرْتُ أَبَا أَرْوَى فَبِتُّ كَأَنَّنِي ... بِرَدِّ الْأُمُورِ الْمَاضِيَاتِ وَكِيلُ[1]

ترجمہ و تجزیہ

میں نے ابو عروہ کا ذکر کیا اور رات گزار دی۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میں ماضی کے معاملات کو بحال کرنے کا کفیل ہوں۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ یہاں وکیل مجازا بمعنی کفیل استعمال ہوا ہے پس معلوم ہوا لغت عرب میں وکیل بطور مجاز کفیل کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یعنی ان کا معاملہ آپ کے ذمہ کرم پہ ہو کہ آپ ان کو ایمان لانے پر مجبور کریں۔ موكولاً إليك أمرهم، فتجبرهم على الإيمان[2] اسی طرح تنویر المقباس میں بھی ہے کہ آپ ان کے کفیل نہیں ہیں کہ ان کی وجہ سے آپ کا مواخذہ ہو۔ كَفِيلا تُؤْخَذ بهم[3]

﴿وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾[4] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

ترید واحد مونث مخاطب کا صیغہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں ترید میں ضمیر کا مرجع العین ہو گا اور عبارت یوں گی مُرِيدَةً زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا۔ اور ارادہ کی اسناد عینین کی طرف بطور مجاز ہو گی۔ اور وحدت ضمیر دونوں آنکھوں کے تلازم کی وجہ سے ہو گی۔ یعنی آنکھیں ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہوتی ہیں۔[5] بلاغت کی رو سے یہ مجاز مرسل ہے اس کا علاقہ سببیت بھی ہو سکتا ہے کیونکہ آنکھ دنیاوی زیب وزینت کو دیکھنے کا سبب اور جزئیت بھی ہو سکتا ہے کیونکہ آنکھ انسان کا جزو ہے تو جزو بول کر کل مراد لیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ امْرُؤُ الْقَيْس (متوفی 545ء) کے اس شعر جاہلی میں ہے۔

لمن زحلوقة زلّ ... بِهَا الْعَيْنَانِ تَنْهَلُّ[6]

ترجمہ و تجزیہ

جس کے پاس برف کے اوپر پھسلنے والا آلہ ہے وہ اس کے ساتھ پھسل جاتا ہے آنکھیں سیر اب ہو جاتی ہیں۔ العینان تثنیہ ہے لیکن تنھل فعل واحد مونث استعمال ہوا ہے اور اس میں ضمیر لا محالہ عینان کی طرف راجع ہے

---

[1] مبرد، محمد بن یزید بن عبد الأکبر الثمالی الأزدي، التعازي والمراثي والمواعظ والوصايا (مصر: نهضة للطباعة والنشر والتوزيع)، ص 207

[2] فاسی صوفی، البحر المدید في تفسير القرآن المجيد: 3/207

[3] ابن عباس، تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس، ص 238

[4] کہف: 28

[5] شوکانی، فتح القدیر: 3/334

[6] ازدی، العمدة في محاسن الشعر وآدابه، 2/111

تلازم عینین کی وجہ سے۔ پس ثابت ہوا کہ آیت میں بھی ترید کو واحد مؤنث کا صغیہ مان کر ضمیر مؤنث کو عینان کی طرف راجع کرنا جائز ہے۔ اور بطور مجاز ارادہ کی نسبت عینین کی طرف کرنا بھی جائز ہے۔

فصل سوم: علم بدیع سے متعلق استشہاد بالشعر

علم بدیع اس علم کا نام ہے جس میں صنائع معنوی اور لفظی بیان کیے جائیں۔ یہ صنائع صرف آرائش سخن کے لیے ہوتے ہیں۔ البتہ ان کے بر محل استعمال سے کلام میں معنی خیزی اور لطافت پیدا ہو جاتی ہے، لیکن بے تکلفی سے یہ صنائع آ جائیں تو حسن کلام کا سبب بن جاتے ہیں۔ صنائع لفظی میں جناس (دو لفظوں کا تمام یا اکثر حرفوں میں یکساں ہونا اور معنی کے لحاظ سے الگ الگ ہونا)، اقتباس (نثر یا شعر میں قرآن و حدیث میں سے کوئی جملہ اس طرح استعمال کرنا کہ وہ نثر یا شعر کا حصہ لگے) اور سجع (دو جملوں کا آخری حرفوں میں موافق ہونا) شامل ہیں۔ صنائع معنوی میں توریہ (ظاہری معنی کو چھوڑ کر دوسرا ابعید معنی مراد لینا)، طباق (نثر و نظم میں دو اسم یا دو فعل ایسے لانا جن کے معنی ایک دوسرے کے مخالف ہوں)، مقابلہ (دو یا زیادہ معنوں کا ذکر کرنا پھر بالترتیب ان کے مقابل معانی کا ذکر کرنا)، حسن تعلیل (کسی چیز کی علت بیان کرنا جو در حقیقت علت نہ ہو)، تاکید المدح بمایشبہ الذم اور اس کا برعکس (مدح یا ذم بیان کر کے حرف استدراک کے ساتھ اس کی نفی کر دینا) اور اسلوب حکیم (مخاطب کو اس کے سوال سے ہٹ کر جواب دینا) شامل ہیں۔ اس فصل میں علم المعانی سے متعلق استشہاد بالشعر الجاہلی کا تذکرہ کیا جائے گا۔

﴿يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

امام شوکانی فرماتے ہیں اقامت کے اصل معنی دوام اور ثبات کے ہیں اس لئے بولا جاتا ہے کہ ''قام الشیء''یعنی فلان چیز دائم اور ثابت ہو گی۔ اس سے مراد ٹانگوں پر کھڑا ہونے والا قیام نہیں ہے۔ جس طرح بولا جاتا ہے "قام الحق"یعنی حق ظاہر اور ثابت ہو گیا[2]۔ اس آیت میں علم البدیع کا مشہور اصول توریہ استعمال کیا گیا ہے۔ نماز قائم کرنے کا قریبی اور ظاہری معنی تو یہ ہے کہ آدمی ٹانگوں پر کھڑا ہو کر قیام ور کوع و سجود کے ساتھ اسے قائم کرے لیکن مفسر کے نزدیک یہاں یہ معنی مراد نہیں ہے بلکہ اس قیام کا دوسرا خفی اور بعید معنی مراد ہے اور وہ دوام و ثبات ہے۔ اس معنی کا استدلال صاحب تفسیر فتح القدیر اس شعر سے کرتے ہیں۔

صبرا أمام إنّه شر باق... وقامت الحرب بنا على ساق [3]

ترجمہ و تجزیہ

ابھی صبر کریں کہ آگے شر (جنگ) باقی ہے درآں حالیکہ ہمارے درمیان جنگ اپنی پوری شدت کے ساتھ

---

[1] بقرہ:3

[2] شوکانی فتح القدیر:1\42

[3] نہروانی، أبو الفرج المعافی بن زکریا، الجلیس الصالح الکافی والأنیس الناصح الشافی، ص449

قائم ہو چکی ہے۔ اس شعر میں لفظ قامت ٹانگوں پر کھڑا ہونے کے قریبی اور ظاہری معنی میں استعمال نہیں ہوا بلکہ خفی اور بعید معنی یعنی جنگ کے پوری شدت کے ساتھ ثبات اور دوام کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس کی دلیل میں اعلام الحدیث کے مصنف نے حضرت ابن عباس کا درج ذیل قول نقل کیا ہے کہ عربوں میں جب پوری شدت کے ساتھ جنگ چھڑ جاتی تھی تو اس حالت کو وہ ''قامت الحرب بنا علی ساق'' سے تعبیر کرتے ہیں۔[1] پس ثابت ہوا کہ اقامت یہاں بعید اور خفی المراد معنی یعنی دوام اور ثبات میں استعمال ہوا ہے۔ اس لئے یہاں اس سے مراد ٹانگوں پر کھڑا ہونے والا قیام نہیں ہے۔

﴿وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾[2] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

صاحب تفسیر نے النہار کی تعریف کچھ یوں کی ہے طلوع فجر سے لیکر غروب شمس کے درمیانے وقت کو نہار یعنی دن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن نضر بن شمیل کے نزدیک نہار یعنی دن کا آغاز طلوع فجر سے نہیں بلکہ طلوع شمس سے ہوتا ہے اور ثعلب نے بھی اسی قول سے اتفاق کیا ہے۔ اس آیت میں لفظ اللَّيْل وَالنَّهَار ضدین کو جمع کیا گیا ہے یہ طباق ایجاب ہے۔ اس کی تائید میں امیہ بن ابی صَلت (متوفی 624ء) کے ذیل شعر سے استشہاد کیا گیا ہے۔

وَالشَّمْسُ تَطْلُعُ كُلَّ آخِرِ لَيْلَةٍ ... حَمْرَاءَ يُصْبِحُ لَوْنُهَا يَتَوَرَّدُ[3]

ترجمہ و تجزیہ

ہر زردرات کے آخر میں سورج طلوع ہوتا ہے۔ صبح کے وقت اس کا رنگ گلاب کی مانند ہو جاتا ہے۔ اس مصرعے میں شاعر سورج طلوع ہونے تک کے وقت کو لیل یعنی رات بول رہا ہے اور کہہ رہا ہے رات کے بعد سورج طلوع ہوتا ہے۔ یعنی سورج طلوع ہونے سے پہلے تک کا وقت رات کہلاتا ہے تو جو حصہ رات کہلائے وہ النہار نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے بعد وہ صبح (دن) کا ذکر کرتا ہے۔ یعنی ایک ہی شعر میں دن و رات ضدین کو بطور طباق جمع کیا گیا ہے۔ اسی طرح درج ذیل اقوال علماء بھی نہار کی مذکورہ بالا تعریف کی تائید کرتے ہیں۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ "أَوَّلُ النَّهَارِ ذُرُورُ الشَّمْسِ"[4] الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن کے مصنف فرماتے ہیں کہ أول النهار ابتداءُ طلوعِ الشمسِ[5]

---

[1] ہواری، تفسیر ہواری، إباضي: 4/123

[2] بقرہ: 164

[3] اصفہانی، أبو الفرج، الأغاني (بیروت: دار الفکر)، 4/137

[4] قرطبی، الجامع لاحکام القران: 2/191

[5] ثعالبی، الجواهر الحسان في تفسير القرآن: 1/348

﴿وَ يَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

فحش کا مادہ بے حیائی اور برے قول و فعل کا معنی دیتا ہے۔ لیکن امام شوکانی فرماتے ہیں کہ الفحشاء کا مطلب ہے "معاصی اور انفاق فی المعاصی کرنا اور انفاق فی الطاعات میں بخل کرنا۔[2] صاحب تفسیر کشاف نے تو یہ فرمایا ہے عربوں کے نزدیک الفاحش بمعنی "البخيل "استعمال ہوتا ہے۔[3] پس لفظ فحش کے دو معنی ہو گئے ایک معنی برے افعال و اقوال ہے اور یہ فوراً ذہن میں آجاتا ہے کیونکہ یامر فعل کا فاعل شیطان ہے جو برے افعال و قوال کا حکم دیتا ہے لیکن اس کا دوسرا معنی کنجوسی ہے جو بعید ہے اور بقول مفسر یہی معنی مراد ہے۔ اس اسلوب کلام کو توریہ کہا جاتا ہے۔ الفاحش بمعنی البخیل کا استشہاد **طرفہ بن العبد** (متوفی 569ء) کے درجہ ذیل شعر جاہلی سے کیا گیا ہے۔

أَرَى الْمَوْتَ يَعْتَامُ الْكِرَامَ وَيَصْطَفِي ... عَقِيلَةَ مَالِ الْفَاحِشِ الْمُتَشَدِّدِ[4]

ترجمہ و تجزیہ

میں دیکھتا ہوں کہ موت سخی آدمی کی (صرف) جان کو اختیار کرتی ہے جبکہ بخیل آدمی (کی جان کے ساتھ) اس کے بہترین مال اور گھر والوں کو چن کر فناء کر دیتی ہے۔ اس شعر میں الفاحش کا لفظ بخیل کے معنی میں استعمال ہوا ہے اس کا قرینہ عقلیہ مال ہے کیونکہ مال کا تعلق بخل کے ساتھ زیادہ ہے یعنی مال و بخل لازم و ملزوم ہیں۔ پس شعر میں بھی فاحش سے مراد بخیل ہی ہے اور یہ توریہ ہے۔ ایسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر کے مصنف فرماتے ہیں کہ "فإن الفحشاء هنا بمعنى البخل، بمنع الزكاة"۔[5] تفسیر قرطبی کے مصنف فرماتے ہیں کہ "الفحشاء فَإِنَّهُ مَنْعُ الزَّكَاةِ"۔[6]

﴿وَلِأُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ﴾[7] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ لفظ بعض کا بمعنی " الکل "استعمال ہونا بھی جائز ہے۔ بطور دلیل ابو عقیل لبید بن ربیعہ عامری (متوفی 661ء) کا یہ شعر پیش کیا ہے۔

---

[1] بقرہ:268

[2] شوکانی، فتح القدیر:1/331

[3] زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل:1/315

[4] طرفہ، دیوان طرفۃ بن العبد، ص26

[5] جزائری، ایسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر:1/144

[6] قرطبی، تفسیر قرطبی:2/210

[7] ال عمران:51

تَرَّاكُ أَمْكِنَةٍ إِذَا لَمْ أَرْضَهَا ... أَوْ يَرْتَبِطْ بَعْضَ النُّفُوسِ حِمَامُهَا[1]

وہ ایسی جگہیں چھوڑ دیتا ہے جو اسے پسند نہیں اور کچھ لوگوں کو اس کا حمام باندھ لیتا ہے۔ لیکن امام قرطبی نے اس قول سے اتفاق نہیں کیا۔ کیونکہ لفظ بعض اور جزء کل کے معنی نہیں لئے جاسکتے۔ اور دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے توراۃ کی تمام ممنوع چیزوں کو حلال نہیں کیا تھا جیسا کہ قتل، چوری اور بے حیائی۔ یہ تورات میں بھی ممنوع تھیں اور انجیل نے بھی ان کو حلال نہیں قرار دیا۔[2] لیکن یہ بات ضرور ہے کہ کبھی کبھی لفظ بعض لفظ کل کی جگہ قرینہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے[3]۔ اس آیت میں طباق کا قاعدہ استعمال ہوا ہے کیونکہ احل اور حرم دو متضاد الفاظ ایک آیت میں جمع کئے گئے ہیں۔ لفظ بعض کے لفظ کل کی جگہ استعمال ہونے کی دلیل امام شوکانی نے طرفہ بن العبد (متوفی 569ء) کے درج ذیل شعر جاہلی سے پکڑی ہے۔

أَبَا مُنْذِرٍ أَفْنَيْتَ فَاسْتَبْقِ بَعْضَنَا ... حَنَانَيْكَ بَعْضُ الشَّرِّ أَهْوَنُ مِنْ بَعْضِ[4]

ترجمہ و تجزیہ

اے ابو مندر تونے سب کو فناء کر دیا اور بعض پر تری مہربانی سبقت لے گئی لیکن حقیقت یہ ہے کہ بعض شر کل شر کے مقابلے میں ہلکا ہی ہوتا ہے۔ اصل عبارت ہے کہ "بعض الشراهون من كله" لیکن یہاں پر قرینہ کی موجودگی میں لفظ بعض کو کل کی جگہ پر استعمال کر دیا گیا۔ یعنی پہلا بعض اصل معنی میں ہے اور دوسرا بعض کل کے معنی میں ہے۔ لیکن آیت میں کوئی ایسا قرینہ نہیں ہے جس کی بناء پر یہ کہا جائے کہ وہ بعض بھی کل کے معنی میں ہے۔ امام شوکانی کے مؤقف کی تردید درج ذیل اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ صاحب تفسیر راغب اصفہانی، ابو عبیدہ کے قول مذکور کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "هذا فاسد، لأن البعض لا يكون بمعنى الكل- وعنى لبيد ببعض النفوس نفسه خاصة فعرّض.ولأن عيسى حلّل بعض المحرمات وهو الذي كانوا حرّموا على أنفسهم[5] اور امام قرطبی پہلے ہی ابو عبیدہ کے قول مذکور کو رد کر چکے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ امام شوکانی کا یہ کہنا کہ بعض کل کی جگہ استعمال ہوا ہے یہ درست نہیں ہے لیکن طباق کے استعمال والی بات تو ثابت ہے۔

---

[1] لَبید، دیوان لبید بن ربیعة العامري، ص113

[2] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن:4/96

[3] شوکانی، فتح القدیر:1/393

[4] طرفہ، دیوان طرفة بن العبد، ص53

[5] راغب اصفہانی، تفسیر راغب اصفہانی:2/579

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ ولا وصيلة﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

سَائِبَةٍ ایسا اونٹ یا جانور جسکو چھوڑ دیا جاتا تھا اس بات کی نذر کے طور پر کہ اگر فلاں شخص مرض سے ٹھیک ہو گیا یا فلاں شخص اپنی منزل پہ صحیح سلامت پہنچ گیا تو اس کو چرنے اور پانی پینے سے نہیں روکا جا سکتا تھا اور نہ ہی اس پر سواری جائز تھی۔ اور ایک قول یہ بھی ہے اس کو اللہ کے لئے چھوڑ دیا جاتا تھا اور اسکو باندھنا اور نکیل ڈالنا ممنوع خیال کیا جاتا تھا۔[2] ایک تو اس میں ایجاز قصر ہے کہ مختصر عبارت ہے مگر کثیر معانی پر دلالت کرتی ہے اور دوسرا عبارت میں بلاغت کے اصول سجع کو اپنایا گیا ہے کہ بَحِيرَة، سَائِبَة اور وصيلة کے فواصل آپس میں برابر ہیں۔ نذر کے لئے چھوڑے ہوئے اونٹ کو سائب کہنے کی دلیل درج ذیل شعر جاہلی میں موجود ہے۔

عَقَرْتُمْ نَاقَةً كَانَتْ لِرَبِّي ... مُسَيَّبَةً فَقُومُوا لِلْعِقَابِ[3]

ترجمہ و تجزیہ

تم نے ایسی اونٹی کی کونچیں کاٹ ڈالیں جو میرے رب کے لئے مُسَيَّبَة یعنی چھوڑی ہوئی تھی پس سزا کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اس شعر میں "لِرَبِّي مُسَيَّبَةً" سے واضح ہو رہا ہے کہ عرب سائبۃ سے مراد وہ اونٹنی یا جانور لیتے تھے جو رب کے لئے چھوڑا گیا ہو۔ تو آیت میں بھی یہی معنی مراد لیا جا سکتا ہے۔ لسان العرب میں ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جب کوئی بندہ سفر سے واپس آتا یا بیماری سے نجات پاتا یا کوئی جانور اس کو مصیبت یا جنگ سے بچاتا تو اعلان کرتا کہ میری اونٹنی سائبہ ہے پس اس کی پیٹھ سے فائدہ نہیں لیا جائے گا اور نہ اسکو پانی سے روکا جائے گا اور نہ اس پر سواری کی جائے گی كَانَ الرجلُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِذا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ بَعيدٍ، أَو بَرِئَ مِنْ عِلَّةٍ، أَو نَجَّتْه دابَّةٌ مِنْ مَشَقَّةٍ أَو حَرْبٍ قَالَ: نَاقَتِي سائبةٌ أَي تُسَيَّبُ فَلَا يُنْتَفَعُ بِظَهْرِهَا، وَلَا تُحَلَّأُ عَنْ ماءٍ، وَلَا تُمْنَعُ مِنْ كَلإٍ، وَلَا تُرْكَب[4] تفسیر بیضاوی میں بھی مذکور ہے کہ کوئی بندہ کہتا ہو کہ اگر مجھے شفاء مل گئی تو میری ناقہ سائبہ ہو گی اور وہ اسکو منفعت اٹھانے کی ممانعت اور حرمت میں بحیرہ کی طرح بنا دیتا تھا وكان الرجل منهم يقول إن شفيت فناقتي سائبة ويجعلها كالبحيرة في تحريم الانتفاع بها[5]

---

[1] المائدہ: 103

[2] شوکانی، فتح القدیر: 2/93

[3] ایضا

[4] ابن منظور، لسان العرب: 1/478

[5] بیضاوی، تفسیر البیضاوي: 2/372

﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

بعض مفسرین نے الاثم سے مراد شراب لی ہے لیکن اکثر مفسرین نے اس سے مراد مطلقا نافرمانی لی ہے۔[2] اس آیت میں طباق ہے۔ ماظہر اور مابطن کے الفاظ ضدین ہیں اور ان کو ایک جملے میں جمع کیا گیا ہے۔ جیسا کہ المخبّل ربیعة بن عوف بن قتال بن أنف الناقة القریعي السعدي (متوفی 637ء) کے اس شعر میں ہے۔

إِنِّي وَجَدْتُ الْأَمْرَ أَرْشَدُهُ ... تَقْوَى الْإِلَهِ وَشَرُّهُ الْإِثْمُ[3]

ترجمہ و تجزیہ

میں نے حقیقت امر کو پالیا سب سے سیدھی راہ اللہ کا تقوی اور دوسری اس کی نافرمانی ہے۔ اس شعر میں بھی ارشد اور شر کو اور تقوی اور اثم بطور طباق جمع کیا گیا ہے۔ شعر کے دوسرے مصرعے میں لفظ الاثم کا مدلول بھا مطلقا اللہ کی نافرمانی ہے اور اس کا قرینہ اس کا معطوف علیہ تقوی ہے۔ پس آیت میں بھی الاثم سے مراد مطلقا اللہ کی نافرمانی اور گناہ کا کام مراد لیا جا سکتا ہے۔ قرطبی نے بھی الاثم سے مراد تمام قسم کی نافرمانیاں لی ہیں حقيقة الإثم أنه جميع المعاصي[4] اسی طرح ایسر التفاسیر کے مفسر نے بھی اثم سے مراد ہر قسم کے گناہ بشمول شراب مراد لیتے ہیں الإثم: كل ضار قبيح من الخمر وغيرها من سائر الذنوب[5]

﴿وَقَطَّعْنَاهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ أَسْبَاطًا أُمَمًا﴾[6] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

اسباط جمع ہے سبط کی اور سبط پوتے کو کہتے ہیں اور یہاں اسباط سے مراد قبائل ہیں۔[7] یہاں اسباط بطور توریہ قبائل کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ نواح کلابی کے اس شعر میں بھی اس کی تائید موجود ہے۔

وَإِنَّ قُرَيْشًا كُلَّهَا عَشْرُ أَبْطُنٍ ... وَأَنْتَ بَرِيءٌ مِنْ قَبَائِلِهَا الْعَشْرِ[8] أَرَادَ بِالْبَطْنِ: الْقَبِيلَةَ

---

[1] اعراف:33

[2] شوکانی، فتح القدیر:2/229

[3] زمخشری، جار اللہ ربیع الأبرار ونصوص الأخیار (بیروت: مؤسسة الأعلمي 1412ھ)2/170

[4] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن:7/201

[5] جزائری، أیسر التفاسیر لکلام العلي الکبیر:2/166

[6] اعراف:160

[7] شوکانی، فتح القدیر:2/291

[8] شُرّاب، شرح الشواهد الشعرية في أمات الکتب النحوية:1/487

ترجمہ و تجزیہ

قریش سارے کے سارے دس قبائل ہیں اور آپ ان دس کے دس قبائل سے بری الذمہ ہیں۔ اس مصرعہ میں ابطن سے مراد قبائل ہیں اس طرح آیت میں بھی اسباط سے مراد قبائل ہیں۔ لسان العرب اور مختار الصحاح بھی الاسباط بمعنی قبائل پر متفق ہیں۔ الأَسْباطُ مِنْ بَنِي إِسرائيل: كَالْقَبَائِلِ مِنَ الْعَرَبِ[1] (الْأَسْبَاطُ) مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَالْقَبَائِلِ مِنَ الْعَرَبِ[2]

﴿قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ﴾[3] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

زوج کا مطلب جوڑا ہوتا ہے اور جوڑے کے ہر فرد کو زوج کہا جاتا ہے۔ مرد کو بھی زوج اور عورت کو بھی زوج کہا جاتا ہے اور مجازاً زوج کا اطلاق ضرب یعنی قسم اور صنف دونوں پر بھی ہوتا ہے۔[4] یہ توریہ ہے کیونکہ زوج ایک قریبی معنی ہے یعنی جوڑا جو فوراً ذہن میں آتا ہے لیکن مراد نہیں ہے۔ اور ایک بعید معنی ہے قسم اور صنف جو مراد ہے۔ جیسا کہ میمون بن قیس بن جندل بن شراحیل بن عوف بن سعد بن ضُبیعہ المعروف اعشیٰ قیس (متوفی 629ء) کے اس شعر جاہلی سے واضح ہوتا ہے۔

وَكُلُّ زَوْجٍ مِنَ الدِّيبَاجِ يَلْبَسُهُ ... أَبُو قُدَامَةَ مَحْبُوٌّ بِذَاكَ مَعَا[5]

ترجمہ و تجزیہ

اور ریشم کا ہر جوڑا جو وہ پہنتا ہے ابو قدامہ ان سب کو برابر پسند کرتا ہے۔ اس شعر مین زوج بمعنی صنف استعمال ہوا ہے اس سے معلوم ہوا کہ زوج بطور توریہ ضرب و صنف کے معنی میں استعمال ہوتا رہتا ہے۔ تفسیر قرطبی نے بھی اس بات کی تائید کی ہے زوجان بمعنی صنفین اور ضربین استعمال ہوتا ہے۔ وَقَدْ يَكُونُ الزَّوْجَانِ بِمَعْنَى الضَّرْبَيْنِ، وَالصِّنْفَيْنِ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ﴾[6] أَيْ مِنْ كُلِّ لَوْنٍ وَصِنْفٍ[7] تفسیر بیضاوی نے زوجین اثنین کا معنی مذکر و مونث ہر ایک صنف کیا ہے۔ معنی احمل اثنين من كل صنف ذكروصنف انثى[8]

---

[1] ابن منظور، لسان العرب: 7/310

[2] رازی، مختار الصحاح، ص 141

[3] ہود: 40

[4] شوکانی، فتح القدیر: 2/565

[5] اعشیٰ قیس، دیوان الاعشیٰ، ص 118

[6] حج: 5

[7] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن: 9/35

[8] بیضاوی، أنوار التنزیل وأسرار التأویل: 3/135

﴿مَا هَذَا بَشَراً إِنْ هَذَا إِلاَّ مَلَكٌ كَرِيمٌ﴾[1] میں استشہاد بالشعر الجاہلی

ان عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی بشریت کی نفی کی کیونکہ اس طرح کا حسن و جمال تو کسی بشر کے وہم و گمان میں بھی نہیں آیا۔ اور نہ دیکھنے والوں نے کبھی ان جیسا خوبصورت انسان، انسانوں میں دیکھا تھا تو پھر جب ان سے بشریت کی نفی کر دی تو اس ملکیت کی نسبت ان کی طرف کر دی اگرچہ ان کو فرشتوں کے بارے میں زیادہ معلوم نہ تھا لیکن چونکہ انہوں نے سن رکھا تھا کہ فرشتے ایسی مخلوق ہیں جو شکل، ذات اور صفات میں انسانوں سے اوپر کا درجہ رکھتے ہیں۔[2] یہ تاکید المدح بمایشبہ الذم کی قسم ہے۔پہلے حضرت یوسف علیہ السلام سے سرے سے صفت بشریت ہی کی نفی کر دی۔ سامع کے ذہن میں خیال گزرا کہ شاید اب کوئی ذم بیان کی جائے گی لیکن اداۃ استثنا کے بعد انکی مدح بیان کر کے انکو معزز فرشتہ ثابت کر دیا۔ اس کی تائید میں علقمہ فحل (متوفی 560ء) کا درج ذیل شعر جاہلی پیش کیا گیا ہے۔

فَلَسْتُ لِإِنْسِيٍّ وَلَكِنْ لَمَلْأَكٍ ... تَنَزَّلَ مِنْ جَوِّ السماء يصوب[3]

ترجمہ و تجزیہ

میں انسانوں کے لئے (ہر دلعزیز) نہیں ہوں بلکہ ان فرشتوں کے لئے ہوں جو برستے آسمان کی فضاؤں سے اترتے ہیں۔ اس شعر میں شاعر نے اپنے لئے پہلے بشریت یعنی انسانیت کے لئے ہونے کی نفی کی اور لکن کے بعد اسکو فرشتوں کے لئے ثابت کر دیا۔ اور یہ اسلوب علم البدیع کی زبان میں تاکید المدح بمایشبہ الذم کہلاتا ہے۔ یہی اسلوب آیت مذکورہ میں بھی اپنایا گیا ہے۔

---

[1] یوسف:31

[2] شوکانی، فتح القدیر:3/27

[3] امیل بدیع یعقوب، المعجم المفصل في شواهد العربية:1/289

خلاصہ بحث

یہ مقالہ تفسیر قرآن میں جاہلی شاعری سے استشہاد سے متعلق ہے۔اس حوالہ سے امام شوکانی کی تفسیر فتح القدیر کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اس مقالے میں استخراجی، تحقیقی اور تجزیاتی طریقہ تحقیق کو اپنایا گیا ہے۔ اس تحقیق کے بنیادی مقاصد میں تفسیر قرآن میں استشہاد بالشعر الجاہلی کی ضرورت و اہمیت کو واضح کرنا۔ تفسیر فتح القدیر کے منہج واسلوب کا جائزہ لینا،اور تفسیر فتح القدیر کے نصف اول میں جاہلی شاعری سے استشہاد کو لغوی، نحوی اور بلاغی اعتبار سے واضح کرنا شامل ہیں۔ تحقیقی کام کے آغاز سے پہلے کچھ بنیادی نوعیت کے سوالات اٹھائے گئے۔ان سوالات میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ موضوع مقالہ کا مکمل احاطہ ہو اور تفسیر فتح القدیر میں جاہلی شاعری سے استشہاد کا کوئی پہلو تشنہ نہ رہے۔ان سوالات کا خلاصہ یہ ہے کہ صاحب تفسیر فتح القدیر نے دوران تفسیر لغوی، نحوی اور بلاغی اعتبار سے کس حد تک جاہلی شاعری سے استشہاد کیا ہے اور ان جاہلی اشعار کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

مقاصد تحقیق اور سوالات تحقیق کو مد نظر رکھتے ہوئے اس مقالہ کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا باب موضوع تحقیق کے تعارف، جواز تحقیق، سابقہ تحقیقی کام جائزہ، موضوع کی انفرادیت، مقاصد تحقیق، تحقیق کے بنیادی سوالات، تحدید موضوع اور منہج تحقیق کی وضاحت کرتا ہے۔اس کے بعد ہر باب تین تین فصول پر مشتمل ہے۔ دوسرا باب تفسیر قرآن میں استشہاد بالشعر الجاہلی کی ضرورت و اہمیت کا تجزیہ کرتا ہے۔ فصل اول فتح القدیر اور مؤلف کے تعارف سے متعلق ہے۔ فصل دوم تفسیر میں استشہاد بالشعر الجاہلی کی ضرورت کو بیان کرتی ہے۔ فصل سوم تفسیر میں استشہاد بالشعر الجاہلی کی اہمیت کا تجزیہ کرتی ہے۔ باب سوم تفسیر فتح القدیر میں لغوی معنی کی وضاحت کیلئے استشہاد بالشعر الجاہلی کا احاطہ کرتا ہے۔اس سلسلے میں اسکی فصل اوّل مباحث علم القرات، فصل دوم مباحث علم الدلالہ اور فصل سوم مباحث علم الصرف کا تفصیلی جائزہ پیش کرتی ہے۔

باب چہارم میں تفسیر فتح القدیر میں نحوی قواعد کی توضیح کیلئے استشہاد بالشعر الجاہلی کا جائزہ لیا گیا ہے۔اسکی فصل اول میں مباحث مرفوعات کا، فصل دوم میں مباحث منصوبات کا اور فصل سوم میں مباحث مجرورات کا ذکر کیا گیا ہے۔اور اس مقالے کا باب پنجم بلاغی قواعد کی وضاحت کیلئے استشہاد بالشعر الجاہلی پر مشتمل ہے۔اس باب کی فصل اول مباحث علم المعانی، فصل دوم مباحث علم البیان اور فصل سوم مباحث علم البدیع کو بالتفصیل بیان کرتی ہے۔

اس بات کی ہر لحاظ سے سعی کی گئی ہے کہ تفسیر فتح القدیر کے نصف اول میں موجود تمام اشعار جاہلی کی تخریج مستند ماخذ سے ہو۔ پھر لغوی، نحوی اور بلاغی اعتبار سے ان سے استشہاد کو بیان کرتے وقت بھی مستند تفاسیر ،کتب احادیث، کتب لغت اور کتب ادب سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔ مقالہ کے اختتام پر انتہائی باریک بینی کے

ساتھ نتائج وسفارشات اور فہارس مرتب کی گئی ہیں۔ مقالہ کی تیاری میں جامعہ کے تمام ضابطوں کا خیال رکھا گیا ہے۔
اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں التجا ہے کہ اس کاوش کو قبول عام عطا فرمائے۔
آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ۔

نتائج

- ❖ اسلام میں شعر کی مطلقاً ممانعت نہیں ہے کیونکہ صحابہ کرام میں کافی تعداد میں شعراء تھے۔
- ❖ بعض آیات کی توضیح جاہلی دور کی ثقافت بذریعہ جاہلی شاعری سمجھے بغیر ممکن نہیں ہے۔
- ❖ تفسیر قران میں استشہاد بالشعر عمل صحابہ اور اجماع اُمت و اجماع جمہور مفسرین سے ثابت ہے۔
- ❖ تفسیر فتح القدیر کے پہلے پندرہ اجزاء میں لغوی معنی کی توضیح کے لئے ایک سو تراسی مقامات پر استشہاد بالشعر الجاہلی کیا گیا ہے۔
  - ▪ بیس مقامات مباحث علم القرات سے متعلق ہیں مثلا امام شوکانی فرماتے ہیں سورۃ بقرہ کی آیت 208 ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً﴾ میں لفظ "السلم" کو سین کے کسرہ اور فتح دونوں قرآتوں کے ساتھ پڑھایا گیا ہے لیکن معنی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسکا استشہاد امرؤالقیس بن عابس بن المنذر کندی (متوفی 647ء) کے درج ذیل شعر جاہلی سے پیش کیا ہے۔ دَعَوْتُ عَشِيرَتِي لِلسِّلْمِ لَمَّا ... رَأَيْتُهُمْ تولّوا مدبريناً۔
  - ▪ ایک سو اڑتیس مقامات مباحث علم الدلالہ سے متعلق ہیں مثلا سورۃ بقرۃ کی آیت 6 ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "کفر" کے لغوی معنی ''السترو التغطية'' یعنی چھپانا اور ڈھانپنا کے ہیں۔ اس معنی کی دلیل میں ابو عقیل لبید بن ربیعہ عامری (متوفی 661ء) کا درج ذیل شعر پیش کرتے ہیں۔ يَعْلُو طَرِيقَةَ مَتْنِهَا مُتَوَاتِراً فِي... لَيْلَةٍ كَفَرَ النُّجُومَ غمَامُهَا -
  - ▪ پچیس مقامات مباحث علم الصرف سے متعلق ہیں مثلا سورۃ بقرۃ کی آیت 17 ﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا﴾ میں "استوقد" بمعنی "اَوقد" استعمال ہوا ہے[1]۔ امام شوکانی نے باب استفعال کے باب افعال کے معنی میں استعمال ہونے کی دلیل کعب بن سعد غنوی (متوفی 612ء) کے اس شعر سے پکڑی ہے۔ وَدَاعٍ دَعَا يَا مَنْ يُجِيبُ إِلَى النَّدَى ... فَلَمْ يَسْتَجِبْهُ عِنْدَ ذَاكَ مُجِيبُ اور ندا دینے والے نے ندا دی کہ اے وہ جو مجلس میں آنے کی دعوت قبول کرتا ہے تو وہاں سے کسی جواب دینے والے نے اس کا جواب نہ دیا۔ اس شعر میں یستجبه، بمعنی یجبه استعمال ہوا ہے۔
- ❖ نحوی قواعد کی وضاحت کیلئے انہتر مقامات پر استشہاد بالشعر الجاہلی کیا گیا ہے۔

- اکتیس مقامات مباحث مرفوعات سے متعلق ہیں جیسا کہ سورۃ بقرۃ کی آیت 17 ﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا﴾ کی تفسیر میں مفسر فرماتے ہیں کہ "مثلهم "مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ اور اس کی خبر کاف ہے یعنی لفظ مثل کے شروع میں جو کاف آیا ہے وہی "مثلهم" کی خبر ہے۔ کیونکہ کاف یہاں بطور اسم بمعنی مثل کے استعمال ہوا ہے۔ امام شوکانی نے بطور تائید اعشی قیس (متوفی 629ء) کا درج ذیل شعر پیش کیا ہے۔أَتَنْتَهُونَ وَلَنْ يَنْهَى ذَوِي شَطَطٍ ... كَالطَّعْنِ يَذْهَبُ فِيهِ الزَّيْتُ وَالْفَتْلُ اس میں کالطعن اصل میں "مثل الطعن" اور کاف یہاں پر بطور اسم بمعنی مثل استعمال ہوا ہے۔
- چھبیس مقامات مباحث منصوبات سے متعلق ہیں جیسا کہ سورۃ بقرۃ کی آیت 114 ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ کی تفسیر میں ہیکہ یہاں شطر کو نصب دینے والا عامل اسکی حالت ظرفیت ہے ۔ اور ظرف ہمیشہ منصوب ہوتی ہے۔ اس اعرابی حالت کی دلیل مصنف علیہ الرحمہ نے ابو زنباع جذامی کے درج ذیل شعر سے پکڑی ہے۔أَقُولُ لِأُمِّ زِنْبَاعَ أَقِيمِي ... صُدُورَ الْعِيسِ شَطْرَ بَنِي تَمِيمِ ۔ یہاں شَطْرَ بَنِي تَمِيمِ کا مرکب اضافی استعمال ہوا ہے۔ اور یہاں بھی ظرفیت کی بناء پر منصوب ہے۔
- بارہ مقامات مباحث مجرورات سے متعلق ہیں جسکی ایک مثال سورۃ بقرۃ کی آیت 217 ﴿يَسْئَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ﴾ میں ہے-امام شوکانی اس آیت کی تفسیر ترکیب نحوی سے شروع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قِتَالٍ فِيهِ، حالت جری میں الشَّهْرِ الْحَرَامِ سے بدل اشتمال ہے۔ یعنی اسکو جر دینے والا عامل قتال ہے کیونکہ بدل اشتمال اعراب میں اپنے مبدل منہ اسم کا تابع ہوتا ہے۔ امام شوکانیؒ نے اسکی دلیل درج ذیل شعر جاہلی سے پکڑی ہے۔فَمَا كَانَ قَيْسٌ هَلْكُهُ هَلْكَ وَاحِدٍ ... وَلَكِنَّهُ بُنْيَانُ قَوْمٍ تهدّما قیس کی ہلاکت ووفات ایک بندے کی ہلاکت نہیں بلکہ اس کی ہلاکت سے قوم کی بنیادیں ہل گئی ہیں۔ اس شعر میں لفظ ھُلکہ محل استشہاد ہے کیونکہ بدل اشتمال بن رہا ہے قیس سے۔ یعنی اسکو رفع دینے والا عامل قیس ہے کیونکہ بدل اشتمال اعراب میں اپنے مبدل منہ اسم کا تابع ہوتا ہے۔

❖ بلاغی قواعد کی وضاحت کیلئے پینسٹھ مقامات پر استشہاد بالشعر الجاہلی کیا گیا ہے۔

- سولہ مقامات مباحث علم المعانی سے تعلق رکھتے ہیں اسکی ایک مثال سورۃ بقرۃ کی آیت 280 ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾ میں ہے۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ اصل عبارت یوں ہے "اذا حضراحد كم اسباب الموت وعلاماته"۔ یعنی یہاں مضاف محذوف ہے اور مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام رکھ دیا گیا ہے۔ ایسا کرنا علم المعانی کے قاعدہ ایجاز حذف کے تحت عین بلاغت ہے۔ اس کی

نظیر میں علامہ موصوف نے عنترہ بن شداد بن العبسی المصری(608ء) کادرج ذیل شعر پیش کیا ہے۔وَإِنَّ الْمَوْتَ طَوْعُ يَدِي إذا ...ما وصلت بنانها بالهندوانی-بے شک موت(کے اسباب) میرے مطیع ہیں جب میں ہندوانی تلوار کے ساتھ اس کی انگلیوں کے پوروں تک پہنچ جاتا ہوں۔

- اکتالیس مقامات مباحث علم البیان سے تعلق رکھتے ہیں۔ سورۃ بقرۃ کی آیت46﴿الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو رَبِّهِمْ﴾ میں مفسر فرماتے ہیں کہ ظن یہاں پر یقین کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہ علم البیان کے قاعدہ مجاز لغوی کے تحت قرینہ کی موجودگی میں جائز ہے بلکہ ایسا کرنا عین بلاغت ہے۔ صاحب تفسیر فتح القدیر شعر جاہلی میں سے درید بن صمہ کا یہ شعر پیش کرتے ہیں جہاں مجاز لغوی کے قاعدہ کے تحت ظن بطور مجاز یقین کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔فَقُلْتُ لَهُمْ ظنّوا بألفي مدجّج ... سراتهم في الفارسيّ المسرّد- میں نے ان کو کہا ان کو دوہزار مسلح افراد یقین کرو اور ان کے قائدین کالے فارسی جھنڈوں کے ساتھ ہیں۔
- آٹھ مقامات مباحث علم البدیع سے متعلق ہیں۔اسکی مثال سورۃ بقرۃ کی آیت268﴿وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ﴾ ہے۔ فحش کا مادہ بے حیائی اور برے قول و فعل کا معنی دیتا ہے۔لیکن امام شوکانی فرماتے ہیں کہ الفحشاء کا مطلب ہے " معاصی اور انفاق فی المعاصی کرنا اور انفاق فی الطاعات میں بخل کرنا۔ پس لفظ فحش کے دو معنی ہو گئے ایک قریبی معنی یعنی برے افعال و اقوال ہے۔اسکا دوسرا معنی کنجوسی ہے جو بعید ہے اور بقول مفسر یہی معنی مراد ہے۔اس اسلوب کلام کو علم بدیع کی زبان میں توریہ کہا جاتا ہے۔الفاحش بمعنی البخیل کا استشہاد **طرفہ بن العبد**(متوفی569ء) کے درجہ ذیل شعر جاہلی سے کیا گیا ہے۔أَرَى الْمَوْتَ يَعْتَامُ الْكِرَامَ وَيَصْطَفِي ... عَقِيلَةَ مَالِ الْفَاحِشِ الْمُتَشَدِّدِ- میں دیکھتا ہوں کہ موت سخی آدمی کی(صرف) جان کو اختیار کرتی ہے جبکہ بخیل آدمی(کی جان کے ساتھ) اسکے بہترین مال اور گھر والوں کو چن کر فناء کر دیتی ہے۔

سفارشات

- تفسیر فتح القدیر میں کثیر تعداد میں عربی کہاوتوں کو بھی بطور استشہاد پیش کیا گیا ہے۔اس نقطہ نظر سے بھی اس پہ کام کرنے کی ضرورت ہے۔
- شعراءاسلامیین کے اشعار سے بھی کثیر تعداد میں استشہاد کیا گیا ہے۔اس حوالے سے بھی اس پہ کام کیا جاسکتا ہے۔
- اس میں کوئی شک نہیں کہ شعراءدور جاہلی کا کلام، کلام اللہ کو سمجھنے کے لئے نہایت اہمیت کا حامل ہے۔لہذا شعراء جاہلی کے دوواوین کی اردو شروحات لکھنے کی ضرورت ہے۔
- مدارس وجامعات کے طلباء پر جاہلی عربی شاعری کی اہمیت کو تفسیر قرآن میں مدد ومعاون ہونے کی حیثیت سے واضح کرنانہایت ضروری ہے۔
- تفسیر فتح القدیر کا اردو زبان میں ترجمہ موجود نہیں ہے اس پہ کام کرنے کی ضرورت ہے۔
- یہ تفسیر پاکستان میں نہیں چھپ رہی جسکی وجہ سے یہ مارکیٹ میں بمشکل دستیاب ہوتی ہے۔پاکستان کے مطبع خانوں کی توجہ اس طرف مبذول کرانے کی بھی ضرورت ہے۔

خاتمہ

- فہرست آیات
- فہرست احادیث
- فہرست اشعار
- فہرست اعلام و اماکن
- مصادر و مراجع

فہرست آیات

نمبر شمار	آیت	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
1	الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ	الفاتحہ	1	54
2	الم	البقرۃ	1	240
3	يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ	البقرۃ	3	55
4	إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ	البقرۃ	6	55
5	وَمَا يَشْعُرُونَ	البقرۃ	09	24
6	عَذَابٌ أَلِيمٌ	البقرۃ	10	27
7	إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ	البقرۃ	14	56
8	وَإِذَا خَلَوْا إِلَى شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ	البقرۃ	14	156
9	مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا	البقرۃ	17	157
10	يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ	البقرۃ	19	57
11	أَوْ كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ	البقرۃ	21	158
12	وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ	البقرۃ	30	59
13	وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً	البقرۃ	30	159
14	وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ	البقرۃ	42	60
15	أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ	البقرۃ	44	256
16	الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو رَبِّهِمْ	البقرۃ	46	255
17	وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا	البقرۃ	53	258
18	وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَاقَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ	البقرۃ	54	259
19	ثُمَّ بَعَثْنَاكُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ	البقرۃ	56	61
20	وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَى	البقرۃ	57	63
21	قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ	البقرۃ	68	64
22	لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ	البقرۃ	78	65

23	وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ	البقرة	83	206
24	وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ	البقرة	87	228
25	خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاسْمَعُوا	البقرة	93	260
26	وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ	البقرة	96	261
27	وقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا	البقرة	104	66
28	نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَإِلَهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَهًا وَاحِدًا	البقرة	133	230
29	قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا	البقرة	135	68
30	وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ	البقرة	137	69
31	وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا	البقرة	143	70
32	فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	البقرة	144	71
33	إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ	البقرة	158	72
34	فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ	البقرة	158	73
35	وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ	البقرة	164	73
36	وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ	البقرة	173	74
37	وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى	البقرة	177	229
38	يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ	البقرة	178	75
39	كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ	البقرة	180	181
40	فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا	البقرة	182	76
41	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ	البقرة	183	77
42	وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ	البقرة	125	182
43	وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى	البقرة	185	163
44	وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ	البقرة	191	164
45	وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ	البقرة	206	183

46	وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ	البقرة	207	262
47	يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً	البقرة	208	33
48	قُلْ فِيهِما إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُما أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِما	البقرة	211	79
49	يَسْئَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرامِ قِتالٍ فِيهِ قُلْ قِتالٌ فِيهِ كَبِيرٌ	البقرة	217	231
50	يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ	البقرة	219	78
51	وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ	البقرة	224	80
52	لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ	البقرة	225	81
53	فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ	البقرة	226	81
54	وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ	البقرة	228	35
55	إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ	البقرة	233	37
56	وَلَكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا	البقرة	235	263
57	يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ	البقرة	254	208
58	لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ	البقرة	255	244
59	ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا	البقرة	259	265
60	مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ	البقرة	261	82
61	وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ	البقرة	268	293
62	وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ	البقرة	270	206
63	لَايَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ	البقرة	275	265
64	وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ	البقرة	280	185
65	فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا	البقرة	282	84
66	وَلَا تَسْأَمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ	البقرة	282	247
67	رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا	البقرة	286	84
68	كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ	ال عمران	11	85

69	فبشرهم بعذاب اليم	ال عمران	21	183
70	وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ	ال عمران	14	86
71	قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ	ال عمران	26	210
72	وَلِأُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ	ال عمران	51	293
73	فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ	ال عمران	61	87
74	قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ	ال عمران	64	38
75	وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ	ال عمران	75	212
76	لَن تَنَالُواْ ٱلْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُواْ مِمَّا تُحِبُّونَ	ال عمران	92	231
77	كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ	ال عمران	110	88
78	لَيْسُوا سَوَاءً مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ	ال عمران	113	247
79	لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا	ال عمران	118	188
80	يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ	ال عمران	118	166
81	لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا	ال عمران	120	188
82	قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ	ال عمران	137	89
83	وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ	ال عمران	146	39
84	إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَى أَحَدٍ	ال عمران	153	167
85	رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا	ال عمران	191	90
86	رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ	ال عمران	192	91
87	وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا	ال عمران	195	189
88	يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا	ال عمران	200	91
89	وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ	النساء	1	213
90	وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَى أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا	النساء	2	40
91	أَوْمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ	النساء	3	269
92	ذَلِكَ أَدْنَى أَلَّا تَعُولُوا	النساء	3	92

93	وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ	النساء	24	94
94	يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ	النساء	26	214
95	وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا	النساء	30	215
96	فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا	النساء	43	94
97	وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ	النساء	79	216
98	فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ	النساء	81	95
99	وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُقِيتًا	النساء	85	96
100	وَاللَّهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوا	النساء	88	97
101	وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيئًا	النساء	112	209
102	إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَى بِهِمَا	النساء	135	209
103	فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِثْلُهُمْ	النساء	140	270
104	مُذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَلِكَ	النساء	143	97
105	وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ	النساء	162	216
106	وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ	النساء	164	217
107	يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ	المائدہ	01	41
108	وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ	المائدہ	02	218
109	فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ	المائدہ	03	98
110	وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ	المائدہ	03	42
111	وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ	المائدہ	35	99
112	فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ	المائدہ	52	190
113	إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ	المائدہ	55	17
114	يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ	المائدہ	67	17
115	إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئُونَ وَالنَّصَارَىٰ	المائدہ	69	191
116	وَحَسِبُوٓاْ أَلَّا تَكُونَ	المائدہ	71	191

117	ذَلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا	المائدہ	82	192
118	أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ	المائدہ	86	99
119	يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ	المائدہ	89	42
120	مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ	المائدہ	103	101
121	يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ	المائدہ	106	193
122	فَإِنْ عُثِرَ عَلَى أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا	المائدہ	107	102
123	قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ	المائدہ	119	193
124	وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ	الانعام	18	102
125	لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ	الانعام	42	103
126	فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا	الانعام	45	104
127	قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ	الانعام	63	104
128	قُلِ اللَّهُ يُنَجِّيكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ	الانعام	64	105
129	وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ	الانعام	68	43
130	وَذَكِّرْ بِهِ أَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ	الانعام	70	106
131	وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ	الانعام	73	106
132	عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ	الانعام	73	194
133	فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ	الانعام	76	107
134	هَذَا رَبِّي	الانعام	76	195
135	فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بازِغاً قالَ هَذَا رَبِّي	الانعام	77	216
136	وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ	الانعام	87	108
137	بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ	الانعام	101	108
138	إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ	الانعام	117	219
139	وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ	الانعام	109	196
140	وَكَذَلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ	الانعام	138	197

141	وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ	الانعام	162	44
142	وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ	الانعام	165	109
143	فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ	الاعراف	20	109
144	وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ	الاعراف	21	168
145	وَلِبَاسُ التَّقْوَى ذَلِكَ خَيْرٌ	الاعراف	26	272
146	قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ	الاعراف	33	110
147	وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ	الاعراف	33	111
148	فَهَل لَّنَا مِن شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُواْ لَنَآ أَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ	الاعراف	53	220
149	ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ	الاعراف	54	111
150	إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ	الاعراف	56	197
151	الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَأَنْ لَمْ يَغْنَوْا فِيهَا	الاعراف	92	112
152	وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ	الاعراف	130	113
153	فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ	الاعراف	150	114
154	وَقَطَّعْنَاهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ أَسْبَاطًا أُمَمًا	الاعراف	160	114
155	فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ	الاعراف	169	45
156	يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا	الاعراف	187	115
157	يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا	الاعراف	187	221
158	جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا	الاعراف	190	274
159	خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ	الاعراف	199	116
160	بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ	الاعراف	205	235
161	يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ	الانفال	01	116
162	وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ	الانفال	12	275
163	يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ	الانفال	24	169
164	وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِندَ ٱلْبَيْتِ إِلَّا مُكَآءً وَتَصْدِيَةً	الانفال	35	117

165	وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ	الانفال	41	276
166	نَكَصَ عَلَى عَقِبَيْهِ	الانفال	48	118
167	فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ	الانفال	57	118
168	فَشَرِّدْ بِهِمْ مَنْ خَلْفَهُمْ	الانفال	57	119
169	وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا	الانفال	61	120
170	مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى	الانفال	67	169
171	وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ	الانفال	75	121
172	فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ	التوبہ	2	122
173	وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ	التوبہ	5	170
174	وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ	التوبہ	28	123
175	قَاتَلَهُمُ اللَّهُ	التوبہ	30	279
176	وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ	التوبہ	32	221
177	وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ	التوبہ	34	222
178	وَلَأَوْضَعُوا خِلَالَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ	التوبہ	47	124
179	وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ	التوبہ	74	222
180	وَجَاءَ الْمُعَذِّرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ	التوبہ	90	171
181	وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ	التوبہ	111	41
182	إِنَّ ٱللَّهَ ٱشْتَرَىٰ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ ٱلْجَنَّةَ	التوبہ	111	263
183	لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ	التوبہ	110	124
184	التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ	التوبہ	112	125
185	إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ	التوبہ	114	126
186	أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ	یونس	2	280
187	هُوَالَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ	یونس	05	223

188	حَتَّى إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا	یونس	22	28
189	كَأَنْ لَمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ	یونس	24	127
190	فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ	یونس	71	224
191	ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً	یونس	71	127
192	وَأَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى وَأَخِيهِ أَنْ تَبَوَّآ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوتًا	یونس	87	128
193	رَبَّنَا لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَى أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا	یونس	88	224
194	فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ	یونس	92	281
195	وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ	ھود	17	282
196	مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَى وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ	ھود	24	235
197	فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ أَنُلْزِمُكُمُوهَا وَأَنْتُمْ لَهَا كَارِهُونَ	ھود	28	46
198	قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ	ھود	40	129
199	حَتَّى إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ	ھود	40	282
200	قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَحِمَ	ھود	43	172
201	وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ	ھود	44	129
202	أَلَا بُعْدًا لِعَادٍ قَوْمِ هُودٍ	ھود	60	130
203	فَلَمَّا رَأَى أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ	ھود	70	131
204	فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ	ھود	74	132
205	وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ	ھود	78	132
206	وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ	ھود	91	133
207	فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْلِ	ھود	81	172
208	وَإِنَّ كُلًّا لَمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ	ھود	111	28
209	أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ	یوسف	12	173
210	وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ	یوسف	20	284

211	وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا	یوسف	22	198
212	وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ	یوسف	23	46
213	قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا	یوسف	30	134
214	مَا هَذَا بَشَرًا	یوسف	31	298
215	عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ	یوسف	49	135
216	الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ	یوسف	51	174
217	وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ	یوسف	84	199
218	قَالُوا تَاللَّهِ تَفْتَأُ تَذْكُرُ يُوسُفَ	یوسف	85	200
219	تَاللَّهِ تَفْتَأُ	یوسف	85	175
220	إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ	یوسف	90	200
221	لَوْلَا أَنْ تُفَنِّدُونِ	یوسف	94	136
222	اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ	الرعد	2	236
223	وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ	الرعد	3	136
224	وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ	الرعد	10	175
225	وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتَى	الرعد	31	201
226	اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ	الرعد	31	138
227	أَفَلَمْ يَيْأَسِ الَّذِينَ آمَنُوا	الرعد	31	285
228	أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ	ابراھیم	09	202
229	مِنْ وَرَائِهِ جَهَنَّمُ	ابراھیم	16	237
230	أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ	ابراھیم	18	27
231	مَا أَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا أَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ	ابراھیم	22	176
232	تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ	ابراھیم	25	226
233	لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ	ابراھیم	43	286
234	وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ	ابراھیم	49	138

235	رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ	الحجر	1	48
236	وَجَعَلْنا لَكُمْ فِيها مَعايِشَ وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرازِقِينَ	الحجر	20	213
237	إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا	الحجر	15	139
238	قَدَّرْنَا إِنَّهَا لَمِنَ الْغَابِرِينَ	الحجر	60	140
239	إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِلْمُتَوَسِّمِينَ	الحجر	75	140
240	وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ	النحل	5	141
241	وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ	النحل	09	237
242	وَأَلْقَى فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ	النحل	15	142
243	أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَى تَخَوُّفٍ	النحل	47	142
244	ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْأَرُونَ	النحل	53	143
245	أَيُمْسِكُهُ عَلَى هُونٍ	النحل	59	49
246	نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ	النحل	66	50
247	وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَنِينَ وَحَفَدَةً	النحل	75	143
248	وَمِنْ أَصْوَافِهَا وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا أَثَاثًا	النحل	80	144
249	وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ جُلُودِ الْأَنْعَامِ بُيُوتًا تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ	النحل	80	51
250	وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ	النحل	84	145
251	فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوتِهَا	النحل	94	288
252	سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى	الاسراء	1	173
253	وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتْبِيرًا	الاسراء	7	145
254	وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا	الاسراء	16	146
255	إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا	الاسراء	31	51
256	وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَى	الاسراء	32	52
257	إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَسْحُورًا	الاسراء	47	147
258	فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ	الاسراء	51	148

259	وَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا	الاسراء	54	148
260	فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاؤُكُمْ جَزَاءً مَوْفُورًا	الاسراء	63	177
261	فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى	الاسراء	72	202
262	أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ	الاسراء	78	149
263	أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ	الكهف	9	150
264	لَقَدْ قُلْنَا إِذًا شَطَطًا	الكهف	14	150
265	وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا	الكهف	28	203
266	إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا	الكهف	29	151
267	وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ	الكهف	31	152
268	لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي	الكهف	38	204
269	يُصْبِحَ مَاؤُهَا غَوْرًا	الكهف	41	152
270	فَأَصْبَحَ هَشِيمًا تَذْرُوهُ الرِّيَاحُ	الكهف	45	153
271	فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا	الكهف	47	153
272	وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَوْبِقًا	الكهف	52	154
273	وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ	الكهف	52	155
274	فَظَنُّوا أَنَّهُمْ مُوَاقِعُوهَا	الكهف	53	255
275	لَا أَبْرَحُ حَتَّى أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ	الكهف	60	204
276	هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ	الكهف	78	193
277	إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْماً	المريم	26	77
278	لِتُحْصِنَكُم مِّنْ بَأْسِكُمْ	الانبياء	80	94
279	وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ	الحج	5	129
280	فكبكبوا	الشعراء	194	174
281	فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ ٱلْأَرْضَ	القصص	81	213
282	لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيباً	الاحزاب	6	198
283	فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ	الصافات	55	120

284	اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا	الزمر	42	256
285	حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ	الحجرات	09	81
286	لا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ	الحجرات	11	259
287	وَلا نِساءٌ مِنْ نِساءٍ	الحجرات	11	259
288	وَإِبْراهِيمَ الَّذِي وَفَّى	النجم	37	41
289	يُرِيدُونَ لِيُطْفِؤُا نُورَ اللَّهِ بِأَفْواهِهِمْ	الصف	8	214
290	وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا	الجمعۃ	11	209
291	عَابِدَاتٍ سَائِحَاتٍ	التحریم	5	280
292	إِنِّي ظَنَنْتُ أَنِّي مُلاقٍ حِسابِيَهْ	الحاقۃ	20	255
293	عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ	الحاقۃ	21	172
294	وَيُطْعِمُونَ ٱلطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ	الانسان	8	229
295	خُلِقَ مِنْ مَاءٍ دَافِقٍ	الطارق	6	172
296	والليل اذا يسر	الفجر	3	173

فہرست احادیث

نمبر شمار	متن حدیث	مصدر	صفحہ نمبر
1	أصدق كلمة قالها شاعر، كلمة لبيد: أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلُ	مسند امام احمد	29
2	قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فكيف بِنَسَبِي؟ فقال حسان: لأسلنَّكَ منهم كما تُسَلُّ الشَّعْرَةُ من العجين	مسند ابو یعلی	30
3	لَوْلَا بَنُو إِسْرَائِيلَ، لَمْ يَخْنَزِ اللَّحْمُ، وَلَمْ يَخْبُثِ الطَّعَامُ، وَلَوْلَا حَوَّاءُ، لَمْ تَخُنْ أُنْثَى زَوْجَهَا	مسند امام احمد	63
4	الطّهور شَطْرُ الْإِيمَانِ	صحیح مسلم	71
5	اللَّهُمَّ اجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ	بخاری	113
6	ان النبي صلى الله عليه و سلم كان يستعيذ من سوء القضاء وشماتة الأعداء ودرك الشقاء وجهد البلاء	سنن نسائی	114
7	مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّار	سنن ابن ماجه	128

فہرست اشعار

نمبر شمار	اشعار	شاعر	صفحہ نمبر
1	فجاؤا يهرعون إليه حت ...يَكُونُوا حَوْلَ مِنْبَرِهِ عِزِينَا	عبید بن ابرص	02
2	تخوَّف الرَّحْل مِنْهَا تامِكا قَرِدا ... كَمَا تخوَّف عودُ النَّبْعَةِ السَّفَنُ	ابو کبیر ہذلی	02
3	كأَنَّمَا ضَرَبَتْ قُدَّامَ أَعيُنِها ... قُطْنًا بِمُستحصدِ الأَوتارِ مَحْلوجِ	ابو کبیر ہذلی	27
4	وإِنِّي لَمِمَّا أُصدرُ الأمرَ وجْهَهُ ... إذا هو أعيا بالسَّبيلِ مَصادِرُهْ	مجہول	28
5	يا دارَ ميَّةَ بالعلياءِ فَالسَّنَدِ ... أَقوتْ وطالَ عليها سالفُ الأَبَدِ	نابغہ ذبیانی	28
6	دَعَوْتُ عَشِيرَتِي لِلسِّلْمِ لَمَّا ... رَأَيْتُهُمْ تولّوا مدبريناً	اخی کندہ	34
7	كَرِهْتُ الْعَقْرَ عَقْرَ بَنِي شَلِيلٍ ... إِذَا هبّت لقارئها الرّياح	عمرو بن کلثوم	35
8	وَمَا كَانَ مِنْ خَيْرٍ أَتَوْهُ فَإِنَّمَا ... تَوَارَثَهُ آبَاءُ آبَائِهِمْ قَبْلُ	زہیر بن ابی سلمی	37
9	أرُونَا سُنّةً لا عَيْبَ فيها... يُسَوّي بَيْنَنَا فِيهَا السَّوَاءُ	زہیر بن ابی سلمی	38
10	وَكَائِنْ تَرَى مِنْ مُعْجِبٍ لَكَ شَخْصُهُ ... زِيَادَتُهُ أَوْ نَقْصُهُ فِي التَّكَلُّمِ	زہیر بن ابی سلمی	39
11	فَذُوقُوا كَمَا ذُقْنَا غَدَاةَ محجّر ... من الغيظ في أكبادنا والتّحوّب	طفیل بن عوف بن کعب الغنوی	40
12	أمّا ابن طوق فَقَدْ أَوْفَى بِذِمَّتِهِ ... كَمَا وَفَى بِقِلَاصِ النَّجْمِ حَادِيهَا	طفیل ابن عوف بن کعب	41
13	مَنْ يَرْجِعِ الْعَامَ إِلَى أَهْلِهِ... فَمَا أَكِيلُ السَّبْعِ بِالرَّاجِع	حَسَّانَ	42
14	قَوْمٌ إِذَا عَقَدُوا عَقْدًا لِجَارِهِمُ ... شَدُّوا الْعِنَاجَ وشدّوا فوقه الكربا	حطیئہ	43
15	وقدْ ينسّيكَ بعضَ الحاجةِ العجلُ	راعی النمیری	44
16	سَبَقُوا هَوَيَّ وَأَعْنَقُوا لِهَوَاهُمُ ... فَتُخُرِّمُوا وَلِكُلِّ جَنْبٍ مَصْرَعُ	ہذلی	44
17	ذَهَبَ الَّذِينَ يُعَاشُ فِي أَكْنَافِهِمْ ... وَبَقِيتُ فِي خَلْفٍ كَجِلْدِ الْأَجْرَبِ	لبید بن ربیعۃ عامری	45
18	فَالْيَوْمَ أَشْرَبْ غَيْرَ مُسْتَحْقِبٍ ... إِثْمًا مِنَ اللهِ وَلَا وَاغِلِ	امرؤالقیس	46

19	لَيْسَ قَوْمِي بِالْأَبْعَدِينَ إِذَا مَا... قَالَ دَاعٍ مِنَ الْعَشِيرَةِ هَيْت	طرفہ	47
20	رُبَّمَا ضَرْبَةٍ بِسَيْفٍ صَقِيلٍ ... بَيْنَ بُصْرَى وَطَعْنَةٍ نَجْلَاءَ	عدی بن رعلاء	48
21	رُبَّ رَفْدٍ هَرَقْتَهُ ذَلِكَ الْيَوْ ... مَ وَأَسْرَى مِنْ مَعْشَرٍ أَقْيَالِ	اعشیٰ	48
22	نُهِينُ النُّفُوسَ وَهَوْنُ النُّفُو... سِ يَوْمَ الْكَرِيهَةِ أَبْقَى لَهَا	خنساء	49
23	سَقَى قَوْمِي بَنِي مَجْدٍ وَأَسْقَى ... نُمَيْرًا وَالْقَبَائِلَ مِنْ هِلَالِ	لبید	50
24	ظَعَنَ الَّذِينَ فِرَاقُهُمْ أَتَوَقَّعُ ... وَجَرَى بِبَيْنِهِمُ الْغُرَابُ الْأَبْقَعُ	عنترہ	51
25	دعيني إنما خطئي وصَوْبِي ... عليّ وإنَّ ما أنفقتُ مال	ابن غلفا ا ابن غلفا الہجیمی	52
26	كَانَتْ فَرِيضَةُ مَا تَقُولُ كَمَا ... كَانَ الزِّنَاءُ فَرِيضَةَ الرَّجْمِ	نابغہ جعدی	53
27	أرب يبول الثعلبان برأسه ... لقد ذل من بالت عليه الثعالب	دیوان عباس بن مرداس	54
28	صبرا أمام إنّه شر باق... وقامت الحرب بنا على ساق	مجہول	55
29	يَعْلُو طَرِيقَةَ مَتْنِهَا مُتَوَاتِراً فِي لَيْلَةٍ كَفَرَ النُّجُومَ غمَامُهَا	لبید بن ربیعہ	56
30	تهزأُ مِنْي أختُ آلِ طيسَلَهْ ...قالَتْ أراهُ مملقا لَا شَيْءِ لَهُ	صحیر بن عمیر	57
31	وَلَأَنْتَ تَفْرِي مَا خَلَقْتَ وَبَعْ ... ضُ الْقَوْمِ يَخْلُقُ ثُمَّ لَا يَفْرِي	زہیر بن ابی سلمی	58
32	أَقُولُ لَمَّا جَاءَنِي فَخْرُهُ... سُبْحَانَ مِنْ علقمة الفاخر	اعشیٰ قیس	59
33	ترى الجليس يقول القول تحبسه ... نصحا وهيهات ما نصحا به التمسا	خنساء	60
34	وَكَتِيبَةٍ لَبِسْتُهَا بِكَتِيبَةٍ ... حَتَّى إِذَا الْتَبَسَتْ نَفَضْتُ لَهَا يَدِي	الفرّار السّلميّ	60
35	إِذَا مَا الضَّجِيعُ ثَنَى جِيدَهَا ... تَثَنَّتْ عَلَيْهِ فكانت لباسا	نابغہ جعدی	61
36	وفتيان صِدْقٍ قَدْ بَعَثْتُ بِسُحْرَةٍ ... فَقَامُوا جَمِيعًا بَيْنَ عاث وَنَشْوَانِ	امرُؤُالقَیس	62
37	وَصَحَابَةٍ شُمِّ الْأُنُوفِ بَعَثْتُهُمْ ... لَيْلًا وَقَدْ مَالَ الْكَرَى بِطِلَاهَا	عنترۃ بن شداد	62

63	ہذلی	وَقَاسَمَهُمَا بِاللَّهِ جَهْدًا لَأَنْتُمَا ... أَلَذُّ مِنَ السَّلْوَى إِذَا مَا نشورها	38
64	روٴبہ بن عجاج	لو أشربُ السُّلوانَ ما سَلِيتُ ... ما بي غنى عَنْكِ وَإِنْ غَنِيتُ	39
65	راجز	يا بكر بكرين ويا خلب الْكَبِدِ ... أَصْبَحْتَ مِنِّي كَذِراعٍ مِنْ عَضُدِ	40
65	سوید بن عامر المصطلقی	لَا تَأْمَنَنَّ وَإِنْ أَمْسَيْتَ فِي حَرَمٍ ... حَتَّى تُلَاقِيَ مَا يُمَنِّي لَكَ الْمَانِي	41
66	امرؤالقیس	فَإِنَّكُمَا إِنْ تنْظِرَانِي سَاعَةً ... مِنَ الدّهر ينفعني لَدَى أُمِّ جُنْدَبِ	42
67	عمرو بن کلثوم	أَبَا هِنْدٍ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْنَا ... وَأَنْظِرْنَا نُخَبِّرْكَ الْيَقِينَا	43
68	ام احنف	والله لولا حنف برجله ... ما كان في فتيانكم من مثله	44
69	بشر بن ابی خازم	وَإِلَّا فَاعْلَمُوا أَنَّا وَأَنْتُمْ ... بُغَاةٌ مَا بَقِينَا فِي شقاق	45
70	بشر بن ابی خازم	هم وسط يرضى الْأَنَامُ بِحُكْمِهِمْ ... إِذَا نَزَلَتْ إِحْدَى اللَّيَالِي بِمُعَظَّمِ	46
207	ابوزنباع الجزامی	أَقُولُ لِأُمِّ زِنْبَاعَ أَقِيمِي ... صُدُورَ الْعِيسِ شَطْرَ بَنِي تَمِيمِ	47
208	اَسعر جعفي	أَلَا مِنْ مُبَلِّغٍ عَمْرًا رَسُولًا ... وَمَا تُغْنِي الرِّسَالَةُ شَطْرَ عَمْرِو	48
71	عنترہ بن شداد	إِنِّي امْرُؤٌ مِنْ خَيْرِ عَبْسٍ مَنْصِبًا ... شَطْرِي وَأَحْمِي سَائِرِي بِالْمُنْصُلِ	49

50	حَتَّى كَأَنِّي لِلْحَوَادِثِ مَرْوَةٌ ... بِصَفَا المشقّر كُلَّ يَوْمٍ تُقْرَعُ	ہذلی	72
51	فأشهد من عوف حلولا كَثِيرَةً ... يَحُجُّونَ سَبَّ الزِّبْرِقَانِ الْمُزَعْفَرَا	مبحل سعدی	73
52	وَالشَّمْسُ تَطْلُعُ كُلَّ آخِرِ لَيْلَةٍ ... حَمْرَاءَ يُصْبِحُ لَوْنُهَا يَتَوَرَّدُ	امیہ بن ابو صلت	74
53	أَوْ دُرَّةٍ صَدَفِيَّةٍ غَوَّاصُهَا ... بَهِجٌ مَتَى يَرَهَا يُهِلَّ وَيَسْجُدِ	نابغہ ذبیانی	75
54	كُتِبَ الْقَتْلُ وَالْقِتَالُ عَلَيْنَا ... وَعَلَى الْغَانِيَاتِ جَرُّ الذُّيُولِ	عمر بن اَبی ربیعہ	76
55	تَجَانَفُ عَنْ حجر اليمامة ناقتي ... وَمَا قَصَدْتُ مِنْ أَهْلِهَا لِسوائِكَا	اعشی قیس	76
56	إِنِّي امْرُؤٌ مَنَعَتْ أَرُومَةُ عَامِرٍ ... ضَيْمِي وَقَدْ جَنَفَتْ عَلَيَّ خُصُومِي	لَبید بن ربیعہ	76
57	يعطى بها ثمنا فيمنعها ... ويقول صاحبها أَلَا تَشْرِي	مسیب بن علس	263
58	أَلَا يَا زَيْدُ وَالضَّحَّاكُ سِيرَا ... فَقَدْ جَاوَزْتُمَا خَمَرَ الطَّرِيقِ: جَاوَزْتُمَا الْوَهْدَ	غیر منسوب	78
59	فإذا شَرِبْتُ فَإِنَّنِي ... رَبُّ الْخَوَرْنَقِ وَالسَّدِيرِ وَإِذَا صَحَوْتُ فَإِنَّنِي ... رَبُّ الشُّوَيْهَةِ وَالْبَعِيرِ	مبحل یشکری	79
60	وَنَشْرَبُهَا فَتَتْرُكُنَا مُلُوكًا ... وَأُسْدًا مَا يُنَهْنِهُنَا اللِّقَاءُ	مبحل یشکری	79
61	وَلَا أُعْطِي بِهَا ثَمَنًا حَيَاتِي ... وَلَا أَدْعُو لَهَا أَبَدًا نَدِيمَا	عفیف صفوان بن امیہ کنانی	80
62	وأدماء مثل الفحل يَوْمًا عَرضتُهَا ... لِرَحْلِي وَفِيهَا هِزَّةٌ وَتَقَاذُفُ	اوس بن حجر	80
63	وَرُبَّ أَسْرَابِ حَجِيجٍ كُظَّمِ ... عَنِ اللَّغَا ورفث التّكلّم	عجاج	81
64	فَفَاءَتْ وَلَمْ تَقْضِ الَّذِي أَقْبَلَتْ لَهُ ... وَمِنْ حَاجَةِ الْإِنْسَانِ مَا لَيْسَ قَاضِيَا	سحیم عبد بنی حسحاس	82

65	آلَيْتُ حَبَّ الْعِرَاقِ الدَّهْرَ أَطْعَمُهُ ... وَالْحَبُّ يَأْكُلُهُ فِي الْقَرْيَةِ السُّوسُ	متلمس	83
66	أَرَى الْمَوْتَ يَعْتَامُ الْكِرَامَ وَيَصْطَفِي ... عَقِيلَةَ مَالِ الْفَاحِشِ الْمُتَشَدِّدِ	طرفہ	293
67	نَخَافُ أَنْ تَسْفَهَ أَحْلَامُنَا ... وَنَجْهَلَ الدَّهْرَ مَعَ الْجَاهِلِ	ربیع بن ابی حقیق	84
68	سَئِمْتُ تَكَالِيفَ الْحَيَاةِ وَمَنْ يَعِشْ ... ثَمَانِينَ حَوْلًا لَا أَبَا لَكَ يَسْأَمِ	زہیر بن ابی سلمی	247
69	يَا مَانِعَ الضَّيْمِ أَنْ تَغْشَى سَرَاتَهُمُ ... وَالْحَامِلَ الإصر عنهم بعد ما غَرِقُوا	نابغہ ذبیانی	85
70	كَدَأْبِكَ مِنْ أُمِّ الْحُوَيْرِثِ قَبْلَهَا ... وَجَارَتِهَا أُمِّ الرَّبَابِ بمأسل	امرُؤُالقَیس	86
71	وَقَدْ طَوَّفْتُ فِي الْآفَاقِ حَتَّى ... رَضِيتُ مِنَ الْغَنِيمَةِ بِالْإِيَابِ	مرُؤُالقَیس	86
72	فِي كُهُولٍ سَادَةٍ مِنْ قَوْمِهِ ... نَظَرَ الدَّهْرُ إِلَيْهِمْ فَابْتَهَلْ	لَبید	87
73	حَلَفْتُ فَلَمْ أَتْرُكْ لِنَفْسِكَ رِيبَةً ... وَهَلْ يَأْثَمَنْ ذُو أُمَّةٍ وَهُوَ طَائِعُ	نابغة ذبیانی	88
74	وَمَا الْمَرْءُ مَا دَامَتْ حَشَاشَةُ نَفْسِهِ ... بِمُدْرِكِ أَطْرَافِ الْخُطُوبِ وَلَا آلِ	امرُؤُالقَیس	88
75	أَبَنِي لُبَيْنَى لَسْتُمْ بِيَدٍ ... إِلَّا يَدًا مَخْبُولَةَ الْعَضُدِ	اوس بن حجر	89
76	مِنْ مَعْشَرٍ سَنَّتْ لَهُمْ آبَاؤُهُمْ ... وَلِكُلِّ قوم سنّة وإمامها	َلبید بن ربیعہ العامري	90
77	أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهَ بَاطِلُ	لبید بن ربیعہ	90
78	أَخْزَى الْإِلَهُ بَنِي الصَّلِيبِ عُنَيْزَةً ... وَاللَّابِسِينَ مَلَابِسَ الرُّهْبَانِ	مجہول	91
79	فَلَمْ أَرَ حَيًّا صَابَرُوا مِثْلَ صَبْرِنَا ... وَلَا كَافَحُوا مِثْلَ الَّذِينَ نُكَافِحُ	عنترۃ بن شداد	91
80	بِمِيزَانِ صِدْقٍ لَا يَغُلُّ شَعِيرَةً ... لَهُ شَاهِدٌ مِنْ نَفْسِهِ غَيْرُ عَائِلِ	ابو طالب رضی اللہ عنہ	92
81	وَمَا يَدْرِي الْفَقِيرُ مَتَى غِنَاهُ ... وَمَا يَدْرِي الْغَنِيُّ مَتَى يَعِيلُ	امرؤالقیس	93
82	وَإِنَّ الْمَوْتَ يَأْخُذُ كُلَّ حَيٍّ ... بِلَا شَكٍّ وَإِنْ أَمْشَى وَعَالَا	اَبو عمر الدوری	93
83	حَصَانٌ رَزَانٌ مَا تَزِنُّ بِرِيبَةٍ ... وَتُصْبِحُ غَرْثَى مِنْ لُحُومِ الْغَوَافِلِ	حسان	94
84	تَيَمَّمْتُهَا مِنْ أَذْرِعَاتٍ وَأَهْلُهَا ... بِيَثْرِبَ أَدْنَى دَارِهَا نَظَرٌ عَالِ	امرؤالقیس	95
85	تَيَمَّمَتِ الْعَيْنُ الَّتِي عِنْدَ ضَارِجٍ ... يَفِيءُ عَلَيْهَا الظِّلُّ عَرْمَضُهَا طامي	امرُؤالقَیس	95
86	آتَوْنِي فَلَمْ أَرْضَ مَا بَيَّتُوا ... وَكَانُوا أَتَوْنِي بِأَمْرٍ نُكُرْ	عبیدہ بن ہمام	95

87	آلِيَ الْفَضْلُ أَمْ عَلَيَّ إِذَا حُو ... سِبْتُ إِنِّي عَلَى الْحِسَابِ مُقِيتُ	سموأل بن عادياء	96
88	أُرْكِسُوا فِي فتنة مُظْلِمَةٍ ... كَسَوَادِ اللَّيْلِ يَتْلُوهَا فِتَن	عَبدُاللّٰہ بن رَواحَۃ	97
89	أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَعْطَاكَ سُورَةً ... تَرَى كُلَّ مَلِكٍ دُونَهَا يَتَذَبْذَبُ	نابغہ ذبیانی	97
90	تبيتون في المشتى ملاء بُطُونُكُمْ ... وَجَارَاتُكُمْ غَرْثَى يَبِتْنَ خَمَائِصَا	علقمہ بن علاثہ	98
91	والحرب لا يبقى لجا ... حمها التّخيّل والمراح	سعد بن مالک بن ضبیعہ	99
92	عَقَرْتُمْ نَاقَةً كَانَتْ لِرَبِّي ... مُسَيَّبَةً فَقُومُوا لِلْعِقَابِ	مجہول	101
93	بذات لوث عفرناة إذا عثرت ... فالتّعس أدنى لَهَا مِنْ أَنْ أَقُولَ لَعَا	اَعشیٰ قیس،	102
94	تَمَنَّى حُصَيْنٌ أَنْ يسود جذاعه ... فَأَمْسَى حُصَيْنٌ قَدْ أَذَلَّ وَأَقْهَرَا	مخبّل سعدي	102
95	لِيَبْكِ يَزِيدَ ضَارِعٌ لِخُصُومَةٍ ... وَمُخْتَبِطٌ مِمَّا تُطِيحُ الطَّوَائِحُ	لَبید،	103
96	فَأُهْلِكُوا بِعَذَابٍ حَصَّ دَابِرَهُمْ ... فَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ صَرْفًا وَلَا انْتَصَرُوا	امیہ بن ابو الصلت	104
97	بَنِي أَسَدٍ هَلْ تَعْلَمُونَ بَلَاءَنَا ... إِذَا كَانَ يَوْمٌ ذُو كَوَاكِبَ أَشْنَعَا	عمرو بن شأس	105
98	وَمَكْرُوبٌ كَشَفْتُ الْكَرْبَ عَنْهُ ... بِطَعْنَةِ فَيْصَلٍ لَمَّا دَعَانِي	عنترۃ،	105
99	وَنَحْنُ رَهَنَّا بِالْأَفَاقَةِ عَامِرًا ... بِمَا كَانَ فِي الدَّرْدَاءِ رَهْنًا فَأُبْسِلَا	نابغۃ الجعدي	106
100	لَقَدْ نَطَحْنَاهُمْ غَدَاةَ الْجَمْعَيْنِ ... نَطْحًا شَدِيدًا لَا كَنَطْحِ الصُّورَيْنِ	راجز ہذلی	106
101	وَلَوْلَا جَنَانُ اللَّيْلِ أَدْرَكَ رَكْضَنَا ... بِذِي الرِّمْثِ وَالْأَرْطِي عِيَاضُ بْنُ ناشب	درید بن الصمۃ،	107
102	نَفَى الذَّمَّ عَنْ آلِ المحلَّقِ جَفنَةٌ ... كَجابيَةِ الشَّيْخِ العِرَاقِيِّ تَفْهَقُ	اَعشیٰ قیس،	108
103	أَمِنْ رَيْحَانَةَ الدّاعي السّميع ... يورّقني وَأَصْحَابِي هُجُوعُ	عمرو بن معدي کرب	108
104	تصيبهم وَتُخْطِئُنِي الْمَنَايَا ... وَأَخْلُفُ فِي رُبُوعٍ عَنْ رُبُوعِ	شماخ بن ضرار	109
105	تَسْمَعُ لِلْحَلْيِ وَسَوَاسًا إِذَا انْصَرَفَتْ	اَعشیٰ قیس	110
106	إِنِّي وَجَدْتُ الْأَمْرَ أَرْشَدُهُ ... تَقْوَى الْإِلَهِ وَشَرُّهُ الْإِثْمُ	مخبل	110
107	الْيَوْمَ يَبْدُو بَعْضُهُ أَوْ كُلُّهُ ... وَمَا بَدَا مِنْهُ فَلَا أُحِلُّهُ	ضباعہ بنت عامر بن قرط	111
108	تَدَارَكْتُمَا عَبْسًا وقد ثلّ عرشها ... وذبيان إذ زلّت بأقدامها النَّعْلُ	زہیر	112
109	إِنْ يَقْتُلُوكَ فَقَدْ ثَلَلْتَ عُرُوشَهُمْ ... بعتيبة بن الحرث بْنِ شِهَابِ	ربیعۃ بن ذوابہ	112

110	غَنِينَا زمانا بالتّصعلك والغنى ... كما الدّهر في أيامه العسر واليسر	حاتم طائی	113
111	وَرِجَالُ مَكَّةَ مُسْنِتُونَ عِجَافُ	مطرود بن کعب خزاعی	113
112	فَقُلْ لِلشَّامِتِينَ بِنَا أَفِيقُوا ... سَيَلْقَى الشَّامِتُونَ كَمَا لَقِينَا	اکثم بن صیفی تمیمی	114
113	فإن كلابا هذا عشرُ أبطنٍ ... وأنت بريء من قبائلها العشرِ	نواح کلابی	115
114	فَإِنْ تَسْأَلِي عَنِّي فَيَا رُبَّ سَائِلٍ ... حَفِيٍّ عَنِ الْأَعْشَى بِهِ حَيْثُ أَصْعَدَا	اَعشی قیس	115
115	مَنْ يَفْعَلِ الْخَيْرَ لَا يَعْدَمْ جَوَازِيَهُ ... لَا يَذْهَبُ الْعُرْفُ بَيْنَ اللهِ وَالنَّاسِ	حطیئۃ	116
116	انَّا إِذَا احْمَرَّ الْوَغَى نَرْوِي الْقَنَا ... وَنَعُفُّ عِنْدَ مَقَاسِمِ الْأَنْفَالِ	عنترہ	116
117	وحليل غانية تركت مجدّلا ... تَمْكُو فَرِيصَتُهُ كَشِدْقِ الْأَعْلَمِ	عنترہ	117
118	وَظَلُّوا جَمِيعًا لَهُمْ ضَجَّةٌ ... مُكَاءٌ لَدَى الْبَيْتِ بِالتَّصْدِيَةِ	مجہول	117
119	تدعو قعينا وقد عضّ الحديد بها ... عضّ الثِّقَافِ عَلَى صُمِّ الْأَنَابِيبِ	نابغہ ذبیانی،	119
120	أَطُوفُ في الأباطح كلّ يوم ... مخافة أن يشرّد بي حَكِيمٌ	مجہول	119
121	فَاضْرِبْ وُجُوهَ الْغُدَّرِ الْأَعْدَاءِ ... حتّى يجيبوك إلى السّواء	عمرو بن ربیعہ	120
122	جَوَانِحُ قَدْ أَيْقَنَّ أَنَّ قَبِيلَهُ ... إِذَا مَا الْتَقَى الْجَمْعَانِ أَوَّلَ غَالِبِ	نابغہ ذبیانی،	121
123	ظَلَّتْ سُيُوفُ بَنِي أَبِيهِ تَنُوشُهُ ... لِلَّهِ أَرْحَامٌ هُنَاكَ تَشَقَّقُ	قتیلہ بنت نضر بن حارث	121
124	لَوْ خِفْتُ هَذَا مِنْكَ مَا نِلْتَنِي ... حَتَّى تَرَى أَمَامِي تَسِيحُ الثَّانِيَةُ	قتیلہ بن حارث	122
125	لَعَمْرُكَ أَنَّ إِلَّكَ مِنْ قُرَيْشٍ ... كَإِلِّ السَّقْبِ من رأل النَّعَامِ	حسان	123
126	يَا لَيْتَنِي فِيهَا جَذَعْ ... أَخُبُّ فِيهَا وَأَضَعْ	درید بن الصمۃ	124
127	حَلَفْتُ فَلَمْ أَتْرُكْ لِنَفْسِكَ رِيبَةً ... وَلَيْسَ وَرَاءَ اللهِ لِلْمَرْءِ مَذْهَبُ	نابغہ ذبیانی،	125
128	إِذَا مَا قُمْتُ أَرْحَلُهَا بِلَيْلٍ ... تأوّه آهة الرّجل الحزين	مُثَقَّب العائذ بن محصن بن ثعلبۃ	126

129	لَكُمْ قَدَمٌ لَا يُنْكِرُ النَّاسُ أَنَّهَا ... مَعَ الْحَسَبِ الْعَالِي طَمَتْ عَلَى الْبَحْرِ	غیلان بن عقبۃ بن نُھیس	280
130	وَغَنِيْتُ سَبْتًا قَبْلَ مُجْرَى دَاحِسٍ ... لَوْ كَانَ لِلنَّفْسِ اللَّجُوجِ خُلُودُ	لَبید	127
131	لَعَمْرُكَ مَا أَمْرِي عَلَيَّ بِغُمَّةٍ ... نَهَارِي وَلَا لَيْلِي عَلَيَّ بِسَرْمَدِ	طرفہ	127
132	نَحْنُ بَنُو عَدْنَانَ لَيْسَ شَكٌّ ... تَبَوَّأَ الْمَجْدُ بِنَا وَالْمُلْكُ	راجز	128
133	تَرَى الْأَبْدَانَ فِيهَا مُسْبَغَاتٍ ... عَلَى الْأَبْطَالِ وَالْيَلَبَ الْحَصِينَا	کعب بن مالک	281
134	وَمَضَى نِسَاؤُهُمُ بِكُلِّ مَفَاضَةٍ ... جَدْلَاءَ سَابِغَةٍ وَبِالْأَبْدَانِ	عمرو بن معدیکرب	281
135	وَكُلُّ زَوْجٍ مِنَ الدِّيبَاجِ يَلْبَسُهُ ... أَبُو قُدَامَةَ مَحْبُوٌّ بِذَاكَ مَعَا	اَعشیٰ قیس	129
136	سُبْحَانَهُ ثُمَّ سُبْحَانًا يَعُودُ لَهُ ... وَقَبْلَنَا سَبَّحَ الْجُودِيُّ وَالْجَمَدُ	امیہ بن ابی صلت	130
137	إِنِّي كَبِيرٌ لَا أُطِيقُ الْعُنَّدَا	راجز ہذلی	130
138	لَا يَبْعَدَنَّ قَوْمِي الَّذِينَ هُمْ ... سُمُّ الْعُدَاةِ وَآفَةُ الْجُزُرِ	خرنق بنت ہفان	131
139	فلا تبعدنْ، إنّ المنيةَ موعدٌ... و كلُّ امرئٍ، يوماً، به الحالُ زائلُ	نابغہ ذبیانی	131
140	وَأَنْكَرَتْنِي وَمَا كَانَ الَّذِي نَكِرَتْ ... مِنَ الْحَوَادِثِ إِلَّا الشَّيْبَ وَالصَّلَعَا	اَعشیٰ قیس	131
141	فَارْتَاعَ مِنْ صَوْتِ كَلَّابٍ فَبَاتَ لَهُ ... طَوْعَ الشَّوَامِتِ مِنْ خوف ومن صرد	نابغہ ذبیانی	132
142	فجاؤُوا يُهْرَعُونَ، وهُمْ أُسارَى، ... يَقُودُهُمُ عَلَى رَغمِ الأُنُوفِ	مہلہل، عدي بن ربیعۃ بن الحارث بن مرۃ	133
143	تراجمنا بصدر القَوْل حَتَّى ... نصير كأننا فرسا رهان	نابغہ جعدی	133
144	فَلَمَّا شَرَاهَا فَاضَتِ الْعَيْنُ عَبْرَةً	الشماخ بن ضرار	284
145	يَتْبَعُهَا وَهِيَ لَهُ شَغَافٌ	مجہول	134
146	أَتَقْتُلُنِي مَنْ قَدْ شَغَفْتُ فُؤَادَهَا ... كَمَا شَغَفَ المهنوءة الرجل الطّالي	امرُؤُالقَیس	134
147	صَادِيًا يَسْتَغِيثُ غَيْرَ مُغَاثٍ ... وَلَقَدْ كَانَ عُصْرَةَ الْمَنْجُودِ	طائی اَبوزبید	135
148	إلاّ سليمانَ، إذ قالَ الإلهُ لهُ... قُمْ فِي الْبَرِيَّةِ فَاحْدُدْهَا عَنِ الْفَنَدِ	نابغہ ذبیانی	136
149	فَصَبَرَتْ عَارِفَةً لِذَلِكَ حُرَّةً ... تَرْسُو إِذَا نَفْسُ الْجَبَانِ تَطَلَّعُ	عنترہ	137
150	أَفْنَى تِلَادِي وَمَا جَمَّعْتُ مِنْ نَشَبٍ ... قَرْعُ القواقيز أَفْوَاهَ الْأَبَارِيقِ	اَقیشر سعدی	137

151	هُوَ الجلاء الذي يجتثّ أصلكم ... فمن رأى مثل ذا رأياً ومن سمعا	لَقیطِ بن یَعمُر بن خارجہ اِیادی	138
152	فَآبُوا بِالنِّهَابِ وَبِالسَّبَايَا ...وَأُبْنَا بِالملُوْكِ مُصَفَّدِيْنَا	عمرو بن کلثوم	139
153	وَطَلَعَتْ شَمْسٌ عَلَيْهَا مِغْفَرُ ... وَجَعَلَتْ عَيْنُ الحَرُورِ تَسْكَر	جندل بن المثنی	139
154	تُزادُ لياليَّ في طولِها... فَلَيْسَتْ بِطَلْقٍ وَلَا سَاكِرَهْ	أوس بن حجر	139
155	لَا تَكْسَعِ الشَّوْلَ بِأَغْبَارِهَا ... إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَنِ النَّاتِجُ	حارث بن حلّزۃ	140
156	وفيهن ملهى، للطيفِ، ومنظرٌ... أنيقٌ لعينِ الناظرِ، المتوسمِ	زہیر	141
157	أو كلّما وَرَدَتْ عُكَاظَ قَبِيلَةٌ ... بَعَثُوا إِلَيَّ عَرِيفَهُمْ يَتَوَسَّمُ	طریف عنبری	141
158	وَكَانَتْ لَا يَزَالُ بِهَا أَنِيسٌ ... خِلَالَ مُرُوجِهَا نَعَمٌ وَشَاءُ	حسان	141
159	عُذافِرَةٌ تَقَمَّصُ بالرُّدافَى ... تَخَوَّنَهَا نُزُولِي وارْتِحَالي	لَبید	142
160	فَطَافَتْ ثَلَاثًا بَيْنَ يَوْمٍ وليلة ... وكان النّكير أن تضيف وَتَجْأَرَا	نابغہ جعدی	143
161	فَلَوْ أَنَّ نَفْسِي طَاوَعَتْنِي لَأَصْبَحَتْ ... لَهَا حَفَدٌ مِمَّا يُعَدُّ كَثِيرُ	عبادہ بن صامت	144
162	وَفَرْعٌ يُزِينُ الْمَتْنَ أَسْوَدُ فَاحِمٍ ... أَثِيثٌ كَقِنْوِ النَّخْلَةِ الْمُتَعَثْكِلِ	امرئ القیس	144
163	فإن أك مظلوماً فعبد ظلمته ... وإن تك ذا عتبى فمثلك يعتب	نابغہ	145
164	فَمَا النَّاسُ إِلَّا عَامِلَانِ فَعَامِلٌ ... يُتَبِّرُ مَا يَبْنِي وَآخَرُ رَافِعُ	لَبید	146
165	إِنْ يَغْبِطُوا يَهْبِطُوا وَإِنْ أَمِرُوا ... يوما يصيروا للهلك والنّكد	لبید	146
166	أَرَانَا موضعين لأمر غيب ... ونسحر بالطّعام وبالشّراب	امرُؤُ القَیس	147
167	أنغض نحوي رأسه وأقنعا ... كأنه يطلب شيئا أنفعا	زہیر بن ابی سلمی	148
168	ذَكَرْتُ أَبَا أَرْوَى فَبِتُّ كَأَنَّنِي ... بِرَدِّ الْأُمُورِ الْمَاضِيَاتِ وَكِيلُ	شنفران سلامانی	148
169	ظلَّت تجوب يداها وهي لاهيةٌ ... حتَّى إذا جنَح الإظلامُ والغَسَقُ	زہیر بن ابی سلمی	149
170	ومستقرّ المصحف المرقّم	العجاج	150
171	أَتَنْتَهُونَ وَلَنْ يَنْهَى ذَوِي شَطَطٍ ... كَالطَّعْنِ يَذْهَبُ فِيهِ الزَّيْتُ وَالْفَتْلُ	اَعشیٰ قیس	150
172	هُوَ الْمُدْخِلُ النُّعْمَانَ بَيْتًا سَمَاؤُهُ ... صُدُورُ الْفُيُولِ بَعْدَ بيت مسردق	سلامہ بن جندل	151

173	وَإِسْتَبْرَقُ الدِّيبَاجِ طَوْرًا لِبَاسُهَا	عمرو بن سعد بن ضبیعہ	152
174	هَلِ الدَّهْرُ إِلَّا لَيْلَةٌ وَنَهَارُهَا ... وَإِلَّا طُلُوعُ الشَّمْسِ ثُمَّ غِيَارُهَا	ابو ذؤیب ہذلی	152
175	غَادَرْتُهُ مُتَعَفِّرًا أَوْصَالُهُ ... وَالْقَوْمُ بَيْنَ مُجَرَّحٍ وَمُجَنْدَل	عنترۃ،	154
176	وَمَنْ يَشْتَرِي حُسْنَ الثَّنَاءِ بِمَالِهِ ... يَصُنْ عِرْضَهُ عَنْ كُلِّ شَنْعَاءَ مَوْبِقِ	زہیر بن ابی سلمی	154
177	أَبَا مُنْذِرٍ رُمْتَ الْوَفَاءَ فَهِبْتَهُ ... وَحِدْتَ كَمَا حَادَ الْبَعِيرُ عَنِ الدَّحْضِ	طرفہ	155
178	ودَاعٍ دَعَا يَا مَنْ يُجِيبُ إِلَى النَّدَى ... فَلَمْ يَسْتَجِبْهُ عِنْدَ ذَاكَ مُجِيبُ	کعب بن سعد غنوی	158
179	فَلَا تَعْدِلِي بَيْنِي وَبَيْنَ مُغَمَّرٍ ... سقتك روايا المزن حَيْثُ تَصُوبُ	علقمہ الفحل	158
180	وَغُلَامٍ أَرْسَلَتْهُ أُمُّهُ ... بِأَلُوكٍ فَبَذَلْنَا مَا سَأَلْ	لَبِید	160
181	أَبْلِغِ النُّعْمَانَ عَنِّي مَأْلُكًا ... إِنَّنِي قَدْ طَالَ حَبْسِي وانتظاري	عدي بن زید	160
182	وفيهم مقامات حسان وجوههم ... وَأَنْدِيَةٌ يَنْتَابُهَا الْقَوْلُ وَالْفِعْلُ	زہیر بن ابی سلمیٰ	163
183	ضَحَّوْا بِأَشْمَطَ عُنْوَانُ السُّجُودِ بِهِ ... يُقَطِّعُ اللَّيْلَ تَسْبِيحًا وَقُرْآنًا	حسان،	164
184	فَإِمَّا يَثْقَفَنَّ بَنِي لُؤَيٍّ ... جذيمَةُ إِنَّ قَتْلَهُمْ شِفَاءُ	حسان	165
185	وَهُمْ خُلَصَائِي كُلُّهُمْ وَبِطَانَتِي ... وَهُمْ عَيْبَتِي مِنْ دُونِ كُلِّ قَرِيبِ	مجہول	166
186	أَلَا أَيُّهَذَا السَّائِلِي أَيْنَ أَصْعَدَتْ ... فَإِنَّ لَهَا مِنْ بَطْنِ يَثْرِبَ مَوْعِدَا	اَعشی قیس	167
187	وقاسمها بِاللَّهِ جَهْدًا لَأَنْتُمَا ... أَلَذُّ مِنَ السَّلْوَى إِذَا ما نَشُورُهَا	خالد بن زہیر	168
188	وقيّدني الشّعر في بيته ... كما قيّد الْأَسَرَاتُ الْحِمَارَا	الاعشی	170
189	وَلَقَدْ عَلِمْتُ وَمَا إِخَالُكَ عَالِمًا ... أَنَّ المنيّة للفتى بالمرصد	عامر بن طفیل	170
190	أَعَاذِلَ إِنَّ الْجَهْلَ مِنْ لَذَّةِ الْفَتَى ... وَإِنَّ المنايا للنفوس بمرصد	عدی بن زید عبادی	171
191	إِلَى الْحَوْلِ ثُمَّ اسْمُ السَّلَامِ عَلَيْكُمَا ... وَمَنْ يَبْكِ حَوْلًا كَامِلًا فَقَدِ اعْتَذَرْ	لَبِید	171
192	دع المكارم لا ترحل لبغيها... وَاقْعُدْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الطَّاعِمُ الْكَاسِي	حطیئہ	172
193	حَيُّ النّضيرة ربّة الخدر ... أسرت إليك وَلَمْ تَكُنْ تَسْرِي	حسان	173
194	تَرْتَعُ مَا رَتَعَتْ حَتَّى إِذَا ادَّكَرَتْ ... فَإِنَّمَا هِيَ إِقْبَالٌ وَإِدْبَارُ	خنساء	173
195	قَدْ حَصَّتِ الْبَيْضَةُ رَأْسِي فَمَا ... أَطْعَمُ نَوْمًا غَيْرَ تَهْجَاعِ	ابو قیس بن السلت	174

196	فَمَا فَتِئْتُ حَتَّى كَأَنَّ غُبَارَهَا ... سُرَادِقُ يَوْمٍ ذِي رِيَاحٍ تُرْفَعُ	اَوس بن حجر	175
197	وَكُلُّ أُنَاسٍ قَارَبُوا قَيْدَ فَحْلِهِمْ ... وَنَحْنُ خَلَعْنَا قَيْدَهُ فَهُوَ سَارِبُ	مجہول	175
198	فَلَا تَجْزَعُوا إِنِّي لَكُمْ غَيْرُ مُصْرِخٍ ... وَلَيْسَ لكم عندي غناء ولا نصر	امیہ بن ابی الصلت	176
199	وَمَنْ يَجْعَلِ الْمَعْرُوفَ مِنْ دُونِ عِرْضِهِ ... يَفِرْهُ ومن لا يتّقي الشَّتْمَ يُشْتَمِ	زہیر	177
200	وَقَدْ أُخَالِسُ رَبَّ الْبَيْتِ غَفْلَتَهُ ... وَقَدْ يُحَاذِرُ مِنِّي ثُمَّ مَا يَئِلُ	اَعشیٰ قیس	177
201	وَرُحْنَا بِكَابِنِ الْمَاءِ يُجْنَبُ وَسْطَنَا ... تُصَوَّبُ فِيهِ الْعَيْنُ طَوْرًا وَتَرْتَقِي	امرؤالقیس	181
202	مَنْ يَفْعَلِ الْحَسَنَاتِ اللّٰهُ يَشْكُرُهَا	الحطیئہ	182
203	أُرِيدُ لِأَنْسَى ذِكْرَهَا فَكَأَنَّمَا ... تَمَثَّلَ لِي لَيْلَى بِكُلِّ سَبِيلِ	کثیر عزہ	183
204	وخيل قد دلفت لها بخيل ... تَحِيَّةُ بَيْنِهِمْ ضَرْبٌ وَجِيعُ	عمرو بن معدیکرب	184
205	إِنِّي أُتَمِّمُ أيساري وأمنحهم ... مثنى الأيادي وأكسو الجفنة الْأُدُمَا	نابغۃ ذبیانی	185
206	حَلَفْتُ فَلَمْ أَتْرُكْ لِنَفْسِكَ رِيبَةً ... وَهَلْ يَأْثَمَنْ ذُوأُمَّةٍ وَهُوَ طَائِعُ	نابغۃ ذبیانی	186
207	عَصَيْتُ إِلَيْهَا الْقَلْبَ إِنِّي لِأَمْرِهَا ... مُطِيعٌ فَمَا أَدْرِي أَرُشْدٌ طِلَابُهُ	ابو ذؤیب	187
208	تَصَابَى وَأَمْسَى عَلَاهُ الْكِبَرْ أَيْ: قَدْ عَلَاهُ الْكِبَرُ	نمر بن تولب	189
209	فإنْ تَقْتُلُونا نُقَتِّلْكُمُ ... وَإِنْ تَقْصِدُوا لِدَمٍ نَقْصِدِ	امرُؤُالقَیس	190
210	ألا أيّهذا اللّائمي أحضر الوغى	طَرفہ	190
211	آلَا زَعَمَتْ بَسْبَاسَةُ الْيَوْمَ أَنَّنِي ... كَبُرْتُ وَأَلَّا يَشْهَد اللَّهْوَ أَمْثَالِي	امرُؤُالقَیس	192
212	وَأَبْصَرَتْ رُهْبَانَ دَيْرٍ فِي الْجَبَلِ ... لَانْحَدَرَ الرُّهْبَانُ يسعى ويصل	امرُؤُالقَیس	192
213	وَيَوْمًا شَهِدْنَاهُ سُلَيْمًا وَعَامِرًا	بنی عامر	193
214	عَلَى حِين عَاتَبْتُ الْمَشِيبَ عَلَى الصِّبَا ... وَقُلْتُ أَلَمَّا أَصْحُ وَالشَّيْبُ وَازِعُ	نابغہ ذبیانی	194
215	رفوني وقالوا يا خويلد لا تُرَعْ ... فَقُلْتُ وَأَنْكَرْتُ الْوُجُوهَ هُمُ هُمُ	ابو خراش ہذلی	195
216	أَعَاذِلُ مَا يُدْرِيكَ أَنَّ مَنِيَّتِي ... إِلَى سَاعَةٍ فِي الْيَوْمِ أَوْ فِي ضُحَى الْغَدِ	عدی بن زید	196
217	أَرِينِي جَوَادًا مَاتَ هَزْلًا لِأَنَّنِي ... أَرَى مَا تَرَيْنَ أَوْ بَخِيلًا مُخَلَّدَا	حاتم	196
218	لِيَبْكِ يَزِيدَ ضَارِعٌ لِخُصُومَةٍ ... وَمُخْتَبِطٌ مَا تُطِيحُ الطَّوَائِحُ	لَبید	197

219	فَلَا مُزْنَةَ وَدَقَتْ وَدْقَهَا ... وَلَا أَرْضَ أَبَقَلَ أَبْقَالُهَا	عامر بن جوین طائی	198
220	له الويل إن أمسى وَلَا أُمُّ هَاشِمٍ ... قَرِيبٌ وَلَا الْبَسْبَاسَةُ ابْنَةُ يَشْكُرَا	امرُ وُالقیس	198
221	عَهْدِي بِهِ شَدَّ النَّهَارِ كَأَنَّمَا ... خَضَبَ الْبَنَانَ وَرَأْسَهُ بِالْعَظْلِمِ	عنترۃ بن شداد	199
222	فَإِنْ أَكُ كَاظِمًا لِمُصَابِ نَاسٍ ... فَإِنِّي الْيَوْمَ مُنْطَلِقٌ لِسَانِي	قیس بن زہیر	199
223	فَقُلْتُ يَمِينَ اللَّهِ أَبْرَحُ قَاعِدًا ... وَلَوْ قَطَعُوا رَأْسِي لَدَيْكِ وَأَوْصَالِي	امرُ وُالقیس	200
224	ألم يَأْتِيكَ وَالْأَنْبَاءُ تَنْمِي ... بِمَا لَاقَتْ لَبُونُ بَنِي زِيَادِ	قیس بن زہیر	201
225	فَلَوْ أَنَّهَا نَفْسٌ تَمُوتُ جَمِيعَةً ... وَلَكِنَّهَا نَفْسٌ تُسَاقِطُ أَنْفُسًا	امرُ وُالقیس	201
226	أَمَّا الْمُلُوكُ فَأَنْتَ الْيَوْمَ أَلْأَمُهُمْ ... لُؤْمًا وَأَبْيَضُهُمْ سِرْبَالَ طَبَّاخِ	طرفہ بن عبد	203
227	لمن زحلوقة زلّ ... بِهَا الْعَيْنَانِ تَنْهَلُّ	امرؤالقیس	203
228	فكيف أنا وانتحال القوافي ... بعد الشَّيْبِ يَكْفِي ذَاكَ عَارَا	اَعشی	204
229	وَأَبْرَحُ مَا أَدَامَ اللَّهُ قَوْمِي ... بِحَمْدِ اللَّهِ مُنْتَطِقًا مُجِيدَا	اوس بن مغراء	205
230	ألا أيها الزاجري أحضر الْوَغَى ... وَأَنْ أَشْهَدَ اللَّذَّاتِ هَلْ أَنْتَ مُخْلِدِي	طرفہ	206
231	أَلَا طِعَانٌ ولا فرسان عادية ... إلا تجشّؤكم حَوْلَ التَّنَانِيرِ	حسان بن ثابت	208
232	وَمَا صَرَمْتُكِ حَتَّى قُلْتِ مُعْلِنَةً ... لَا نَاقَةٌ لِيَ فِي هَذَا وَلَا جَمَلُ	راعی نمیری	209
233	فَتُوضِحَ فَالْمِقْرَاةِ لَمْ يَعْفُ رَسْمُهَا ... لِمَا نسجتها مِنْ جَنُوبٍ وَشَمْأَلِ	امرُ وُالقیس	210
234	نَحْنُ بِمَا عِنْدَنَا وَأَنْتَ بِمَا ... عِنْدَكَ رَاضٍ وَالرَّأْيُ مُخْتَلِفُ	عمرو بن امرؤالقیس انصاری	210
235	إِنِّي إِذَا مَا حَدَثٌ أَلَمَّا ... أقول يا اللهمّ يا اللهمّا	ابو خراش ہذلی	211
236	لَمَّا رَأَى أَنْ لَا دَعَهْ وَلَا شِبَعْ ... مَالَ إِلَى أَرْطَاةِ حِقْفٍ فَاضْطَجَعْ	مجہول	212
237	فاليوم قربت تهجونا وتشتمنا... فَاذْهَبْ فَمَا بِكَ والأيّام من عجب	عمرو بن معدیکرب	213
238	أَكُرُّ عَلَى الْكَتِيبَةِ لَسْتُ أَدْرِي ... أَحَتْفِي كَانَ فِيهَا أَمْ سِوَاهَا	عباس بن مرداس سلمی	213
239	اريدُ لِأَنْسَى ذِكْرَهَا فَكَأَنَّمَا ... تُمَثَّلُ لِي لَيْلَى بِكُلِّ سَبِيلِ	کثیر عزۃ	214
240	وألفى قولها كذبا ومينا	عدی بن زید عبادی	215
241	لَا يَبْعَدَنَّ قَوْمِي الَّذِينَ هُمْ ... سُمُّ الْعُدَاةِ وَآفَةُ الْجُزْرِ النَّازِلِينَ بِكُلِّ مُعْتَرَكٍ ... وَالطَّيِّبُونَ مَعَاقِدَ الْأُزْرِ	خرنق بنت بدر بن ہفان دختر طرفہ	217

242	أَصْبَحْتُ لَا أَحْمِلُ السِّلَاحَ وَلَا ... أَمْلِكُ رَأْسَ الْبَعِيرِ إِنْ نَفَرَ وَالذِّئْب أَخْشَاهُ إِنْ مَرَرْتُ بِهِ ... وَحْدِي وَأَخْشَى الرِّيَاحَ وَالْمَطَرَا	ربیع بن ضبع فزاری	218
243	وَلَقَدْ طَعَنْتَ أَبَا عُيَيْنَةَ طَعْنَةً ... جَرَمَتْ فَزَارَةُ بَعْدَهَا أَنْ يغضبوا	عطیہ بن عفیف	218
244	تحالفت طَيٌّ مِنْ دُونِنَا حِلْفًا ... وَاللهُ أَعْلَمُ مَا كنّا لهم خذلا	مجہول	220
245	فَقُلْتُ لَهُ لَا تَبْكِ عَيْنُكَ، إِنَّمَا ... نُحَاوِلُ مُلْكًا أَوْ نَمُوت فَنُعْذَرَا	امرؤالقیس	220
246	وَهَلْ لِي أُمٌّ غَيْرُهَا إِنْ تَرَكْتُهَا ... أَبَى اللهُ إِلَّا أن أكون لها ابنما	مجہول	221
247	وَلَا عَيْبَ فِيهِمْ غَيْرَ أَنَّ سُيُوفَهُمْ ... بِهِنَّ فُلُولٌ مِنْ قِرَاعِ الْكَتَائِبِ	نابغہ ذبیانی	223
248	يَا لَيْتَ زَوْجَكِ فِي الْوَغَى ... مُتَقَلِّدًا سَيْفًا وَرُمْحَا	عبداللہ بن زبعری	224
249	فَلَا يَنْبَسِطْ مِنْ بَيْنِ عَيْنَيْكَ مَا انْزَوَى ... وَلَا تَلْقَنِي إِلَّا وَأَنْفُكَ رَاغِمُ	اعشی قیس	225
250	تُطَلِّقُهُ حِينًا وَحِينًا تُرَاجِعُ	نابغہ ذبیانی	226
251	وَجِبْرِيلُ أَمِينُ اللهِ فِينَا ... وَرُوحُ الْقُدُسِ لَيْسَ بِهِ خَفَاءُ	حسان	228
252	إِنَّ الْكَرِيمَ عَلَى عِلَّاتِهِ هَرِمُ	زہیر	229
253	فَلَمَّا تَبَيَّنَّ أَصْوَاتَنَا ... بَكَيْنَ وَفَدَيْنَنَا بِالْأَبِينَا	مجہول	230
254	فَمَا كَانَ قَيْسٌ هَلْكُهُ هَلْكَ وَاحِدٍ ... وَلَكِنَّهُ بُنْيَانُ قَوْمٍ تهدّما	مجہول	232
255	لَعَمْرِي لَأَنْتَ الْبَيْتُ أَكْرِمُ أَهْلُهُ ... وَأَقْعَد فِي أَفْنَائِهِ بِالْأَصَائِلِ	ہذلی	235
256	إِلَى الْمَلِكِ الْقَرْمِ وَابْنِ الْهُمَامِ	مجہول	236
257	وخيّسِ الجِنّ! إِنّي قد أَذِنْتُ لهمْ... يَبْنُونَ تدمر بِالصُّفَاحِ وَالْعُمُدْ	نابغہ ذبیانی	236
258	وَمِنَ الطَّرِيقَةِ جَائِرٌ وَهُدًى ... قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهُ ذُو دَخَلَ	امرؤالقیس	238
259	فَقُلْتُ لَهَا قِفِي فَقَالَتْ قَافِ	مجہول	240
260	نَجَا سَالِمٌ والنفس منه بشدقه ... ولم ينج إلا جفن سيف ومئزرا	ہذلی	256
261	تَسِيلُ عَلَى حَدِّ السُّيُوفِ نُفُوسُنَا ... وليست على غير الظّبات تسيل	سموول بن عادیا	257
262	نُبِّئْتُ أَنَّ بَنِي سُحَيْمٍ أَدْخَلُوا ... أَبْيَاتَهُمْ تَأْمُورَ نَفْسِ الْمُنْذِرِ	اوس بن حجر	257
263	فَقُلْتُ لَهُمْ ظنّوا بألفي مدجّج ... سراتهم في الفارسيّ المسرّد	درید بن صمہ	256
264	فَإِنَّ الْغَدْرَ فِي الْأَقْوَامِ عَارٌ ... وَإِنَّ الْحُرَّ يُجْزَى بِالْكُرَاعِ	ابو حنبل بن مرطائی	258

265	وَمَا أَدْرِي وَسَوْفَ إِخَالُ أَدْرِي ... أَقَوْمٌ آلُ حِصْنٍ أَمْ نِسَاءُ	زہیر بن اَبی سلمی	259
266	دعوت الله حتّى خفت ألّا ... يَكُونَ اللَّهُ يَسْمَعُ مَا أَقُولُ	سمیر بن حارث ضبی	260
267	فَإِنْ تَسْأَلُونِي بِالنِّسَاءِ فَإِنَّنِي ... بَصِيرٌ بِأَدْوَاءِ النِّسَاءِ طَبِيبُ	علقمہ الفحل	261
268	وَإِنَّ الْمَوْتَ طَوْعُ يَدِي إذا ما وصلت بنانها بالهندوان	عنترۃ	275
269	وَيَحْرُمُ سِرُّ جَارَتِهِمْ عَلَيْهِمْ ... وَيَأْكُلُ جَارُهُمْ أُنُفَ الْقِصَاعِ	حطیئہ	264
270	أَلَا زَعَمَتْ بَسْبَاسَةُ الْيَوْمَ أَنَّنِي ... كَبِرْتُ وَأَنْ لَا يُحْسِنَ السِّرَّ أمثالي	امرُؤُالقَیس	264
271	فلن يطلبوا سرّها للغنى ... ولن يسلموها لإزهادها	اَعشیٰ قیس	264
272	وَلَا سِنَةٌ طَوَالَ الدَّهْرِ تَأْخُذُهُ ... وَلَا يَنَامُ وَمَا فِي أَمْرِهِ فَنَدُ	زہیر بن ابی سلمی	245
273	الْحَمْدُ لِلَّهِ إِذْ لَمْ يَأْتِنِي أَجَلِي ... حَتَّى اكْتَسَيْتُ مِنَ الْإِسْلَامِ سِرْبَالَا	لَبید	265
274	وتصبح من غبّ السّرى وكأنّما ... أَلَمَّ بِهَا مِنْ طَائِفِ الْجِنِّ أَوْلَقُ	اَعشیٰ قیس	266
275	أَبَا مُنْذِرٍ أَفْنَيْتَ فَاسْتَبْقِ بَعْضَنَا ... حَنَانَيْكَ بَعْضُ الشَّرِّ أَهْوَنُ مِنْ بَعْضِ	طرفہ	294
276	حلَفْتُ، فلم أترُكْ لنفسِكَ ريبةً ... وهلْ يأثَمَنْ ذو أُمةٍ، وهوَ طائعُ	نابغہ ذبیانی،	248
277	فَإِنْ تَقْتُلُونَا نُقَتِّلْكُمْ	امرُؤُالقَیس	249
278	إِذَا مَا رَايَةٌ نُصِبَتْ لِمَجْدٍ ... تَلَقَّاهَا عَرَابَةُ باليمين	شماخ بن ضرار	269
279	وَكُلُّ قَرِينٍ بِالْمُقَارَنِ يقتدي	طرفہ	270
280	تَغَطَّ بِأَثْوَابِ السَّخَاءِ فَإِنَّنِي ... أَرَى كُلَّ عَيْبٍ وَالسَّخَاءُ غِطَاؤُهُ	مجہول	272
281	وَإِنِّي لَعَبْدُ الضَّيْفِ مَا دَامَ ثَاوِيًا ... وَمَا فِي إِلَّا تِلْكَ مِنْ شِيمَةِ الْعَبْدِ	حاتم الطائی	274
282	وكان فتى الْهَيْجَاءِ يَحْمِي ذِمَارَهَا ... وَيَضْرِبُ عِنْدَ الْكَرْبِ كُلَّ بَنَانِ	عنترہ بن شداد عبسی	275
283	قَاتَلَهَا اللَّهُ تَلْحَانِي وَقَدْ عَلِمَتْ ... أَنِّي لِنَفْسِي إِفْسَادِي وَإِصْلَاحِي	عَبید بن الأبرص	279
284	أَوْرَدْتُمُوهَا حِيَاضَ الْمَوْتِ ضَاحِيَةً ... فَالنَّارُ مَوْعِدُهَا وَالْمَوْتُ لَاقِيهَا	حسان	282
	فَلَا تَبْعُدَنَّ إِنَّ الْمَنِيَّةَ مَنْهَلٌ ... وَكُلُّ امْرِئٍ يَوْمًا بِهِ الْحَالُ زَائِلِ	نابغہ	283
285	فَلَسْتُ لِإِنْسِيٍّ وَلَكِنْ لَمَلْأَكٍ ... تَنَزَّلَ مِنْ جَوِّ السماء يصوب	علقمہ فحل	298
286	أَلَمْ يَيْأَسِ الْأَقْوَامُ أَنِّي أَنَا ابْنُهُ ... وَإِنْ كُنْتُ عَنْ أَرْضِ الْعَشِيرَةِ نَائِيًا	رباح بن عدی	285

287	أَقُولُ لَهُمْ بِالشِّعْبِ إِذْ يَأْسِرُونَنِي ... أَلَمْ تيأسوا أنّي ابن فارس زهدم	سحیم بن وثیل یربوعی	286
288	أَنَغْضَ طرفى رَأْسَهُ وَأَقْنَعَا ... كَأَنَّمَا أَبْصَرَ شَيْئًا أَطْمَعَا	عنترہ	286
289	تَدَارَكْتُمَا عَبْسًا وَقَدْ ثُلَّ عَرْشُهَا ... وَذِبْيَانُ قَدْ زَلَّتْ بِأَقْدَامِهَا النَّعْلُ	مجہول	288

فہرست اعلام

نمبر شمار	نام	صفحہ نمبر
1	حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ	01
2	نافع بن ارزق	02
3	حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	02
4	رعد ماموک حسین	03
5	سید عبد الرحمان بن قاسم المدانی	19
6	علامہ احمد بن عامر الحدائی	19
7	سید علامہ اسماعیل بن حسن	19
8	علامہ قاسم بن یحیٰ الحولانی	19
9	علامہ عبد اللہ بن اسماعیل النہمی	19
10	علامہ حسن بن اسماعیل المغربی	19
11	سید امام عبد القادر بن احمد الکوکبائی	19
12	سید علامہ علی بن ابراھیم بن علی بن ابراھیم بن احمد بن عامر	19
13	سید عارف یحیی بن محمد الحوتی	19
14	قاضی عبد الرحمان بن حسن الاکوع	19

15	امام مبرد	22
16	فراء	22
17	عبیدہ	22
18	خلیل	25
19	یونس	25
20	سیبویہ	25
21	ابوعمرو	27
22	امام سیوطی	22
23	حضرت انس رضی اللہ عنہ	29
24	حضرت حسان رضی اللہ عنہ	29
25	کعب بن مالک رضی اللہ عنہ	29
26	ابوہریرہ رضی اللہ عنہ	29
27	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا	30
28	ابوحاتم الرازی	54
29	ہرم بن سنان	58
30	علقمہ بن علاثہ	59

31	عامر بن طفیل	59
32	ابن عطیہ	63
33	نضر بن شمیل	74
34	متلمس	82
35	عمرو بن ہند	83
36	ابن محیصن	134
37	ابو عبید، معمر بن المثنیٰ	22
38	ابو عمرو بن العلاء	35
39	زَجّاج	47
40	ابن النحاس	163
41	قاری نافع	35
42	طُفَیل الغَنوی	40
43	عمرو بن معدي كرب	27
44	نابغہ ذبیانی	28
45	امرؤالقیس	34
46	اعشیٰ قیس	36

47	عمرو بن کلثوم	36
48	زہیر بن ابی سلمیٰ	37
49	الحطیہ	43
50	ابو اسحٰق سبیعیؒ	44
51	ابو خراش خویلد بن مرہ القردی الہذلی	44
52	حمزہ بن حبیب	46
53	اعشیٰ الاکبر	48
54	اوس بن حجر بن مالک الاسدی التمیمی	52
55	عباس بن مرداس السلمی	54
56	ہرم بن سنان	58
57	علقمہ بن علاثہ	59
58	ابو الشعثاء عبد اللہ بن رباح	64
59	سوید بن عامر المصطلقی	65
60	ابو محمد سلیمان بن مہران اعمش اسدی کاہلی	67
61	ابو نوفل	69
62	عنترہ بن شداد	71

63	مخبّل ربیعہ	73
64	نضر بن شمیل	73
65	أبو العباس أحمد بن يحيى بن زيد بن سيار، البغدادي، الشيباني	74
66	عمرو بن ابی عمرو بن شداد	75
67	صفوان بن امیہ	79
68	سحیم عبد بنی حسحاس	82
69	متلمس	82
70	ابن الشجری	83
71	جریر بن عبد العزی	83
72	حمزہ کسائی	87
73	سماءوال بن غرید بن عدیہ	96
74	حارث بن عباد البکری	99
75	درید بن الصمہ	107
76	ضباعہ بنت عامر بن قرات بن سلمہ الخیر	111

فہرست اماکن

نمبر شمار	جگہ کا نام	صفحہ نمبر
1	ریاض	Viii
2	بصرہ	02
3	عراق	25
4	صنعاء	17
5	یمن	17
6	سیوط	25
7	مکہ	176
8	شام	83

مصادرومراجع

- القرآن الکریم
- إبراهيم عوض، التذوق الأدبي (دوحة: مكتبة الثقافة 1415ه)
- إبراهيم مصطفى، أحمد الزيات، حامد عبد القادر، محمد النجار، مجمع اللغة العربية (القاهرة، دار الدعوة 1415ه)
- ابن ابي الحديد، شرح نهج البلاغة، عبد الحميد بن هبة الله بن محمد (بيروت: دار الكتب العلمية 1998ء)
- ابن أبي زَمَنِين المالكي، أبو عبد الله محمد بن عبد الله، تفسير القرآن العزيز (القاهرة: الفاروق الحديثة 2002ء)
- ابن الأثير الكاتب، نصر الله بن محمد بن محمد بن عبد الكريم الشيباني، الجامع الكبير فی صناعة المنظوم من الكلام والمنثور (مطبعة المجمع العلمي 1375ه)
- ابن الأثير، ضياء الدين نصر الله بن محمد، المثل السائر في أدب الكاتب والشاعر (القاهرة: دار نهضة 1415ه)
- ابن الشجري، ضياء الدين أبو السعادات هبة الله بن علي بن حمزة، أمالي ابن الشجری (القاهرة مكتبة الخانجي 1991ء)
- ابن الشجري، ضياء الدين أبو السعادات هبة الله بن علي بن حمزة، مختارات شعراء العرب لابن الشجري (مصر :مطبعة الاعتماد، 1925ء)
- ابن الصانع، يعيش بن علي بن يعيش، شرح المفصل، (مصر: إدارة الطباعة المنيرية 1415ه)
- ابن جرير، محمد بن جرير بن يزيد، تفسير الطبري (بيروت: مؤسسة الرسالة 2000ء)
- ابن عاشور، محمد الطاهر، التحرير والتنوير (تونس: الدار التونسية 1984ء)
- ابن عباس، عبد الله بن عباس رضي الله عنهما، تنوير المقباس من تفسير ابن عباس (لبنان: دار الكتب العلمية 1415ه)
- ابن عبد ربه، أبو عمر شهاب الدين أحمد بن محمد، العقد الفريد (بيروت: دار الكتب العلمية 1404ه)
- ابن عصفور، علي بن مؤمن، ضرائر الشِّعْر (دار الأندلس للطباعة والنشر والتوزيع 1980ء)

- ابن عقيل، عبد الله بن عبد الرحمن العقيلي الهمداني المصري ، شرح ابن عقيل، (مصر: المكتبة التجارية الكبرى 1415ه)
- ابن كثير، أبو الفداء إسماعيل بن عمر القرشي، تفسير القرآن العظيم (ابن كثير)، (بيروت: دار الكتب العلمية، 1419ه)
- ابن ماجة، سنن ابن ماجه، أبو عبد الله محمد بن يزيد (حلب: دار إحياء الكتب العربية 1415ه)
- ابن منظور، محمد بن مكرم بن على جمال الدين الأنصاري الإفريقى، لسان العرب (بيروت: دار صادر 1414ه)
- أبو الحسن البصري، علي بن أبي الفرج بن الحسن، الحماسة البصرية (بيروت: عالم الكتب 1415ه)
- أبو الخطاب القرشي، أبو زيد محمد، جمهرة أشعار العرب (مصر: نهضة للطباعة والنشر والتوزيع 1415ه)
- أبو العباس، أحمد بن محمد بن علي الفيومي ثم الحموي، المصباح المنير في غريب الشرح الكبير (بيروت: المكتبة العلمية 1415ه)
- أبو داود، سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير بن شداد، سنن أبي داود (بيروت: المكتبة العصرية 1415ه)
- أبو علي القالي، إسماعيل بن القاسم بن عيذون، الأمالي = شذور الأمالي = النوادر (دار الكتب المصرية 1926ء)
- أبو على القالى، إسماعيل بن القاسم، البارع في اللغه (بيروت: دار الحضارة العربية 1975م)
- أبو عمرو الشيباني، شرح المعلقات التسع (بيروت: مؤسسة الأعلمي للمطبوعات 2001ء)
- أبو منصور ابن الجواليقي، موهوب بن أحمد بن محمد، شرح أدب الكاتب (بيروت: دار الكتاب العربي 1415 ه)
- أبو يعلى، أحمد بن علي بن المثُنى، مسند أبي يعلى (دمشق: دار المأمون للتراث 1984ء)
- الأخفش الأصغر، علي بن سليمان بن الفضل، الاختيارين (دار الفكر 1999ء)
- الأزدي، علي بن الحسن الهُنائي، المُنَجَّد في اللغة (القاهرة: العالم الكتب 1988ء)
- الأزدي، أبو على الحسن بن رشيق القيرواني، العمدة في محاسن الشعر وآدابه (دار الجيل 1981ء)
- الأسدي، عبيد بن الأبرص بن حنتم بن عامر بن مالك، ديوان عَبيد بن الأبرص (دار الكتاب العربي 1994ء)

- إسماعیل حقي، إسماعیل بن مصطفی، روح البیان (بیروت: دار الفکر 1415ھ)
- الأصبهاني، إسماعیل بن محمد بن الفضل بن علي القرشي، إعراب القرآن للأصبهاني (الریاض: مکتبة الملک فهد الوطنیة 1995ء)
- الأصفهاني، أبو الفرج، الأغاني (بیروت: دار الفکر 1415ھ)
- الأصمعي، أبو سعید عبد الملک بن قریب، الأصمعیات اختیار الأصمعي (مصر: دار المعارف 1993ء)
- الأصمعي، الأصمعیات اختیار الأصمعي (مصر: دار المعارف 1993ء)
- آلوسي، شھاب الدین محمود بن عبد اللہ الحسیني، روح المعاني في تفسیر القرآن العظیم والسبع المثاني (بیروت : دار الکتب العلمیة 1415ھ)
- امْرُؤُ القَیْس، بن حجر بن الحارث الکندي، دیوان امرئ القیس (بیروت: دار المعرفة 2004ء)
- امیل بدیع یعقوب، المعجم المفصل في شواھد العربیة (دار الکتب العلمیة 1996ء)
- الأنباري، أبو بکر محمد بن القاسم بن بشار، شرح القصائد السبع الطوال الجاھلیات (قاھرہ: دار المعارف 1415 ھ)
- الأندلسي، أبو عبید عبد اللہ بن عبد العزیز بن محمد البکري، سمط اللآلي في شرح أمالي القالي (بیروت: دار الکتب العلمیة 1996ء)
- أوس بن حجر، أبو شریح بن مالک التمیمي، دیوان أوس بن حجر (بیروت: دار بیروت للطباعة والنشر 1996ء)
- بابستي، عزیزة فوّال، المعجم المفصل في النحو العربي (دار الکتب العلمیّة 1413ھ)
- الباھلي، أبو نصر أحمد بن حاتم، دیوان ذي الرمة شرح أبي نصر الباھلي روایة ثعلب 1982ء)
- البخاري، محمد بن إسماعیل، الجامع المسند الصحیح المختصر من أمور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وأیامہ (دار طوق النجاۃ 1422ھ)
- بدر الدین الإربلي، علاء الدین بن عليّ، جواھر الأدب في معرفة کلام العرب (مصر: مطبعة وادي النیل 1996ء)
- البغدادي، عبد القادر بن عمر، خزانة الأدب ولب لباب لسان العرب (القاھرة: مکتبة الخانجي 1997ء)

- البغدادي، محمد بن المبارک بن محمد بن میمون، منتهى الطلب من أشعار العرب(بيروت :دار صادر1999ء)
- البغوی، أبو محمد الحسين بن مسعود بن محمد، تفسير البغوی(بيروت: دار إحياء التراث العربي1420ه)
- بهاء الدين، محمد بن الحسن بن محمد بن علي بن حمدون، التذكرة الحمدونية(بيروت: دار صادر1417ه)
- بيضاوي، ناصر الدين أبو سعيد عبد الله بن عمر بن محمد الشيرازي، أنوار التنزيل وأسرار التأويل (بيروت: دار إحياء التراث العربي1418ه)
- البيهقي، أحمد بن الحسين بن علي بن موسى، شعب الإيمان (رياض: مكتبة الرشد2003ء)
- التبريزي، يحيى بن علي بن محمد الشيبانيّ، شرح القصائد العشر (إدارة الطباعة المنيرية1352ه)
- ثعالبي، أبو زيد عبد الرحمن بن محمد، الجواهر الحسان في تفسير القرآن(بيروت: دار إحياء التراث العربي1418ه)
- الثعالبي، أبو منصور عبد الملک بن محمد بن إسماعيل، لباب الآداب (بيروت: دار الكتب العلمية1997ء)
- الجاحظ، أبو عثمان عمرو بن بحر بن محبوب، البيان والتبيين (القاهرة: مكتبة الخانجي1988ء)
- الجاحظ، البخلاء، أبو عثمان عمرو بن بحر بن محبوب الكناني (بيروت: دار الكتب العلمية2001ء)
- جزائري، جابر بن موسى، أيسر التفاسير لكلام العلي الكبير (المدينة المنورة: مكتبة العلوم والحكم2003ء)
- جلالين، جلال الدين محمد وجلال الدين عبد الرحمن، تفسير الجلالين (القاهرة: دار الحديث1415ه)
- الجنابيُ، حسن بن إسماعيل بن حسن بن عبد الرازق، البلاغة الصافية في المعاني والبيان والبديع(القاهرة :المكتبة الأزهرية للتراث2006ء)
- الجوزي، جمال الدين أبو الفرج عبد الرحمن بن علي بن محمد، أخبار النساء(بيروت: دار مكتبة الحياة1982)
- جوهري، أبو نصر إسماعيل بن حماد الفارابي، الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية(بيروت: دار العلم1987ء)
- حاتم، ابن عبد الله بن سعد بن الحشرج بن أمرئ القيس، ديوان حاتم الطائي(القاهرة :مكتبة الخانجي1990ء)
- الحارث بن حلّزة، ديوان الحَارث بُن حلّزة (لبنان: دار الكتاب العربي1996ء)

- حسان، أبو الوليد ابن ثابت بن المنذر الخزرجي الأنصاري، ديوان حسان بن ثابت(لبنان: دار الكتب العلمية1996ء)
- حطيئة، جرول بن أوس، ديوان الحطيئة(مصر: مطبعة مصطفى البابي الحلبي وأولاده1958ء)
- حنبل، أبو عبد الله أحمد بن محمد، مسند الإمام أحمد بن حنبل(بيروت: مؤسسة الرسالة2001ء)
- الخازن، علاء الدين علي بن محمد، لباب التأويل في معاني التنزيل(بيروت: دار الكتب العلمية1415ه)
- الخالديان، أبو بكر محمد بن هاشم الخالدي، وأبو عثمان سعيد بن هاشم الخالدي، حماسة الخالديين = بالأشباه والنظائر من أشعار المتقدمين والجاهليين والمحضرمين(السورية: وزارة الثقافة،1995ء)
- الخفاجي، أبو محمد عبد الله بن محمد بن سعيد بن سنان الحلبي، سر الفصاحة(دار الكتب العلمية1982ء)
- خنساء، تماضر بنت عمرو السلمية، ديوان الخنساء(بيروت: دار المعرفة2004ء)
- دوهبة بن مصطفى الزحيلي، التفسير المنير في العقيدة والشريعة والمنهج، (دمشق: دار الفكر المعاصر1418ه)
- درويش، محي الدين بن أحمد مصطفى، إعراب القرآن وبيانه(دمشق: دار ابن كثير1415ه)
- دميري، محمد بن موسى بن عيسى، حياة الحيوان الكبرى(بيروت: دار الكتب العلمية1424ه)
- الدينوري، أبو محمد عبد الله بن مسلم بن قتيبة، أدب الكاتب(مصر: المكتبة التجارية1963ء)
- الدينوري، أبو محمد عبد الله بن مسلم بن قتيبة، المعاني الكبير في أبيات المعاني(حيدر آباد الدكن: مطبعة دائرة المعارف العثمانية1949ء)
- رازي، أبو عبد الله محمد بن عمر، مفاتيح الغيب(بيروت: دار إحيا1420ه)
- رازي، زين الدين أبو عبد الله محمد بن أبي بكر، مختار الصحاح(بيروت: المكتبة العصرية1999ء)
- رازي، نثر الدر في المحاضرات، منصور بن الحسين(بيروت: دار الكتب العلمية2004ء)
- راغب أصفهاني، أبو القاسم الحسين بن محمد، المفردات في غريب القرآن(لبنان: دار المعرفة1996ء)
- راغب أصفهاني، أبو القاسم الحسين بن محمد، تفسير الراغب الأصفهاني(جامعة طنطا: كلية الآداب1999ء)
- الرافعي، مصطفى صادق بن عبد الرزاق بن سعيد، تاريخ آداب العرب(لبنان: دار الكتاب العربي1996ء)
- رائنهرت فايبرت، ديوان الراعي النميري(بيروت: دار النشر فرانتس شتاينز1980ء)

- الرفاعي، أحمد مطلوب أحمد الناصري الصيادي، أساليب بلاغية، الفصاحة - البلاغة - المعاني (الكويت: وكالة المطبوعات 1980ء)
- الزّبيدي، محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسيني، تاج العروس (بيروت: دار الفكر 1424ھ)
- زجاجي، عبد الرحمن بن إسحاق، الأمالي (بيروت: دار الجيل 1987ء)
- زمخشري، أبو القاسم محمود بن عمرو بن أحمد، الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل (بيروت: دار الكتاب العربي 1407ھ)
- زمخشري، أبو القاسم محمود بن عمرو بن أحمد، المستقصى في أمثال العرب (بيروت: دار الكتب العلمية 1987ء)
- الزمخشري، جار الله ربيع الأبرار و نصوص الأخيار (بيروت: مؤسسة الأعلمي 1412ه)
- الزّوْزَني، أبو عبد الله حسين بن أحمد بن حسين، شرح المعلقات السبع (دار احياء التراث العربي 2002ء)
- سراج الدين، أبو حفص سراج الدين عمر بن علي، اللباب في علوم الكتاب (بيروت: دار الكتب العلمية 1998م)
- سمرقندي، أبو الليث نصر بن محمد، بحر العلوم (بيروت: دار الفكر 1996ء)
- سيوطی، عبد الرحمن بن أبي بكر، الإتقان في علوم القرآن (الهيئة المصرية العامة للكتاب 1974ء)
- السيوطي، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين، الدر المنثور، (دار الفكر: بيروت 1415ه)
- شاطبی، إبراهيم بن موسى بن محمد، الموافقات (دار ابن عفان 1997ء)
- شُرَّاب، محمد بن محمد حسن، شرح الشواهد الشعرية في أمات الكتب النحوية (بيروت: مؤسسة الرسالة 2007ء)
- الشُّريشي، أبو عباس أحمد بن عبد المؤمن بن موسى القَيْسي، شرح مقامات الحريري (بيروت: دار الكتب العلمية 2006ء)
- الشعراء الهذليون، ديوان الهذليين (القاهرة: دار القومية للطباعة والنشر 1965ء)
- الشماخ بن ضرار، ديوان الشماخ بن ضرار الذبياني، (مصر: دار المعارف 1996ء)
- الشنقيطي، محمد الأمين، أضواء البيان في إيضاح القرآن بالقرآن (بيروت: دار الفكر 1995ء)

- شهاب الدين النويري، أحمد بن عبد الوهاب بن محمد بن عبد الدائم، نهاية الأرب في فنون الأدب (القاهرة :دار الكتب والوثائق القومية 1423ھ)
- شهري، عبد الرحمن بن معاضة، الشاهد الشعري في تفسير القرآن الكريم أهميته، وأثره، ومناهج المفسرين في الاستشهاد به (رياض: دار المنهاج للنشر والتوزيع 1431ھ)
- شوکانی، محمد بن علی بن محمد بن عبد الله اليمنی، فتح القدير، (بيروت: دار ابن كثير، 1414ھ)
- شوكاني، حمد بن علي بن محمد بن عبد الله اليمني، البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع (بيروت: دار المعرفة)
- الصابوني، محمد علي، صفوة التفاسير (القاهرة: دار الصابوني 1997ء)
- صاحب بن عباد، إسماعيل بن عباد بن العباس، المحيط في اللغة (بيروت عالم الكتب 1994ء)
- الطبراني، سليمان بن أحمد بن أيوب، المعجم الكبير (القاهرة: مكتبة ابن تيمية 1415ھ)
- طَرَفَة، ابن العَبْد بن سفيان بن سعد البكري، ديوان طرفة بن العبد (دار الكتب العلمية 2002ء)
- عبد الرزاق، أبو بكر عبد الرزاق بن همام بن نافع الحميري، المصنف (القاهرة: دار التأصيل 2015ء)
- عبد الرزاق، أبو بكر بن همام، تفسير عبد الرزاق (بيروت: دار الكتب العلمية 1419ھ)
- العسكري، أبو هلال الحسن بن عبد الله بن سهل بن سعيد بن يحيى بن مهران، الأوائل (طنطا: دار البشير 1408ھ)
- عطية الأندلسي، أبو محمد عبد الحق بن غالب بن عبد الرحمن بن تمام بن المحاربي، المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز، (بيروت: دار الكتب العلمية 1422ھ)
- علقمة الفحل، علقمة بن عَبَدة بن ناشرة بن قيس، ديوان علقمة الفحل (حلب: دار الكتاب العربي 1996ء)
- علی بن الحسين العلوي، أمالي المرتضى (غرر الفوائد ودرر القلائد) (قم: مكتبة آية الله العظمى المرعشي النجفي 1907ء)
- علي الجندي، في تاريخ الأدب الجاهلي (مكتبة دار التراث 1991ء)
- عليّ المرادي، أبو محمد بدر الدين حسن بن قاسم بن عبد الله بن عليّ المرادي المصري المالكي (المتوفى : 749ھ)، توضيح المقاصد والمسالك بشرح ألفية ابن مالك (دار الفكر العربي 2008ء)

- عمارة، السید أحمد، دراسة في نصوص العصر الجاهلي (ریاض:مکتبة المتنبي 1996ء)
- عمرو بن کلثوم، دیوان عمرو بن کلثوم (قاہرہ: دار الکتاب العربي 1996ء)
- غزنوي، محمود بن أبي الحسن (علي) بن الحسین النیسابوریؒ، باهر البرهان فی معانی مشکلات القرآن (مکة المکرمة: جامعة أم القری 1998ء)
- الفارابي، أبو إبراهیم إسحاق بن إبراهیم بن الحسین، معجم دیوان الأدب، (القاهرة: دار الشعب للصحافة والطباعة والنشر 2003ء)
- الفاسي الصوفي، أبو العباس أحمد بن محمد، البحر المدید في تفسیر القرآن المجید (القاهرة: الدکتور حسن عباس زکي 1419ه)
- فاطمة تجور، المرأة في الشعر الأموي (سوریا: اتحاد الکتاب العرب ر1999ء)
- فیروزآبادی، مجد الدین أبو طاهر محمد بن یعقوب، القاموس المحیط (بیروت: مؤسسة الرسالة للطباعة والنشر والتوزیع 2005ء)
- قرطبی، أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بکر، الجامع لأحکام القرآن (ریاض: دار عالم الکتب 2003ء)
- القِنَّوجي، أبو الطیب محمد صدیق خان، فتح البیان في مقاصد القرآن (بَیروت: المکتبة العصریَّة 1992ء)
- القیرواني، عبد الکریم النهشلي، الممتع في صنعة الشعر (مصر: منشأة المعارف 1996ء)
- کعب، ابن زهیر بن أبي سلمی، دیوان کعب بن زهیر (دار الکتب العلمیة 1997ء)
- لَبِید، ابن ربیعة بن مالک، دیوان لبید بن ربیعة العامري (دار المعرفة 2004ء)
- ماوردی، أبو الحسن علي بن محمد، النکت والعیون (بیروت: دار الکتب العلمیة 1996ء)
- المبرد، أبو العباس محمد بن یزید، الکامل في اللغة والأدب (القاهرة: دار الفکر العربي 1997ء)
- المبرد، محمد بن یزید بن عبد الأکبر الثمالی الأزدي، التعازي والمراثي والمواعظ والوصایا (مصر: نهضة للطباعة والنشر والتوزیع 1996ء)
- المبرد، محمد بن یزید بن عبد الأکبر الثمالی الأزدي، الفاضل (القاهرة: دار الکتب المصریة 1421ه)
- المُثَقَّب، العائذ بن محصن بن ثعلبة، دیوان المُثَقَّب العَبْدِي (القاهرة: معهد المخطوطات العربیة 1997ء)
- مجاهد، تفسیر مجاهد (مصر: دار الفکر الإسلامي الحدیثة، 1989ء)

- المجذوب، عبد الله بن الطيب بن عبد الله، المرشد إلى فهم أشعار العرب(الكويت:دار الآثار الإسلامية1989ء)
- مجموعة من الباحثين، الموسوعة العقدية(موقع الدرر السنية1433ه)
- مجموعة من العلماء، التفسير الوسيط للقرآن الكريم(القاهرة:دار نهضة1993ء)
- المراغي، أحمد بن مصطفى، تفسير المراغي(مصر:شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي وأولاد1946ء)
- المرزباني، أبوعبيد الله بن محمد بن عمران بن موسى، أشعار النساء(مصر:دار عالم الكتب1995ء)
- المرزوقي، أبو علي أحمد بن محمد بن الحسن الأصفهاني، شرح ديوان الحماسة(بيروت :دار الكتب العلمية2003ء)
- المستعصمي، محمد بن أيدمر، الدر الفريد وبيت القصيد(بيروت:دار الكتب العلمية2015ء)
- مسلم، مسلم بن الحجاج، المسند الصحيح(بيروت:دار إحياء التراث العربي1415ه)
- المعري، أبو العلاء أحمد بن عبد الله بن سليمان، رسالة الغفران(مصر:مطبعة أمين هندية1907ء)
- المعري، أبو العلاء أحمد بن عبد الله، اللامع العزيزي شرح ديوان المتنبي(رياض:مركز الملك فيصل للبحوث والدراسات الإسلامية2008ء)
- المغربي، أبو القاسم الحسين بن علي بن الحسين، أدب الخواص في المختار من بلاغات قبائل العرب وأخبارها وأنسابها(الرياض:دار اليمامة للبحث والترجمة والنشر1980ء)
- المقدسي، مجير الدين بن محمد، فتح الرحمن في تفسير القرآن(دار النوادر2009ء)
- منقذ الكناني، أبو المظفر مؤيد الدولة مجد الدين أسامة بن مرشد، لباب الآداب(القاهرة :مكتبة السنة1987ء)
- مهران، محمد بيومي، دراسات في تاريخ العرب القديم(مصر:دار المعرفة1996ء)
- مهلهل، عدي بن ربيعة بن الحارث بن مرة، ديوان مهلهل بن ربيعة(مصر:دار العالمية1996ء)
- الموسى، سعد بن موسى، تاريخ الحياة العلمية في المدينة النبوية خلال القرن الثاني الهجري(رياض:دار القاسم:2007ء)

- المؤید باللهؒ، یحیی بن حمزة بن علي بن إبراهيم، الطراز لأسرار البلاغة وعلوم حقائق الإعجاز (بيروت: المكتبة العنصرية 1423ه)
- الميداني، أبو الفضل أحمد بن محمد بن إبراهيم النيسابوري، مجمع الأمثال (بيروت: دار المعرفة 1996ء)
- نابغة الجعدي، ديوان نابغة الجعدي، ص 81 / دينوري، أبو محمد عبد الله بن مسلم بن قتيبة، الشعر والشعراء (القاهرة: دار الحديث 1423ه)
- نابغة ذبياني، زياد بن معاوية بن ضباب ديوان النابغة الذبياني (القاهرة: دار المعارف 1996ء)
- نجم الدين، محمد بن الحسن الرضي الإستر اباذي، شرح شافية ابن الحاجب مع شرح شواهده للعالم الجليل عبد القادر البغدادي صاحب خزانة الأدب (بيروت: دار الكتب العلمية 1975ء)
- نسائي، أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب، سنن النسائي الكبرى (بيروت: دار الكتب العلمية 1991ء)
- نسفي، أبو البركات عبد الله بن أحمد بن محمود، تفسير النسفي (بيروت: دار الكلم الطيب، 1998ء)
- نعمان، عبد المتعال القاضي، شعر الفتوح الإسلامية في صدر الإسلام (مكتبة الثقافة الدينية 2005ء)
- النهرواني، أبو الفرج المعافى بن زكريا، الجليس الصالح الكافي والأنيس الناصح الشافي (بيروت: دار الكتب العلمية 2005ء)
- بهاء الدين، محمد رشيد بن علي رضا، تفسير القرآن الحكيم (تفسير المنار) (مصر: الهيئة المصرية العامة للكتاب 1990ء)
- واحدي، أبو الحسن علي بن أحمد بن محمد بن علي، النيسابوري، التَّفْسِيرُ البَسِيْط (جامعة الإمام محمد بن سعود: عمادة البحث العلمي 1430ه)
- الوطواطدار، أبو إسحق برهان الدين، غرر الخصائص الواضحة، وعرر النقائض الفاضحة (بيروت: الكتب العلمية 2008ء)
- يحيى بن سلام، يحيى بن سلام بن أبي ثعلبة، تفسير يحيى بن سلام (بيروت: دار الكتب العلمية 2004ء)
- اليوسي، نور الدين الحسن بن مسعود، زهر الأكم في الأمثال والحكم (المغرب: دار الثقافة 1981ء)